احادیث نبویہ میں تیسیر۔اسرار و حکم

[مقالہ برائے پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ]

(سیشن:2011ـ2016ء)

مقالہ نگار

محمد افضل

رول نمبر:11ـ15

نگران مقالہ

ڈاکٹر طاہرہ بشارت

پروفیسر،ادارہ علوم اسلامیہ

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب،لاہور
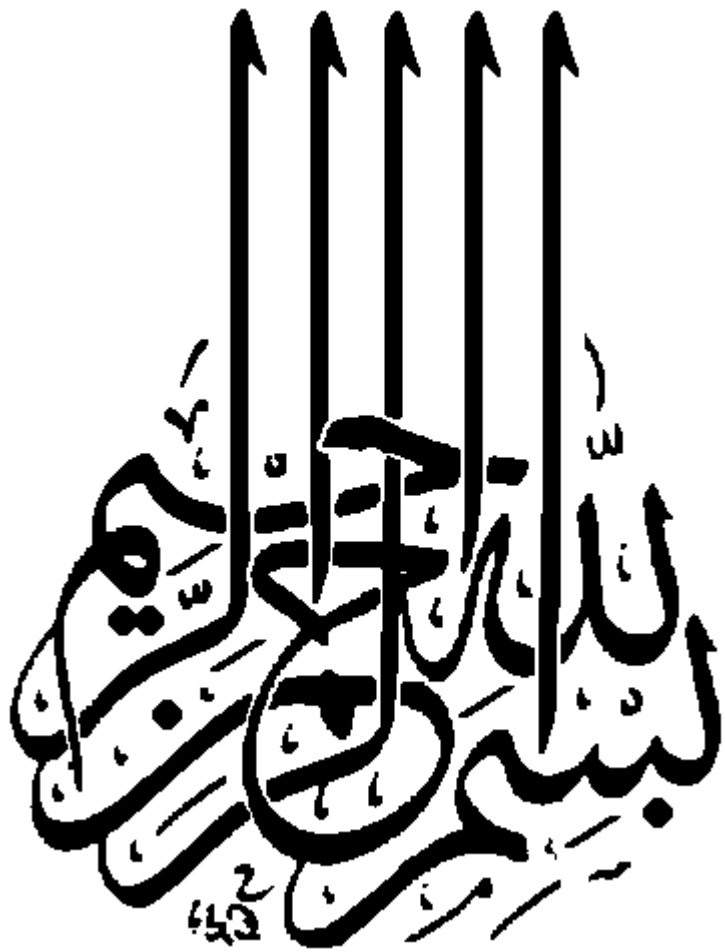
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾

(سورۃ التوبہ)

ترجمہ :

"دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔"

انتساب

محسنِ انسانیت ﷺ کے نام!

جنہوں نے اپنے بارے میں فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا» (مسلم، رقم الحدیث:1478)

”خدا نے مجھے سختی کرنے والا اور تکلیف دینے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے آسانی فراہم کرنے والے معلم کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے۔“

اظہارِ تشکّر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين ، قوله: من لا يشكر الناس لا يشكر الله۔

مجھ پر اللہ جل شانہ کا شکر لازم ہے جس نے میری ہر مشکل گھڑی میں دست گیری فرمائی۔ مجھے اندھیروں سے نکال کر سلامتی کی راہوں پر لگا دیا۔ مجھے دشوار گزار گھاٹیوں سے آسانیوں سے گزار تارہااور مشکلات و مصائب میں ہر وقت اس کی مدد میرے شامل حال رہی۔

ڈھیروں دعائیں والدین کریمین اور بہن بھائیوں کے لیے جن کی شفقت اور محبت کا بدلہ میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام افراد کو سلامتی میں رکھے اور ان کے لیے آسانیوں والے معاملات فرمائے۔ یہ تمام افراد خصوصی شکریہ کے سزاوار ہیں۔

میں انتہائی سپاس گزار ہوں نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر طاہرہ بشارت، ڈین فیکلٹی علوم اسلامیہ کا جنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اس علمی اور تحقیقی مقالہ کے ہر مرحلہ پر میری بھرپور رہنمائی فرمائی۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ذاتی محنت، توجہ اور کوشش نے اس کم مایہ علمی کاوش کو لفظ تکمیل سے آشنا کیا۔

میں انتہائی قدر دان ہوں پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی، پروفیسر ڈاکٹر غلام علی خاں، ڈاکٹر حافظ عثمان احمد، سر طیب نذیر اور تمام معزز اساتذہ کرام کا جنھوں نے میری خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے، حصول علم کے لیے سرگرداں رہنے اور اسلام کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے گراں قدر شفقت عنایت فرمائی۔

میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں ڈاکٹر محمد خبیب کا جنھوں نے تعلیمی میدان میں ہمیشہ میری راہنمائی میں فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور مشکلات میں میرے معاون رہے۔

مقالہ کی تحقیق میں میری اہلیہ اور بیٹی نویر اسحر کا تعاون بھی شامل ہے جو ہر مرحلہ میں میرے لیے آسانیاں اور سہولتیں مہیا کرتی رہی ہیں، وہ اس پر خصوصی شکریہ کی مستحق ہیں۔

قاری ظہیر احمد، دوست محمد (کمپوزر) اوران تمام دوستوں کا شکریہ جو تعلیمی اور تحقیقی میدان میں کسی نہ کسی صورت میں میرے معاون اور میری کامیابیوں کے لیے دعا گو رہے اللہ تعالیٰ ان سب کے لیے آسانیاں فرمائے۔ آمین

محمد افضل

مقدّمہ

مقدمہ

الحمد لله رب العٰلمين،خلق فقدر،وشرع فيسر،ولم يجعل على الناس فى الدين من حرج ، والصلٰوة والسلام علٰى رسوله الأمين ما خير بين أمرين الا اختيار أيسرهما ما لم يكن مأ ثما وعلى آله و صحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين- اما بعد!

موضوع کا تعارف اور ضرورت واہمیت:

اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق فرما کر اس کی رشد وہدایت اور فلاح واصلاح کے لیے انبیاءؑ کو مبعوث کیا اور ہر دور کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے دین مقرر فرمایا، جس کی تعلیمات کی روشنی میں وہ اپنی زندگی بسر کر سکیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی وکامرانی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا وخوشنودی کے مستحق ٹھہریں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے انسانوں کے لیے دین کی بنیادی چیزیں مقرر فرمائی تھیں ویسے ہی مسلمانوں کے لیے بھی قرآنِ مجید کو منبعٔ رشد وہدایت قرار دیا اور ساتھ ہی اس کی عملی تعبیر وتشریح کے لیے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ رب العزت نے ان کی عملی تعبیر کو ساری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی۔ مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ ہی بنیادی چیزیں ہیں جن سے وہ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور جنہیں معیار کی کسوٹی قرار دے سکتے ہیں۔

اسلام فطری اور عالمی دین ہے اس لیے یہ ضروری تھا کہ اس کے احکام میں لوگوں کی صفات، احوال اور ان کے مساکن کا خیال رکھا جاتا، اسی لئے فرائض دینیہ میں مکلفین کے حالات، انفرادی استعداد اور موقع ومناسبت کی حد درجہ رعایت رکھی گئی ہے، کسی عمل کا مکلف ہونا استطاعت اور قدرت سے مشروط ہے اور معاملات زندگی میں معقول ترین، آسان ترین اور مؤثر ترین انداز اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دین اسلام میں عفوودرگزر، رواداری، آسانی، نرمی اور تیسیر مسلسل دہرائے جانے والے اسباق ہیں، اس میں سختی، تنگی، حرج، تلخی اور قساوت قلبی سے کام لینے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[1]

"اللہ تعالیٰ تم سے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

رسول اکرم ﷺ نے دین اسلام کی صفت تیسیر کی وضاحت میں فرمایا:

«إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ

---

(1) البقرہ،2: 185

وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ»[1]

"بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا (اس کی سختی نہ چل سکے گی) پس اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی اور نرمی برتو اور خوش ہو جاؤ اور صبح ،دوپہر، شام اور کچھ قدر رات کو مدد حاصل کرو۔"

قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اہل اسلام کی توجہ دین اسلام میں پائی جانے والی وسعت، آسانی، سہولت، نرمی، گنجائش، عدم حرج، قلّت تکلیف، تدریج اور تیسیر کی طرف مبذول کرائی گئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو بے جا پابندیوں اور ناروا بندشوں سے چھٹکارہ دلانے اور ان کی راہنمائی سہولت، وسعت، آسانی اور تیسیر پر مبنی احکام کی طرف فرمانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ کی اس صفت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا:

﴿لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾[2]

"البتہ تحقیق تمہارے پاس ایک ایسا رسول تشریف لایا ہے جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف کی بات گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کا خواہش مند رہتا ہے ایمان داروں کے ساتھ بڑا ہی مہربان اور شفیق ہے۔"

سورہ الاعراف میں بھی اس صفت تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلالَ الَّتِي كانَتْ عَلَيْهِمْ﴾[3]

"اور وہ ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

رسول اکرم ﷺ نے خود اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا»[4]

"اللہ نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے نہ تکلیف دینے والا بنا کر بھیجا ہے، بلکہ اس نے مجھے آسانی کرنے والے معلم کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نہ صرف خود لوگوں کے لئے آسانی اور تیسیر کو پسند کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ جب اپنے اصحاب ؓ کو کسی علاقہ میں کوئی اہم ذمّہ داری سونپتے تب بھی ان کو لوگوں کے ساتھ نرمی، آسانی اور تیسیر اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدین یسر، حدیث نمبر:39

(2) التوبہ،9: 128

(3) الاعراف7: 157

(4) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییر امراۃ لایکون طلاقا الا بالنیۃ، رقم الحدیث:1478

تھے۔ آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسٰی الاشعریؓ کو یمن کے لئے روانہ کیا تو انہیں یہ ہدایات فرمائیں:

«يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا»[1]

"سختیوں سے اجتناب اور آسانیاں پیدا کرنا،لوگوں کو خوشیوں کے پیغام دینا اور نفرتیں نہ پھیلانا اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے عوام الناس کو بھی یہی نصیحت فرمائی ہے کہ باہم آسانی اور تیسیر سے کام لیں سختی اور مشکلات پیدا کرنے سے اجتناب کریں۔

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا»[2]

"تم سختی کی بجائے آسانیاں پیدا کرو اور آپس میں باہم سکون کے ساتھ رہو اور نفرتوں سے ہر حال میں بچے رہو۔"

آپ ﷺ کے ہاں ہر معاملہ انسانی میں آسانی اور تیسیر کس قدر پسندیدہ تھی، سختی اور تشدد کس قدر ناگوار تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے آدمی کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے جو خلق خدا کے لئے تیسر اور آسانی پر مبنی سلوک کرتا ہے اور جو لوگوں کے لئے نرمی اور گنجائش کے پہلو کو نظر انداز کر دیتا ہے اس کے لئے بدعا فرماتے۔

«اللهُمَّ، مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ»[3]

"اے اللہ جو میری امت کے کسی کام کا والی بنایا گیا اور اس نے اس پر سختی کی تو بھی اس پر سختی فرما اور جو کوئی میری امت کے کسی کام پر والی بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کی تو بھی اس سے نرمی فرما۔"

رسول اکرم ﷺ کی بنیادی ذمّہ داری اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی و مفاہیم کا تعین، مجملات کی تفصیل، مبہمات کی تبیین، مشکلات کی تفسیر، کنایات کی تصریح اور اشارات کی توضیح کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی اس بنیادی ذمّہ داری کو نبھاتے ہوئے ایسے انداز میں احکام الٰہی کی تعبیر و تشریح فرمائی کہ مسلمان احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے میں تنگی اور حرج میں مبتلا نہ ہوں، اسی لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے کسی بھی جگہ آسانی اور تیسیر کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ ہر جگہ ان کے لئے تیسیر اور آسانی کے پہلوں کو اجاگر کیا، تاکہ دین اسلام میں تشدد، تعصب، قساوت قلبی، سختی اور حرج پیدا کرنے والے نظریات اور رویّوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی یسروا ولا تعسروا، رقم الحدیث:6124

(2) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی یسروا ولا تعسروا، رقم الحدیث: 6125

(3) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر، رقم الحدیث:1828

موجودہ دور میں مسلمانوں کے مزاج میں نفلی عبادات، مستحبّات اور دینی و دنیاوی فرائض کی ادائیگی میں بے جا سختی اور تعصب کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیشِ نظر، ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے حالات میں دین اسلام کی آسانی اور تیسیر کے پہلو کو اجاگر کیا جائے جس کی روشنی میں تعصب، فرقہ واریت، تشدد، انتہا پسندی اور بے جا سختی پر مبنی رجحانات، نظریات اور رویّوں کی صحیح سمت کی طرف راہنمائی کی جائے، اسی کے پیش نظر مقالہ نگار نے " احادیثِ نبویہ میں تیسیر۔ اسرار و حکم" کے عنوان سے شریعت اسلامیہ کے دوسرے بڑے مآخذ حدیث رسول ﷺ کا انتخاب کیا تاکہ ایسے افراد جو دین اسلام کے تیسیر اور آسانی کے پہلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نوافل اور مستحبات میں اس قدر سختی سے کام لیتے ہیں کہ اپنے اور دیگر افراد کے لئے کئی ایک مشکلات اور پریشانیاں جنم دیتے ہیں وہ ان فرامین کی روشنی میں اپنے رویّوں، رجحانات اور نظریات میں نرمی اور آسانی پیدا کرتے ہوئے راہ اعتدال کو اختیار کرسکیں۔

احادیث نبویہ میں تیسیر کے پہلوں کو روشن کرنے کے لیے حدیث کی بنیادی کتب سے آپ ﷺ کے فرامین کا انتخاب کیا گیاہے اور تیسیر پر مبنی احادیث کی تشریح و توضیح سلف صالحین کے نقطہ نظر کی روشنی میں بیان کرنے کے لئے شروحاتِ احادیث میں سے امہات الکتب کا سہارا لیا گیاہے۔

مقالہ ہٰذہ پانچ ابواب میں منقسم ہے۔

پہلے باب میں تیسیر اور اسرار و حکم کا معنی و مفہوم بیان کیا گیاہے اور تیسیر کی تائید میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ سے دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں تیسیر نبوی ﷺ کی بنیادیں اور اسالیب کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی صفت تیسیر کو اجاگر کرنے کے لئے بائبل مقدس سے بھی موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں طہارت کے حصول، فرض اور نفل عبادات میں آپ ﷺ کی اختیار کردہ نرمی، آسانی اور سہولت کی وضاحت کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں اصلاح معاشرہ اور دعوت دین میں آپ ﷺ کی آسانی اور تیسیر پر مبنی ہدایات کا جائزہ لیا گیاہے۔

پانچویں باب میں امور جہاد اور حدود و تعزیرات کے بارے میں فرامین نبوی ﷺ کے اسرار و حکم کی وضاحت کی گئی ہے۔

مقالہ کے آخر میں خلاصہ بحث اور سفارشات پیش کی گئی ہیں اور مصادر و مراجع کی فہرست مرتب کردی گئی ہے۔

رب کریم سے التجاہے کہ اس مقالہ میں اسلام کی جو صحیح ترجمانی ہو اس کے لئے دلوں میں قبولیت کی صلاحیت عطا فرمائے اگر اس میں کوئی کوتاہی ہو تو اس سے پہنچنے والے نقصان کو بے اثر کردے۔ آمین یارب العالمین۔

تفصیلی فہرست مضامین

①

بابِ اول

تیسیر کا مفہوم اور دلائل

فصل اول: تیسیر اور اسرار و حکم کا معنی و مفہوم

فصل دوم: قرآن مجید میں تیسیر کے دلائل

فصل سوم: حدیث میں تیسیر کے دلائل

فصلِ اول

تیسیر اور اسرار و حکم کا معنی و مفہوم

تیسیر اور اسرار و حکم کا معنی و مفہوم

تیسیر کا لغوی معنی:

لفظ تیسیر، یسّر کا مصدر ہے اور اس کا مادہ (ی۔س۔ر) ہے۔ لغات عرب میں اس کے درج ذیل معانی ملتے ہیں:

المعجم الوسیط میں ہے:

"اليسر لغة: ضد العسر و منه 'الدين يسر' أي سهل سمح قليل التشديد"[1]

لغت میں یسر تنگی کی ضد ہے اور اس کی دلیل ہے 'الدين يسر' یعنی سہولت، نرمی اور سختی کی کمی۔

مختار الصحاح میں ہے:

"اليسر بسكون السين وضمها ضد العسر و الميسور ضد المعسور و قد يسّر الله لليسرى أي وفقه لها"[2]

یسر کا معنی نرمی اور انقیاد بھی ہے:

"ياسر فلان فلاناً اذا لاينه"

اس کا مطلب یہ ہے کہ 'اس نے دوسرے کے ساتھ نرمی برتی' اسی طرح جب زمین سر سبز ہو جائے تو عرب کہتے ہیں۔ سيرت البلاد

یسر، میسرہ اور یسار کے الفاظ تمول، دولت، آسودگی اور خوشحالی کے مفہوم میں مستعمل ہیں۔[3]

علامہ بدرالدین العینی اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"التَّيْسِير، من بَاب التفعيل، وَقيل: من أيسر يوسر إيسارا، وَلَيْسَ بِصَحِيح، لِأَن الْقَاعِدَة الصرفية أَن يُقَال: أوسر. وَفِي (الْمطَالع) : أيسر على الْمُوسر أَي: أسامحه وأعامله بالمياسرة والمساهلة"[4]

"تیسیر باب تفعیل سے ہے اور کہا گیا ہے "اليسر، يوسر، ايساراً" سے ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے بے شک صرف قاعدہ ہے کہ کہا جائے "اوسر" اور "مطالع" "ايسر على الموسر" (میں آسانی کرتا

---

(1) المعجم الوسیط، مادہ یسر، المکتبۃ العلمیۃ، طہران، 1972ء، 1078/2

(2) مختار الصحاح، مادہ یسر، دار الھلال، لبنان، 1988ء، ص:742

(3) الإفریقی، ابن منظور، جمال الدین، لسان العرب، دار صادر۔ بیروت 1414ھ، 295/5

(4) العینی، بدرالدین، ابو محمد، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 191/11

ہوں تنگ دست پر) تیسیر یہ ہے کہ میں نے اس سے نرم برتاؤ کیا اور اس کے ساتھ آسانی اور سہولت کا معاملہ کیا۔"

شیخ محمد الطاہر بن محمد التونسی لکھتے ہیں:

"وَالتَّيْسِيرُ: جَعْلُ الْعَمَلِ يَسِيرًا عَلَى عَامِلِهِ.

وَمَفْعُولُ فِعْلِ التَّيْسِيرِهُ وَ الشَّيْءُ الَّذِي يُجْعَلُ يَسِيرًا، أَيْ غَيْرَ صَعْبٍ وَيُذْكَرُ مَعَ الْمَفْعُولِ الشَّيْءُ الْمَجْعُولُ الْفِعْلَ يَسِيرًا لِأَجْلِهِ مَجْرُورًا بِاللَّامِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي (طه: 26)"[1]

"تیسیر" کام کرنے والے پر کام کو آسان بنانا اور اس کے لیے کام کو آسان کیا جائے "اور وہ چیز" کہ جس کو آسانی کے لیے بنایا گیا ہو یعنی بغیر مشقت کے کام کو کرنا اور اس کو کام کیے جانے کے ساتھ اس چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے کام کو آسان بنایا جائے، اس وجہ سے لام کے ساتھ جر دی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي۔"

محمد عبد العزیز بن علی الشاذلی لکھتے ہیں:

"التيسير: التسهيل، وضده التعسير. والتبشير: الإخبار بما يسر ويبدو أثره على البشرة، ويقابله الإنذار. والتنفير: إزعاج الشيء وإثارته من مكانه، وضده التسكين. والتطاوع: إطاعة كل واحد منهما صاحبه، وضده التخالف"[2]

"تیسیر بہت زیادہ آسانی کرنے کو کہتے ہیں، اس کی ضد تعسیر ہے اور تبشیر خوشی کی خبر دینے کو کہتے ہیں جس کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور تنفیر کسی چیز کے بے چین کر دینے کو کہتے ہیں جس کا اثر اس کی جگہ پر ظاہر ہوتا ہے اور اس کی ضد تسکین ہے اور تطاوع کسی شخص کا اپنے ساتھی کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی ضد تخالف ہے۔"

ابو الحسین احمد بن فارس لکھتے ہیں:

"الْيُسْرُ: ضِدُّ الْعُسْرِ. وَالْيَسَرَاتُ: الْقَوَائِمُ الْخِفَافُ. وَيُقَالُ: فَرَسٌ حَسَنُ التَّيْسُورِ، أَيْ حَسَنُ نَقْلِ الْقَوَائِمِ. قَالَ: قَدْ بَلَوْنَاهُ عَلَى عِلَّاتِهِ ... وَعَلَى التَّيْسُورِ مِنْهُ وَالضُّمُرْ"[3]

"یسر اس کی ضد عسر ہے اور اسی سے تیسیرات ہے یعنی چوپائے کا ہلکی ٹانگوں والا ہونا اور اسی سے کہا جاتا ہے

---

(1) التونسی، محمد الطاہر بن محمد، التحریر والتنویر تحریر المعنی السدید وتنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید، الدار التونسیۃ للنشر - تونس، 1984ء، 281/30

(2) الشاذلی، محمد عبد العزیز بن علی، الأدب النبوید ار المعرفۃ - بیروت، 1423ھ، 102/1

(3) احمد بن فارس، ابو الحسین، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، 1979ء، 155/6

"فَرَسٌ حَسَنُ التَّيْسُورِ "یعنی مناسب موٹا گھوڑا اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے اس کو آزمایا اس کی خامیوں کے باوجود انجام پذیر ہونے والا ہے اور انہی مناسب موٹے گھوڑوں سے ضمر بھی ہے۔"

ابوالفیض محمد بن محمد تاج العروس میں لکھتے ہیں:

"يسر:(اليَسْر، بِالْفَتْح، ويُحرَّك: اللِّينُ والانْقِيادُ، يكون ذَلِك للْإِنْسَان والفرَس، قد) يَسَرَ (يَيْسِر، من حدِّ ضَرَبَ.) وياسَرَهُ: لايَنَه، أَنْشد ثَعْلَب)قومٌ إِذا شُومِسوا جَدَّ الشِّماسُ بهمْ ... ذاتَ العِنادِ وإِنْ (ياسَرْتَهم) يَسَروا(وَفِي الحَدِيث: مَن أطاعَ الإمامَ (وياسَرَ الشَّريك، أَي ساهَلَه.) واليَسَرُ، محرّكةً: السَّهْلُ اللَّيِّنُ الانقيادِ، يُوصَفُ بِهِ الإنسانُ والفرَس، قَالَ:(إنّي على تَحَفُّظي ونَزْرِي ... أَعْسَرُ إِنْ مارَسْتَنِي بعُسْرِ)"[1]

"یسر یا کے فتح سے بھی ہے یعنی یَسر نرمی اور مطیع ہونے کو کہتے ہیں، جو انسان اور حیوان دونوں میں مشترک ہے یہ یَسَرَ ،یَیْسِر باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ اور اسی سے باب مفاعلہ یاسَرَہُ ہے یعنی باہم نرم ہونا جیسے امام ثعلب نے کہا ہے جب قوم ضد کی وجہ سے باہم دشمنی وعداوت سے کام لے تو اگر تو ان سے نرمی کرے گا تو وہ مطیع ہوں گے۔ اور حدیث میں مَن أطاعَ الإمامَ کے الفاظ بھی ہیں یعنی اس نے نرمی اختیار کی۔ اور یسر سین کی حرکت کے ساتھ نرمی کرنے اور فرمانبرداری کرنے کو کہتے ہیں جو وصف انسان اور گھوڑے میں مشترک ہے۔ انہوں نے کہا اسی سے ہے کہ میں اپنی حفاظت پر چوکنّا ہوں...... میں تنگی کردوں گا اگر تو تنگی میں تختہ مشق مجھے بنادے گا۔"

معجم لغۃ الفقہاء میں اس کے معنی بیان کئے گئے ہیں:

اليسر: بضم الياء وتثليث السين.

مص يسر، خلاف العسر.

☆ السهولة،ومنه

☆ (إن هذا الدين يسر وليس بعسر) Ease , facility ...

☆ **الغنى**:(ر:یسار) Profusion , affluence ... اليسير: من يسر: خلاف الكثير = القليل

☆ **الغبن اليسير** Small , little: ما يدخل تحت تقويم المقومين.

☆ **الخطأاليسير**:الذي يصدرعادة عن الشخص العادي متوسط العناية والحرص Easy fault ...

---

[1] الزبیدی، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسینی، أبو الفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایۃ، 14/456

☆ **اليقين:** بفتح فكسر مص يقن، العلم الذى لا شك معه.[1]

تیسیر کا اصطلاحی مفہوم:

تیسیر سے مراد یہ ہے کہ دین اسلام کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سہولت اور آسانی رکھی ہے اور اپنے بندوں کو ایسے احکام کا مکلف نہیں بنایا جو ان کے لئے ناقابل تحمل اور باعث مشقت ہوں۔

امام طبریؒ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرہ 2: 185) کی تفسیر کرتے ہوئے تیسیر کا مفہوم بیان کیا ہے۔

"يريدبكم ايها المومنون بما شرع لكم التخفيف والتسهيل عليكم ولايريدبكم السرة والمشقة عليكم"[2]

"اے مومنین اللہ نے تمہارے لیے جو شریعت بنائی ہے اس میں تخفیف اور سہولت کا ارادہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ سختی اور مشقت کا نہیں ہے۔"

امام راغب الاصفہانی تیسیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فإن التخفيف واليسر في الأمور الإلهية في الدنيا والآخرة هما مما تستثقله النفس، أما في الآخرة، فأنه لا وصول إلى ذلك إلا بتحمل المشاق في الدنيا والعمل بالطاعات ومخالفة الهوى، وأما في الدنيا فإن التخفيف واليسر مع حصول العلم والصبر والعفة الواضحة عن الإنسان ثقل الجهل والجزع والخوف والفقر "[3]

"چنانچہ دنیا اور آخرت میں امور الٰہیہ میں تخفیف و آسانی ان چیزوں میں ہے جن کو نفس مشکل و گراں سمجھتا ہے۔ اور جہاں تک آخرت میں کامیابی کے حصول کا معاملہ ہے وہ دنیا میں مشقت اٹھا کر، فرمانبرداری کے اعمال کر کے اور نفس کی مخالفت کر کے ہی حاصل ہوتی ہے اور جہاں تک دنیا کا معاملہ ہے اس میں انسان کو تخفیف و آسانی حصول علم، صبر اور پاکدامنی اختیار کرنے کے ساتھ ہے جس کے ذریعے انسان سے جہل، جزع اور خوف و فقر کو اٹھانا ہے۔"

سید محمد رشید رضا لکھتے ہیں:

"بِأَنَّ اللهَ لَا يُرِيدُ إِعْنَاتَ النَّاسِ بِأَحْكَامِهِ وَإِنَّمَا يُرِيدُ الْيُسْرَ بِهِمْ وَخَيْرَهُمْ وَمَنْفَعَتَهُمْ، وَهَذَا أَصْلٌ فِي الدِّينِ

---

(1) محمد رواس، قلعجی، حامد صادق قنیبی، معجم لغۃ الفقہاء، دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1988ء، 514/1

(2) الطبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، دار ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان الطبعۃ: الأولی، 1422ھ، 91/2

(3) الاصفہانی، ابو القاسم، الحسین بن محمد راغب، تفسیر الراغب الاصفہانی، کلیۃ الآداب، جامعہ طنطاء، 1999ء، 288/1

يَرْجِعُ إِلَيْهِ غَيْرُهُ، وَمِنْهُ أَخَذُوا قَاعِدَةَ ((الْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ)) "[1]

"اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں لوگوں کو تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ ان کے لیے ان کی بھلائی اور منفعت کے پیش نظر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ دین کا ایک بنیادی اصول ہے اور باقی احکام بھی اسی طرف لوٹتے ہیں فقہاء نے قاعدہ فقہیہ 'المشقة تجلب التيسير" اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔"

تیسیر کی تعریف کرتے ہوئے شیخ کمال جودۃ ابو المعاطی لکھتے ہیں:

"تشريع الاحكام على وجه روعيت فيه حاجة المكلف و قدرته عل امتثال الاوامر واجتناب النواهی مع عدم الاخلال بالمبادیء الاساسة للتشريع"[2]

تیسیر سے مراد یہ ہے کہ احکام مقرر کرتے ہوئے اوامر پر عمل اور منہیات سے اجتناب کے سلسلے میں مکلف کی حاجت و قدرت کو ملحوظ رکھا جائے بایں طور کہ قانون و شریعت کے بنیادی اصول متاثر نہ ہونے پائیں۔

ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر لکھتے ہیں:

"ان اليسر هو التزام باحكام هذالدين كما ارادها رب العٰلمين ثم تعامل مع هذه الاحكام و التشريعات وفق منهج اليسر الذى نتبين معالمه نم خلال منهج النبوى الكريم"[3]

"یسر یہ ہے کہ دینی احکام میں اس طرح التزام کیا جائے کہ جس طرح منشائے خداوندی ہے اور شرعی احکام و قوانین سے یسر کا معاملہ ان نشانات کی روشنی میں کیا جائے جنہیں ہم منہج نبوی میں واضح کریں گے۔"

امام شاطبی نے الموافقات میں دین اسلام کی صفت تیسیر کی یوں وضاحت کی ہے:

"فاذا كان قصد المكلف ايقاع المشقة- فقد خالف قصد الشارع من حيث ان الشارع لا يقصد بالتكلف نفس المشقة و كل قصد يخالف قصد الشارع باطل فالقصد الىٰ المشقة باطل"[4]

"جب بھی مکلف کا قصد و ارادہ مشقت میں مبتلا ہونے کا ہوتا ہے تو شارع اس لحاظ سے مکلف کے قصد کے مخالف ہوتا ہے۔ کیونکہ شارع کا مقصد نفس کو تکلیف میں ڈالنا نہیں ہوتا اور ہر قصد جو شارع کے قصد کے مخالف ہو وہ باطل ہوتا ہے تو مشقت کا قصد کرنا بھی باطل ہوا۔"

شیخ جمال الدین قاسمی نے تیسیر کی یوں تعریف فرمائی ہے:

---

(1) ابن علی رضا، محمد رشید، تفسیر القرآن الحکیم، تفسیر المنار، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1999ء، 132/2

(2) کمال جودہ، مظاہر التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص:7

(3) الاشقر، عمر سلیمان، ڈاکٹر، خصائص الشریعۃ الاسلامیۃ، مکتبۃ الفلاح، الکویت، 1986ء، ص:70

(4) اللخمی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، للشاطبی، دار المعرفۃ، بیروت، 130/2

"اليسر عمل فيه لين و سهولة و انقياد أو هو رفع المشقة والحرج عن المكلف بأمر من الامور لايجهد النفس ولايثقل الجسم"[1]

"یسر ایک ایسا عمل ہے جس میں نرمی، سہولت اور بجاآوری ہوتی ہے یا یہ مکلف سے ایسے امر کے ساتھ مشقت وحرج کو ختم کرنا ہوتا ہے کہ نفس جس امر کو مشکل نہیں سمجھتا وہ جسم پر گراں نہیں گزرتا۔"

شیخ فاتح بن محمد الصغیر لکھتے ہیں:

"أما فی الاصطلاح:فهو تطبيق الاحكام الشرعية بصورة معتدلة كما جاء ت فی كتاب الله و سنة نبيه ﷺ من غير تشدد يحرّم الحلال ولا تمحيع يحلل الحرام ويد خل تحت هذا المسمى السماحة والسعة و رفع الحرج وغيرها من المصلحات التی تحمل المدلول نفسه"[2]

"اصطلاحی اعتبار سے یسر معتدل صورت میں شرعی احکام کی تطبیق کو کہا جاتا ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں موجود ہیں، نہ تو اس میں اس قدر سختی ہے کہ وہ حلال کو حرام کر دے اور نہ ہی حرام کو حلال میں تبدیل کر دے اور اس قبیل سے وسعت وفراخی اور حرج کو اٹھانا وغیرہ ہے۔ ان مصلحتوں سے جن پر مدلول بذاتہ دلالت کرتا ہے۔"

مولانا شبلی نعمانی نے تیسیر کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"عام خیال یہ تھا کہ بندہ جس قدر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہے اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی بڑی عبادت شمار ہوتی ہے اس لیے لوگ اپنے جسم کو بڑی بڑی تکلفیں دیتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جس قدر جسم کو قید کر دیا جائے اسی طرح روح میں زیادہ صفائی اور پاکیزگی آئے گی۔ چنانچہ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیت میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ اس اعتقاد کا نتیجہ تھا۔ کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا۔ کوئی ہفتہ میں یا چالیس دن میں ایک دفعہ غذا کرتا تھا، کوئی سر تاپا برہنہ رہتا اور ہر قسم کے لباس کو تقدس کا ننگ سمجھتا تھا اور کوئی چلہ کی سردی میں اپنے جسم کو ننگا رکھتا تھا، کوئی عمر بھر یا سالہا سال تک اپنے کو کھڑا رکھتا تھا یا بیٹھا رہتا تھا اور سونے اور لیٹنے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا، کوئی ایک اپنا ہاتھ کھڑا رکھتا تھا کہ سوکھ جائے، کوئی عمر بھر تاریک تہہ خانوں اور غاروں میں چھپ کر خدا کی روشنی کو تلاش کرتا تھا، کوئی تجرد اور ترک دنیا کر کے اہل وعیال اور زن و فرزند کے تعلق سے نفرت رکھ کر خدا کی محبت کا غلط مدعی بنتا تھا لیکن نبوت محمدی نے یہ راز آشکار کیا کہ ان میں کوئی چیز عبادت نہیں ،نہ ترک لذائذ سے حق کی لذت ملتی ہے نہ ہماری غمگینی خدا کی خوش نودی کا باعث ہے اور نہ بندوں کی اس غیر معمولی سے خدا کو آرام ملتا ہے، نہ زن و فرزند کی نفرت سے خدا کی محبت نصیب ہوتی ہے نہ ترک دنیا سے دین کی

---

(1) القاسمی، جمال الدین، محاسن التاویل (تفسیر القاسمی)، دار احیاء الکتب، مصر، 3/427

(2) فاتح بن محمد الصغیر، الیسر والسماحۃ فی الاسلام، الکتاب منشور علی موقع وزارۃ الأوقاف السعودیۃ بدون بیانات، ص:7

دولت ملتی ہے۔ خدا کا دین اتنا ہی ہے جو بندہ کی استطاعت کے اندر ہے۔"[1]

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں:

الدین یسر کا ایک صحیح مفہوم متعیّن کرنا ہو گا وہ یہ ہے کہ

1۔ جو اجتماعی احکام اور اصولی ضابطے دئے گئے ہیں وہ اس لحاظ سے آسان ہیں کہ کوئی متبادل اصولی و اجتماعی حکم ایسا ممکن نہیں جو اتنا آسان ہو اور اتنے بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہو۔

2۔ جو انفرادی رعائتیں دی گئی ہیں وہ اتنی سہل ہیں کہ کسی پر اس کی قوّت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتیں۔[2]

تیسیر کے مترادفات:

تیسر کے معنی و مفہوم میں جو وسعت پائی جاتی ہے اس کی تفہیم کے لئے اس کے مترادفات ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ اس کے معنٰی و مفاہیم میں مزید نکھار پیدا ہو جائے۔

لفظ تیسیر سے جو معنی مراد لئے جاسکتے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

◉ رفع الحرج:

رفع الحرج، مرکب اضافی ہے اور یہ دو کلمات ہیں رفع اور حرج۔رفع کا مادہ (ر ۔ف ۔ع) ہے اور حرج کا مادہ(ح۔ر۔ج) ہے۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الرَّفْعُ: ضِدُّ الوَضْع، رَفَعْته فارْتَفَع فَهُوَ نَقيض الخَفْض فِي كُلِّ شَيْءٍ،...وَيُقَالُ: ارْتَفَعَ الشيءُ ارْتِفاعاً بِنَفْسِهِ إِذا عَلا"[3]

"رفع یہ وضع کی ضد ہے جیسے رَفَعْته فارْتَفَع میں نے اس کو بلند کیا یہ ہر چیز میں پستی کے مخالف ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے ارْتَفَعَ الشيءُ ارْتِفاعاً بِنَفْسِهِ إِذا عَلا کوئی چیز خود ہی بلند ہو گئی جب بھی وہ اٹھی۔"

الحرج کی وضاحت میں ابن اثیر لکھتے ہیں:

"الحرج فی الاصل الضیق،ویقع علی الاثم و الحرام"[4]

---

(1) شبلی نعمانی، مولانا، سیرت النبی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 22/5

(2) پھلواروی، محمد جعفر شاہ، مولانا، اسلام۔ دین آسان ہے، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1955ء، ص:52

(3) لسان العرب، 129/8

(4) مقاییس اللغۃ، 50/2

"حرج اصل میں تنگی کو کہتے ہیں جو کہ گناہ اور حرام میں واقع کر دیتا ہے۔"

ڈاکٹر عمر کامل لکھتے ہیں:

"فرفع الحرج يشتمل فی ازالة ما فی التكاليف الشاقة من المشقة الزائدة فی البدن ،أو النفس ،أو المال،وذالک برفع التكليف من اصله، أو بتخفيفه،أو بالتخيير فيه،أوبان يجعل له مخرج"[1]

"حرج کو اٹھا دینا یہ ان سخت تکلیفوں کے ازالہ پر مشتمل ہے۔ جو بدن، نفس اور مال ہو زائد مشقت ہوتی ہے اور یہی اصل میں تکلیف کو اٹھانا ہے یا اس میں تخفیف کر دینا ہے یا ان میں اختیار دے دینا ہے یا ان کے علاوہ کوئی مخرج وراستہ دینا ہے۔"

ڈاکٹر صالح بن عبد اللہ لکھتے ہیں:

"الحرج:كل ما أدى الى مشقة فی البدن أو النفس أو المال حالاً أو مالاً"[2]

"حرج سے مراد ہر وہ شے جو بدن، نفس یا مال میں ایسی مشقت کا باعث بنے جو عمومی حالات سے زائد ہو خواہ یہ مشقت مال میں ہو یا کسی کام کے نتیجے میں متوقع ہو۔"

◉ الرخصۃ:

لغات میں رخصت کے معنی آسانی اور سہولت کے بیان ہوئے ہیں۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الخصة:هی اليسر و السهولة،و منه رخص السعر اذا سهل وتيسر،والرخصةفی الامر خلاف التشديد فيه"[3]

"رخصت آسانی اور سہولت کو کہتے ہیں۔ اور سہولت و آسانی کے پیش نظر قیمت میں رخصت ہے اور رخصت معاملات میں سختی کے مخالف ہے۔"

امام شاطبی اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"واما الرخصة فما شرع لعذر شاق استثناء من اصل كل يقتضی المنع مع الاقتصار علی مواجهة الحاجةفيه"[4]

---

(1) عمر کامل، ڈاکٹر، الرخصۃ الشرعیۃ فی الاصول والقواعد الفقھیۃ، المکتبۃ المکیۃ، مکۃ المکرمۃ 1420ھ، ص:47

(2) صالح بن عبد اللہ بن حمید، الدکتور، رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیۃ، احیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القریٰ، مکہ، 1403ھ، ص:47

(3) ابن منظور، لسان العرب، 5/187

(4) الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابو اسحاق، الموافقات فی اصول الاحکام، المطبعۃ السلفیۃ، مصر، 1341ھ، 1/210

"مشقت والے عذر کی وجہ سے بطور استثناء کے ہر اس اصل میں جو رکنے کا تقاضا کرتی ہے حقیقتاً رخصت مشروع ہے اس میں موجود ضرورت والے پہلو کی بناء پر۔"

◉ السہولۃ:

لغات میں سہولت کے معنی آسانی، آسائش اور نرمی کے ہیں۔

ابو الفیض بن محمد بن عبد الزاق الزبیدی لکھتے ہیں:

"السهولة:من السهل،وسهله تسهيلاً،يسرهو صيّره سهلاً،و فى الدعاء،سهل الله عليک الامر ولكأى حمل مؤنته عنک،ووخفف عليک سهل الله عليک الامر ولكأى حمل مؤنته عنک،ووخفف عليک"[1]

"سہولت یہ سہل سے ہے جیسے سهله تسهيلاً کہ اس نے اسے سہولت فراہم کی۔ اسی طرح یسر، آسان بنانے کو کہتے ہیں۔ اور جیسا کہ دعا میں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تجھ پر معاملہ آسان کر دے اور ہر مشقت تجھ سے دور کر دے اور تیرے لیے آسانی و تخفیف کر دے۔"

◉ التخفیف:

تخفیف، ثقیل کی ضد ہے یعنی مشقت میں کمی کرنا۔

عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی لکھتے ہیں:

"التخفيف:تسهيل التكليف أوازالة بعضه"[2]

"تخفیف، تکلیف کو آسان کرنا اور اس کا کچھ حصہ ہٹا دینے کا نام ہے"

◉ التوسّع:

لفظ التوسّع کا مصدر وسّع ہے اور وسعت تنگی کی ضد ہے۔

امام رازی اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"وَالْوُسْعُ مَا يَسَعُ الْإِنْسَانَ وَلَا يَضِيقُ عَلَيْهِ وَلَا يُحْرَجُ فِيهِ، قَالَ الْفَرَّاءُ: هُوَ اسْمٌ كَالْوُجْدِ وَالْجُهْدِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْوُسْعُ دُونَ الْمَجْهُودِ فِي الْمَشَقَّةِ، وَهُوَ مَا يَتَّسِعُ لَهُ قُدْرَةُ الْإِنْسَانِ"[3]

---

(1) تاج العروس من جواہر القاموس، 362/14

(2) الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، جمال الدین، ابو الفرج، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتاب العربی۔ بیروت 1422ھ، 395/1

(3) الرازی، محمد بن عمر بن الحسن، أبو عبد اللہ، التفسیر الکبیر، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 1420ھ، 116/7

”وسع، انسان کی کشادگی کو کہتے ہیں جو اس پر تنگ نہیں ہوتی اور وہ اس میں شاداں رہتا ہے۔ امام فراء نے کہا ہے یہ وجد اور جہد کی طرح اسم ہے اور کچھ نے کہا ہے وسعت مشقت میں تکلیف نہ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ اور انسان کی طاقت اس کو کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔“

◉ الرفق:

اس کے معنی ملائمت، نازکی، مہربانی، آہستگی، آسانی اور برداشت کے ہیں۔

امام ابن اثیر فرماتے ہیں:

"والرِّفْقُ: لينُ الجَانب، وَهُوَ خِلَافُ العُنف"[1]

”رفق؛ نرم روی کو کہتے ہیں اور وہ سختی کے برعکس ہے۔“

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"الرِّفْقُ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَسُكُونِ الْفَاءِ بَعْدَهَا قَافٌ هُوَ لِينُ الْجَانِبِ بِالْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْأَخْذِ بِالْأَسْهَلِ وَهُوَ ضد العنف"[2]

”رفق راء کے کسرے اور فاء کے سکون کے ساتھ ہے اور اس کے بعد قاف ہے اور یہ قول و فعل میں نرمی اور ہر معاملہ میں آسانی اختیار کرنا ہے اور یہ سختی کے برعکس ہے۔“

◉ السماحۃ:

مختار الصحاح میں اس کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

"الجود ،والمسافحة المساهلة ، وتسافحوا تساهلوا" [3]

”جود، باہمی کشادگی و فراخی اور نرمی کو کہتے ہیں، جیسے تسافحوا تساھلوا کہ تم باہم نرمی اور آسانی کرو۔“

◉ النسخ:

شیخ محمد الخضری اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

"هو رفع الشارع حكماً شرعياً بدليل شرعي " [4]

---

(1) ابن الاثیر، المبارک بن محمد، ابو السعادات، مجد الدین، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبۃ العلمیۃ۔ بیروت، 1979ء، 2/246

(2) عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ، 10/449

(3) مختار الصحاح، 1/131، مادہ (س۔م۔ح)

(4) محمد الخضری، اصول الفقہ، القاہرہ، دار الحدیث، 2003ء، ص:247

"شارع کا کسی شرعی حکم کو کسی شرعی دلیل کے ساتھ اٹھالینا۔"

اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

"وقيل : هو بيان انتهاء حكم شرعى بطريق متراخ فى التماس التخفيف ولكنه لايعد منها على الخو الذى سبق لأن الدليل الأصلى لم يعد قائماً " [1]

"اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تو تخفیف چاہنے میں آسانی کی جہت سے حکم شرعی کا انتہائی بیان ہے۔ لیکن اسے حکم سابق سے شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ اس پر دلیل شرعی قائم نہیں۔"

◉ الاباحۃ:

مباح کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"هي تخيير المكلف بين الفعل والترك فالأباحة تشعر بأن الحكم فيها أصلى .وتتلافى فى بعض الجزئيات مع الرخص " [2]

"اباحت مکلف کے اختیار کو کہتے ہیں کسی کام کو اور اباحت میں حکم اصلی ہوتا ہے اور رخصت کے ساتھ بعض جزئیات کا تدارک ہو جاتا ہے۔"

◉ العذر:

المصباح المنیر میں ہے:

"هو الحجة التى يعتذربها ،يقال :عذرته رفعت عند اللوح ، فهو معذور أي : غير معلوم " [3]

◉ العفو:

ابوالبقاء الکفوی لکھتے ہیں:

"هوكفو الضرر مع القدرة عليه وكل من استحق عقوبة فتركها فهذا العفو ترك " [4]

"ہر وہ شخص جو سزا کا مستحق ہو اس پر قدرت کے باوجود تکلیف یا سزا دینے سے رک جانا اور اس کو چھوڑ دینا۔ عفو کا معنی ہے درگزر کرنا۔"

---

(1) مجموعۃ علماء، الموسوعۃ الفقہیہ، دار السلاسل، ط2، الکویت، 22/153

(2) مجموعۃ علماء، الموسوعۃ الفقہیہ، 1/126

(3) احمد بن محمد بن علی الفیومی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، 2/398

(4) ابوالبقاء الکفوی، الکلیات، دار المعرفۃ، بیروت، 2007ء، ص:53

اسرار کا معنی و مفہوم:

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

"السِّرُّ: مِنَ الأَسْرار الَّتِي تُكْتَمُ. وَالسِّرُّ: مَا أَخْفَيْتَ، وَالْجَمْعُ أَسرار. وَرَجُلٌ سِرِّيٌّ: يصنع الأَشياءَ سِرّاً مِنْ قَوْمٍ سِرِّيِّين"[1]

"سر یہ اسرار سے یعنی جسے چھپایا جاتا ہے۔اور سر کہتے ہیں جیسے مَا أَخْفَيْتَ جسے تو نے چھپایا اور اس کی جمع اسرار آتی ہے۔اسی سے ہے رَجُلٌ سِرِّيٌّ یعنی راز دان شخص۔جو چیزوں کو چھپاتا ہے راز دان قوم سے۔"

المنجد میں اسرار کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے:

اسرار، سر کے مادہ سے باب افعال کے وزن پر ہے جس کے معنی افرحہ کے ہیں یعنی کتمہ عربی مقولہ ہے:

"حدّثه به سرّاً"[2]

محمد مرتضیٰ الزبیدی لکھتے ہیں:

"(السِّرُّ) ، بِالْكَسْرِ: (مَا يُكْتَمُ) فِي النَّفْسِ من الحَدِيث، قَالَ شيخُنَا: وَمَا يَظْهَرُ؛ لأنه من الأَضداد"[3]

"سر جو سین کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد نفس کلام میں کسی چیز کو چھپانا ہے۔ہمارے شیخ نے کہا جو چیز ظاہر ہوتی ہے(اس کو چھپانا) یہ لغت اضداد سے ہے"

اسرار کے لئے انگریزی میں Secrets اور Mysteries کے الفاظ آتے ہیں۔[4]

خواجہ عبد المجید لکھتے ہیں:

اسرار، سرّ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں:

1۔ راز، بھید
2۔ خفیہ امور، خفیہ باتیں[5]

مفردات القرآن میں ہے:

---

(1) لسان العرب، 356/4
(2) المنجد الابجدی، دار المشرق، بیروت، 1972ء، ص:79
(3) تاج العروس من جواہر القاموس، 12/5
(4) القاموس، دار الرشاد الحدیث، استنبول، ص:88
(5) عبد المجید، خواجہ، جامع اللغات، ملک محمد دین اینڈ سنز، تاجران کتب، لاہور، 194/1

الاسرار کے معنی ہیں کسی بات کو چھپانا جو اعلان کی ضد ہے۔[1]

عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں:

اسرار کے معنی آہستہ سے کسی سے بات کہنا کے بھی ہیں۔[2]

قرآن مجید میں لفظ اسرار چھپانا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[3]

”جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔“

دوسری جگہ ہے:

﴿اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾[4]

”اور کیا یہ جانتے نہیں ہیں کہ جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے۔“

کسی سے پوشیدہ بات کہنا یا راز کی بات کہنا بھی سرّ کے معنی میں آتا ہے۔

سورۃ التحریم میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

﴿وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾[5]

”(اور یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے کہ) نبی نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کی تھی۔“

سرّ اس بات کو بھی کہتے ہیں جو دل میں پوشیدہ ہو۔

سورۃ التوبہ میں ہے:

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾[6]

”کیا یہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں اور وہ تمام

---

(1) الاصفہانی، حسین بن محمد، ابوالقاسم، مفردات القرآن فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، بیروت، 1412ھ، ص:415

(2) نعمانی، عبدالرشید، لغات القرآن، دار الاشاعت، کراچی، 1972ء، 90/1

(3) البقرہ2: 274

(4) ایضاً:77

(5) التحریم66: 3

(6) التوبہ9: 78

غیب کی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے؟"

سورہ طٰہٰ میں ہے:

﴿وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى﴾[1]

"تم چاہے اپنی بات پکار کر کہو، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی بات بھی جانتا ہے۔"

حکم کا معنی و مفہوم:

لفظ حکمت قرآن مجید میں تقریباً 19 جگہوں پر ذکر ہوا ہے اور احادیث میں یہ کثرت سے استعمال کیا گیا ہے، اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

حکم:واحد حكمة؛عبارة من معرفة افضل الاشياء بأفضل العلوم۔[2]

"حکم کی واحد حکمۃ ہے یہ افضل علوم کے ساتھ افضل اشیاء کی معرفت سے عبارت ہے۔"

معجم الوسیط میں اس کی وضاحت یہ کی گئی ہے:

حكمة: معرفة افضل الاشياء بأفضل العلوم والعلم التفقه كما قال الله تعالىٰ:﴿ولقد اٰتينا لقمان الحكمة﴾(ج)حكم[3]

"افضل علوم اور علم فقہ کے ذریعے افضل اشیاء کی معرفت، حکمت کہلاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾

"یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔"

امام راغب الاصفہانی فرماتے ہیں:

والحكمة:"اصابة الحق بالعلم والعقل"[4]

"علم و عقل کے ذریعے حق کو پانا حکمت ہے۔"

سید مرتضیٰ الزبیدی لکھتے ہیں:

حكمة:(الحكم)بحقائق الاشياء علىٰ ماهى عليه والعمل الخيرات۔[5]

---

(1) طہ:20: 7

(2) لسان العرب،140/12

(3) المعجم الوسیط،189/1

(4) المفردات فی غریب القرآن، ص:127

(5) تاج العروس،253/8

”حکمت اشیاء کی اصل اور نیکی کے کاموں کو جاننے کا نام ہے۔“

القاموس میں اس کی یوں وضاحت فرمائی گئی ہے:

حکم: حکمت کی جمع ہے اس کے لئے Secrets اور Mysters کے الفاظ آتے ہیں۔[1]

عبد المجید خواجہ لکھتے ہیں:

حکم، حکمت کی جمع ہے اور حکمت دانائی، طریقہ، راز، بھید اور ترکیب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[2]

المنجد میں اس کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں:

حکم: حکمۃ کی جمع ہے اور یہ باب کتب سے ہے، اس کے معنی دور اندیشی اور دانائی کے ہیں۔[3]

الحاج فیروز الدین لکھتے ہیں:

1۔ حکمت، دانائی اور عقل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

2۔ کسی چیز کی حقیقت دریافت کرنے کا علم

3۔ تدبیر، چال، ترکیب

4۔ طریقہ علاج اور مطلب کی بات کے لئے بھی حکمت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔[4]

قاضی زین العابدین لکھتے ہیں:

حکمت کے معنی فہم و دانش اور حقیقت سے آگاہی کے ہیں اور اس کی جمع حکم ہے۔[5]

عبد الحکیم خان نشر جالندھری لکھتے ہیں:

حکمت کو دانش، عقل، دانائی، ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے کے مفہوم میں لیا جاتا ہے۔[6]

عبد الرشید نعمانی حکم کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

حکمت پکی باتیں اور علم و عقل کے ذریعے حق بات کی دریافت کر لینے کا نام ہے۔ حکمت کا لفظ عقلمندی کے لئے بھی آتا ہے اور آیت مبارکہ ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ میں یہی معنی ہے۔ اس سے مراد علم نبوت بھی ہے، اس کی جمع حکم ہے۔[7]

---

(1) القاموس، ص:514

(2) عبد المجید، خواجہ، جامع اللغات، 2/551

(3) المنجد (عربی، اردو) ادارہ اسلامیات، لاہور

(4) فیروز الدین، الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، ص:5

(5) زین العابدین، قاضی، بیان اللسان، مکتبہ علمیہ، لاہور 1963ء، ص:202

(6) جالندھری، عبد الحکیم خان نشر، قائد اللغات، حمد اینڈ کو تاجران و ناشران کتب، لاہور، ص:464

(7) لغات القرآن، 1/290

سید قائم رضا اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

حکم، حکمت کی جمع ہے اور حکمت سے تدبیر، چال، ترکیب، ڈھنگ، عقل، دانائی، علاج معالجہ، طبابت مراد ہے، حکمت سے یعنی عاقبت اندیشی سے اور احتیاط و ترکیب سے تدبیر کرنا ہے۔[1]

---

(1) قائم رضا، سید، جدید نسیم اللغات، شبنم غلام علی اینڈ سنز، 1989ء، ص:421

2

فصلِ دوم

قرآن مجید میں تیسیر کے دلائل

قرآن مجید میں تیسیر کے دلائل

اسلام کی بنیاد تیسیر اور آسانی پر رکھی گئی ہے یہ اسلام کا امتیازی وصف ہے جو اس کو تمام مذاہب اور ادیان میں غالب کرتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مشکلات اور تنگیوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اسلام میں احکام کو نافذ کرتے ہوئے مکلفین کی استطاعت، انفرادی اور اجتماعی حالات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرتی ہے، مشکلات اور تنگی کا خاتمہ کرتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بہت سارے دلائل موجود ہیں بطور استشہاد چند ایک ذکر کیے جاتے ہیں:

اثبات تیسیر اور نفی تعسیر:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مقام پر اس کی صراحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے تیسیر، آسانی، سہولت کا ارادہ رکھتا ہے اور اپنے بندوں سے مشکلات، دشواریوں اور تنگیوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ اس کے چند ایک دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[1]

"اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔"

امام طبری اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"الْقَوْلُ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: {يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} [البقرة: 185] يَعْنِي تَعَالَى ذِكْرُهُ بِذَلِكَ: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ بِتَرْخِيصِهِ لَكُمْ فِي حَالِ مَرَضِكُمْ وَسَفَرِكُمْ فِي الْإِفْطَارِ، وَقَضَاءِ عِدَّةِ أَيَّامٍ أُخَرَ مِنَ الْأَيَّامِ الَّتِي أَفْطَرْتُمُوهَا بَعْدُ إِقَامَتِكُمْ وَبَعْدَ بُرْئِكُمْ مِنْ مَرَضِكُمُ التَّخْفِيفَ عَلَيْكُمْ، وَالتَّسْهِيلَ عَلَيْكُمْ لِعِلْمِهِ بِمَشَقَّةِ ذَلِكَ عَلَيْكُمْ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ. {وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} [البقرة: 185] يَقُولُ: وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الشِّدَّةَ، وَالْمَشَقَّةَ عَلَيْكُمْ، فَيُكَلِّفُكُمْ صَوْمَ الشَّهْرِ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ، مَعَ عِلْمِهِ شِدَّةَ ذَلِكَ عَلَيْكُمْ وَثِقَلَ حَمْلِهِ عَلَيْكُمْ لَوْ حَمَّلَكُمْ صَوْمَهُ"[2]

"اللہ تعالیٰ کے فرمان﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ کی تفسیر میں بھی یہی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رخصت چاہتے ہیں سفر و بیماری کی حالت میں روزہ چھوڑنے کی۔ اور دوسرے دنوں

---

[1] البقرہ2: 185

[2] جامع البیان عن تأویل آی القرآن، 3/218

جب سفر مکمل ہو جائے تو قضائی ہے ان دنوں کی جن میں تم نے روزہ چھوڑا ہے اور بیماری میں صحت یاب ہونے پر تمہارے لیے تخفیف ہے اور تمہارے احوال میں مشقت کی وجہ سے اس نے تم پر آسانی کی ہے۔﴿ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ کہ وہ تم پر تنگی نہیں چاہتا۔اس نے ان احوال میں تمہیں پورے مہینے کے روزوں کا مکلف بنایا ہے کہ اگر اس نے تم پر روزوں کی ذمہ داری ڈالی ہے تو اس کو اس کی شدت اور مشقت کا بھی علم ہے۔"

امام راغب الاصفہانی لکھتے ہیں:

"وقوله: {يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ} فبعيد، فإن التخفيف واليسر في الأمور الإلهية في الدنيا والآخرة هما مما تستثقله النفس، أما في الآخرة، فأنه لا وصول إلى ذلك إلا بتحمل المشاق في الدنيا والعمل بالطاعات ومخالفة الهوى، وأما في الدنيا فإن التخفيف واليسر مع حصول العلم والصبر والعفة الواضحة عن الإنسان ثقل الجهل والجزع والخوف والفقر."[1]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ اس میں دور اندیشی ہے۔ چنانچہ دنیا اور آخرت میں امور الٰہیہ میں تخفیف و آسانی ان چیزوں میں ہے جن کو نفس مشکل و گراں سمجھتا ہے۔ اور جہاں تک آخرت میں کامیابی کے حصول کا معاملہ ہے وہ دنیا میں مشقت اٹھا کر، فرمانبرداری کے اعمال کر کے اور نفس کی مخالفت کر کے ہی حاصل ہوتی ہے اور جہاں تک دنیا کا معاملہ ہے اس میں انسان کو تخفیف و آسانی حصول علم، صبر اور پاکدامنی اختیار کرنے کے ساتھ ہے جس کے ذریعے انسان سے جہل، جزع اور خوف و فقر کو اٹھانا ہے۔"

سید محمد رشید رضا اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" فالله لا يريدِ اعنات الناس باحكامه،و انما يريد اليسر بهم و خيرهم و منفعتهم،وهٰذااصل فی الدين يرجع اليه غيرهو منه اخذواقاعدة:المشقة تجلب التيسير "[2]

"اللہ تعالیٰ اپنے احکام سے لوگوں کو تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ ان کے لئے ان کی بھلائی اور منفعت کے پیش نظر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے یہ دین کا ایک بنیادی اصول ہے اور باقی احکام بھی اسی کی طرف لوٹتے ہیں فقہاء نے قاعدہ فقہیہ المشقة تجلبة التيسير اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔"

الشیخ عبد الرحمان بن ناصر السعدی فرماتے ہیں:

" أي: يريد الله تعالى أن ييسر عليكم الطرق الموصلة إلى رضوانه أعظم تيسير، ويسهلها أشد تسهيل، ولهذا كان جميع ما أمر الله به عباده في غاية السهولة في أصله.وإذا حصلت بعض العوارض الموجبة لثقله،

---

(1) الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، راغب، تفسیر الراغب الاصفہانی، کلیۃ الآداب – جامعۃ طنطا، 1999ء، 1/288

(2) تفسیر المنار، 2/132

سهَّله تسهيلا آخر، إما بإسقاطه، أو تخفيفه بأنواع التخفيفات.وهذه جملة لا يمكن تفصيلها، لأن تفاصيلها، جميع الشرعيات، ويدخل فيها جميع الرخص والتخفيفات "[1]

"یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تم پر اپنی رضا کے راستے حد درجہ آسان کر دے۔ اس لیے ان تمام امور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے اصل میں حد درجہ آسان بنایا ہے اور جب کوئی عارضہ پیش آجائے جو ان کی ادائیگی کو مشکل اور بوجھل بنادے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور طرح سے آسان کر دیا۔ یا تو سرے سے اس فرض ہی کو ساقط کر دیا یا ان میں مختلف قسم کی تخفیفات سے نواز دیا۔ یہ اس (آسانی) کا اجمالاً ذکر ہے۔ یہاں تفاصیل بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس کی تفاصیل تمام شرعیات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور ان شرعیات میں تمام رخصتیں اور تخفیفات شامل ہیں۔"

اس کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

هَذِهِ الْآيَةُ دَالَّةٌ عَلَى رَحْمَتِهِ سُبْحَانَهُ لِعِبَادِهِ فَلَوْ أَرَادَ بِهِمْ أَنْ يَكْفُرُوا فَيَصِيرُوا إِلَى النَّارِ، وَخَلَقَ فِيهِمْ ذَلِكَ الْكُفْرَ لَمْ يَكُنْ لَائِقًا بِهِ أَنْ يَقُولَ: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَالْجَوَابُ أَنَّهُ مُعَارَضٌ بِالْعِلْمِ. "[2]

"یہ آیت اللہ کی رحمت کرنے پر دلالت کرتی ہے اگر وہ ان کے کفر کو چاہتے تو وہ جہنم والے بن جاتے۔ اور جس نے ان میں کفر کو پیدا کیا ہے وہ تو اس کے لائق نہیں کہ کہے کہ ﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ ﴾ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے ﴿ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ اور وہ تم پر تنگی نہیں چاہتا اور اس کا جواب علم سے دیا گیا ہے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ" قِرَاءَةُ جَمَاعَةٍ" الْيُسْرَ" بِضَمِ السِّينِ لُغَتَانِ، وَكَذَلِكَ" الْعُسْرَ". قَالَ مُجَاهِدٌ وَالضَّحَّاكُ:" الْيُسْرَ" الْفِطْرُ فِي السفر، و" الْعُسْرَ" الصوم فِي السَّفَرِ. وَالْوَجْهُ عُمُومُ اللَّفْظِ فِي جَمِيعِ أُمُورِ الدِّينِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى:" وَما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" «2» [الحج: 78] ، وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دِينُ اللَّهِ يُسْرٌ) ، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا) . وَالْيُسْرُ مِنَ السُّهُولَةِ، وَمِنْهُ الْيَسَارُ لِلْغِنَى. وَسُمِّيَتِ الْيَدُ الْيُسْرَى تَفَاؤُلًا، أَوْ لِأَنَّهُ يَسْهُلُ لَهُ الْأَمْرُ بِمُعَاوَنَتِهَا لِلْيُمْنَى، قَوْلَانِ. وَقَوْلُهُ:" وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" هُوَ بِمَعْنَى قَوْلِهِ" يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ" فَكَرَّرَ تَأْكِيدًا. الرَّابِعَةَ عَشْرَةَ "[3]

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ الیُسرُ یہ جماعت کی قراءت ہے

---

(1) السعدی، عبد الرحمان بن ناصر، تفسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان المعروف تفسیر السعدی، موسسۃ الرسالۃ، 2000ء، 1/86

(2) التفسیر الکبیر، 5/258

(3) القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، امام، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ ۔ القاہرۃ 1964ء، 2/301

الیُسرُ (سین کے ضمہ کے ساتھ) یہ دونوں لغتیں ہیں اسی طرح العسر میں دونوں لغتیں ہیں مجاہد اور ضحاک نے کہا ہے الیسر سے مراد سفر میں افطار اور العسر سے مراد سفر میں روزہ ہے۔ لفظ کا عموم تمام امور دینیہ کو شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے دین اللہ یسر اللہ کا دین آسان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «یسروا ولاتعسروا» "آسانی کرو تنگی نہ کرو۔" الیسر سہولت سے ہے اور اسی سے غناء کے لیے یسار استعمال ہوتا ہے، بائیں ہاتھ کو الید الیسری کہا جاتا ہے یاتو فال پکڑنے کے لیے یا اس لیے کہ دائیں ہاتھ کی یہ معاونت کرتا ہے تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے ولا یرید بکم الیسر کا معنی یرید اللہ الیسر ہے تاکید کے لیے تکرار فرمایا۔"

مفسرین کی تفاسیر سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ ہر معاملہ میں آسانی اور تیسیر کا ارادہ ہے کہ اس کے بندے تنگی اور حرج میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾[1]

"اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

امام الشوکانی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ: يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ بِمَا مَرَّ مِنَ التَّرْخِيصِ لَكُمْ، أَوْ بِكُلِّ مَا فِيهِ تَخْفِيفٌ عَلَيْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسانُ ضَعِيفاً عَاجِزًا غَيْرَ قَادِرٍ عَلَى مَلْكِ نَفْسِهِ وَدَفْعِهَا عَنْ شَهَوَاتِهَا وَفَاءً بِحَقِّ التَّكْلِيفِ فَهُوَ مُحْتَاجٌ مِنْ هَذِهِ الْحَيْثِيَّةِ إِلَى التَّخْفِيفِ، فَلِهَذَا أَرَادَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ التَّخْفِيفَ عَنْهُ"[2]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ﴾ میں تمہارے لیے رخصت گزر چکی ہے یا اس چیز کا بیان ہے جس میں تمہارے لیے تخفیف ہے۔ اور انسان کو اس قدر کمزور پیدا کیا ہے کہ وہ اس قدر عاجز و بے بس ہے کہ وہ اپنے نفس پر کنٹرول نہیں کر سکتا اور اپنی شہوات کو قابو نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہ مشقت کے ساتھ احکامات کو پورا کرے چنانچہ اس حیثیت میں وہ تخفیف کا زیادہ محتاج ہے اسی لیے اللہ نے اس سے تخفیف و آسانی کا ارادہ کیا

---

(1) النساء4: 28

(2) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب ۔ دمشق، بیروت، 1414ھ، 1/522

ہے۔"

سید طنطاوی فرماتے ہیں:

"یرید الله بما شرعه لکم من أحکام، وبما کلفکم به من تکالیف هی فی قدرتکم واستطاعتکم أن یخفف عنکم فی شرائعه وأوامره ونواهیه، لکی تزدادوا له فی الطاعة والاستجابة والشکر.وَخُلِقَ الْإِنْسانُ ضَعِیفاً أی لا یصبر علی مشاق الطاعات، فکان من رحمة الله به أن خفف عنه فی التکالیف.وهذا الیسر والتخفیف فی التکالیف من أبرز ممیزات الشریعة الإسلامیة، وقد بین القرآن"[1]

"اللہ تعالیٰ تم سے احکام شریعت میں تخفیف چاہتے ہیں، تمہاری قدرت واستطاعت کے ان تمام امور میں جس کا اس نے تمہیں مکلف بنایا ہے۔ خواہ وہ اوامر ہوں یا نواہی تاکہ تم اطاعت واستجابت اور شکر میں بڑھ جاؤ۔ اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے یعنی کہ اطاعت کی مشقت پر قائم رہنے والا نہیں۔ چنانچہ مشقت میں تخفیف کر دینا یہ رحمت الٰہی سے ہے۔ اور مشقت میں آسانی اور تخفیف شریعت کے روشن امتیازات سے ہے جس کی قرآن مجید نے وضاحت کی ہے۔"

شیخ عبد العزیز بن سلام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وثقل التکالیف عبارة عن شدة مشاقها لما کان حمل الاثقال شاقاً علی النفوس شبهت به مشقة التکلیف "[2]

"تکلیف اٹھانا سخت مشقت سے عبارت ہے کیونکہ بوجھ اٹھانا جانوں پر بڑا گراں ہے اور اس تکلیف کو مشقت سے تشبیہ دی گئی ہے۔"

تیسری دلیل:

اثبات تیسیر کو قرآن مجید کی کئی ایک آیات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں پر حجت ہو جائے اور وہ خود کو تنگیوں اور مشکلات میں نہ ڈال لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ ٱلْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِۦ قَوْمًا لُّدًّا﴾[3]

"پس اے محمد (ﷺ)، اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اسی لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو۔"

---

(1) طنطاوی، محمد، سید، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، دار نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الفجالۃ - القاہرۃ، 1997ء، 3/123

(2) عبد العزیز بن عبد السلام، الاشارۃ إلی الایجاز فی بعض انواع اعجاز فی القرآن الکریم، دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ 1408ھ، ص:68

(3) مریم19: 97

چوتھی دلیل:

سورۃ الدخان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾[1]

"اے نبی، ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں سہل بنادیا ہے تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔"

یعنی مراد یہ ہے قرآن مجید کے احکام رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے آسان اور سہل کر دیئے گئے ہیں۔ آپؐ نے ان کی جو تعبیر و تشریح فرمائی ہے اس میں انتہائی نرمی اور گنجائش سے کام لیا ہے۔

پانچویں دلیل:

سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ﴾[2]

"اور ہم تمہیں آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں۔"

اس کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ عبد العزیز بن السلام لکھتے ہیں:

"ای ونسهل عليك الطريقة السمحة اوطريق الجنة او كل خير "[3]

"یعنی ہم تجھ پر نرم راستے یا جنت کے راستے کو یا ہر خیر کو آسان کر دیتے ہیں۔"

مزید فرماتے ہیں:

"ان هناك خذما تقديره :ونسيرك لاتباع الشريعة اليسرى"[4]

"یقیناً یہاں پر تو اس عبارت کو مقدر لے لے کہ "ونسيرك لاتباع الشريعة اليسرى"ہم تجھے آسان شریعت کی اتباع پر چلائیں گے۔"

چھٹی دلیل:

انسان جب کسی تنگی اور مشکل کا سامنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تنگی کے بعد آسانی کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾[5]

---

(1) الدخان44: 58

(2) الاعلیٰ87: 8

(3) الاشارۃ إلی الایجاز فی بعض انواع اعجاز فی القرآن الکریم، ص:302

(4) الاشارۃ إلی الایجاز فی بعض انواع اعجاز فی القرآن الکریم، ص:302

(5) الطلاق65: 7

''بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے۔''

ساتویں دلیل:

جب بھی انسانوں پر کوئی چیز گراں گزرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے آسان کر دیتا ہے۔

ارشاباری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا * اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾(1)

''پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔''

قلت تکلیف کو ترجیح:

قلت تکلیف سے مراد یہ ہے کہ احکام الٰہی میں تکلیف کم سے کم دی گئی ہے سہولت اور آسانی زیادہ سے زیادہ رکھی گئی ہے کیونکہ تکلیف کی کثرت سے بہت ساری تنگیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے لوگ احکام سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی بہت ساری آیات میں قلت تکلیف کی وضاحت کی گئی ہے بطور استشہاد چند ایک آیات پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(2)

''اللہ کسی متنفّس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمّہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔''

امام بغوی اس کی تفسیر فرماتے ہیں:

"لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَها، ظَاهِرُ الْآيَةِ قَضَاءُ الْحَاجَةِ ، وَفِيهَا إِضْمَارُ السُّؤَالِ كَأَنَّهُ قَالَ: وَقَالُوا لَا تُكَلِّفُنَا إِلَّا وُسْعَنَا، فأجاب: لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَها، أَيْ: طَاقَتَهَا، وَالْوُسْعُ: اسْمٌ لِمَا يَسَعُ الْإِنْسَانَ، وَلَا يُضَيِّقُ عَلَيْهِ، وَاخْتَلَفُوا فِي تَأْوِيلِهِ، فَذَهَبَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَعَطَاءٌ وَأَكْثَرُ الْمُفَسِّرِينَ إِلَى أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ حَدِيثَ النَّفْسِ الَّذِي ذكر في قوله: وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ كَمَا ذَكَرْنَا، وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: هُمُ الْمُؤْمِنُونَ خَاصَّةً وَسَّعَ عَلَيْهِمْ أَمْرَ دِينِهِمْ وَلَمْ يُكَلِّفْهُمْ فِيهِ إِلَّا مَا يَسْتَطِيعُونَ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى: يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [الْبَقَرَةِ:185وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: وَما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [الْحَجِّ: 78] ، وَسُئِلَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَها،

---

(1) الانشراح94: 4۔5

(2) البقرہ2: 286

قَالَ: إِلَّا يُسْرَهَا وَلَمْ يُكَلِّفْهَا فَوْقَ طَاقَتِهَا، وَهَذَا قَوْلٌ حَسَنٌ، لِأَنَّ الْوُسْعَ مَا دُونُ الطَّاقَةِذلك تخفيف من ربكم ورحمة "[1]

"﴿لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها﴾ (اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی وسعت کے مطابق تکلیف دیتے ہیں) اس آیت کا ظاہر تنگی کو ختم کرنا ہے اور اس میں ایک مخفی سوال کا جواب ہے جیسے کہ انہوں نے کہا کیا تم نے ہمیں اپنی طاقت کے مطابق مکلف بنایا ہے۔ تو اس نے جواب دیا لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها یعنی کہ ان کی طاقت کے مطابق ہے اور وسع تو انسان کی طاقت ہی کا نام ہے اور اس پر تنگی بھی نہیں ہے۔ اور لوگوں نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے ابن عباسؓ، عطاء اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفس کی بات ہے جسے اللہ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ (اگر تم اپنے نفسوں میں موجود چیز کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ۔) ہماری مراد بھی یہی ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا یہ مومنوں کا خاصہ ہے کہ اللہ نے ان پر امور دینیہ میں وسعت رکھی ہے۔ اور جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اس کا اس نے مکلف بنایا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿ يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور سفیان بن عیینہ سے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اس میں آسانی ہے اور ان کی طاقت سے بڑھ کر انہیں مکلف نہیں بنایا اور یہی حسن بصری کا قول ہے کہ وسعت بغیر طاقت والے کاموں میں ہے اور یہی تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ورحمت ہے۔"

امام الماتریدی اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

" قال الحسن: قوله تعالى: (إِلَّا وُسْعَهَا)، إلا ما يحل ويسع، لكن بعض الناس يقولون: هذا بعيد، لا يحتمل الآية، إذا كلف حل ووسع. فإذا كان كذلك لم يكن لقوله معنى.قيل له: هو كقوله تعالى: (أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ)، إذا أحل طَيَّب وإذا طيب أحل. فكذا الأول. وكذا ذكرنا الأمرين جميعًا.وتأويل ثان (إِلَّا وُسْعَهَا):إلا طاقتها وكذلك قول المعتزلة: غير أنا اختلفنا فى تقدم استطاعة الأفعال فمنعنا نحن تقدمها وقلنا لا تكون إلا مع الفعل، وقالت المعتزلة، بتقدم الفعل، وأما عندنا: فإنها على وجهين:استطاعة الأحوال والأسباب، واستطاعة الأفعال.أما استطاعة الأحوال والأسباب: فإنها يتقدمها، وعلى ذلك يقع الخطاب، دليله: قوله عَزَّ وَجَلَّ: (وَللهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا). قيل: يا رسول اللهَّ ما الاستطاعة؟ قال: " الزاد والراحلة ".ثم كل يجمع أن من كان بأقصى بلاد المسلمين قد يلزمه فرض الحج،

---

[1] البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 1420ھ، 1/402

على علم كل منهم أن تلك الاستطاعة لو صرفت إلى استطاعة الأفعال لم يبق إلى وقت وجود الأفعال، ثم قد لزمه ذلك؛ فبان أن الكلفة إنما تقع على استطاعة الأحوال والأسباب، وكذلك الكلفة فى جميع الطاعات"[1]

"امام حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ إِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے بارے میں کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو حلال ہیں اور وسعت والی ہیں لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں یہ بات بعید ہے آیت اس کا احتمال نہیں رکھتی کہ جس چیز کا وہ مکلف بنایا جائے وہ حلال بھی اور وسعت بھی رکھی ہو یہ اس قول کا معنیٰ نہیں ہے۔ اسی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تو اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ (کہ میں نے پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے) جب حلال پاکیزہ ہے اور پاکیزہ حلال بھی ہے اسی طرح کی پہلی بات ہے اور ہم نے دونوں باتوں کو ذکر کر دیا۔ اور إِلَّا وُسْعَهَا کی دوسری تفسیر طاقت سے بھی کی گئی ہے اسی طرح معتزلہ کا قول ہے سوا اس کے ہم نے افعال کی استطاعت کو مقدم کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ہم نے اس کی تقدیم کو منع کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ طاقت صرف فعل کے ساتھ مختص ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ فعل مقدم ہے (اور طاقت بعد میں ہے۔) اور ہمارے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں (1) احوال واسباب کی طاقت (2) افعال کی طاقت یقیناً احوال و اسباب کی طاقت مقدم ہے اس پر خطاب بھی موجود ہے جس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ تو رسول اللہ ﷺ سے استطاعت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: زاد راہ اور سواری۔ پھر اس شخص کو شامل کر دیا جو دور دراز مسلم علاقوں میں رہتا ہے کہ حج کرنا اس پر لازم ہے اور اس میں ہر شخص کو معلوم ہے اگر افعال کی استطاعت کو خرچ کر دیا جائے تو فعل کی موجودگی کے وقت وہ ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ اس پر لازم بھی ہے۔ چنانچہ کلفت جس طرح احوال واسباب کی استطاعت میں واقع ہوتی ہے اسی طرح تمام اطاعت میں پائی جاتی ہے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"ويُكَلِّفُ" يَتَعَدَّى إِلَى مَفْعُولَيْنِ أَحَدُهُمَا مَحْذُوفٌ، تَقْدِيرُهُ عِبَادَةً أَوْ شَيْئًا. فَاللهُ سُبْحَانَهُ بِلُطْفِهِ وَإِنْعَامِهِ عَلَيْنَا وَإِنْ كَانَ قَدْ كَلَّفَنَا بِمَا يَشُقُّ وَيَثْقُلُ كَثُبُوتِ الْوَاحِدِ لِلْعَشْرَةِ، وَهِجْرَةِ الْإِنْسَانِ وَخُرُوجِهِ مِنْ وَطَنِهِ وَمُفَارَقَةِ أَهْلِهِ وَوَطَنِهِ وَعَادَتِهِ، لَكِنَّهُ لَمْ يكلفنا بالمشقات المثقلة ولا بالأمور المولمة، كَمَا كَلَّفَ مَنْ قَبْلَنَا بِقَتْلِ أَنْفُسِهِمْ وَقَرْضِ مَوْضِعِ الْبَوْلِ مِنْ ثِيَابِهِمْ وَجُلُودِهِمْ، بَلْ سَهَّلَ وَرَفَقَ وَوَضَعَ عَنَّا الْإِصْرَ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي

---

[1] الماتریدی، محمد بن محمد بن محمود، ابو منصور، تفسیر الماتریدی (تأویلات أہل السنۃ)، دار الکتب العلمیۃ-بیروت، لبنان، 2005ء، 2/291-292

وَضَعَهَا عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَنَا."[1]

"اور 'تکلیف' یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ان میں سے ایک محذوف ہے اور وہ عبارۃ یا شیأ ہے پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر لطف وانعام فرمایا۔ اگر وہ چاہتا تو ہمیں ایسے امور کا مکلف بنادیتا جو مشقت امیز اور اذیت رساں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دس کے مقابلہ میں ایک کا ثابت قدم رہنا، انسان کا ہجرت کرنا اور اپنے وطن سے نکلنا اور اپنے گھر والوں، اپنے وطن اور اپنے کاروبار سے کلیۃً علیحدگی اختیار کرنا لیکن اس نے ہمیں ایسے کاموں کا جو سخت مشقت آمیز ہوں اور ایسے امور جو اذیت اور تکلیف پہچانے والے ہوں ان کا مکلف اور پابند نہیں بنایا جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سہولت عطا فرمائی اور نرمی فرمائی اور ہم سے اس بوجھ اور طوق کو دور فرمایا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا ہوا تھا۔"

شیخ الثعلبی فرماتے ہیں:

" لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها. أي طاقتها، وكان حديث النفس مما لم يطيقوا.قال ابن عباس في رواية أخرى: المؤمنون خاصّة وسّع الله عليهم أمر دينهم.ولم يكلّفهم إلّا ما هم له مستطيعون، فقال: يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ ، وقال: ما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ، وقال: فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ....سئل سفيان بن عيينة عن قوله تعالى: لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها.فقال: إلّا يسرها لا عسرها، ولم يكلّفها طاقتها ولو كلّفها طاقتها لبلغ المجهود منها."[2]

" لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها میں وسعھا سے مراد طاقت ہے اور یہ نفس کی وہ باتیں ہیں جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے ابن عباسؓ نے دوسری روایت میں کہا اس میں خاص کر مومنوں کو امور دینیہ میں وسعت دی گئی ہے اور وہ استطاعت والی چیزوں کے ہی مکلف ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ : يُرِيدُ الله بِكُمُ الْيُسْرَ ﴾ (اللہ تم سے آسانی چاہتے ہیں) اور ایک جگہ فرمایا ﴿ ما جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی اور فرمایا ﴿ فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (کہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ سے ڈرو۔)

.......سفیان بن عیینہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اس میں صرف آسانی ہے تنگی نہیں اور اس نے اس کی طاقت کا مکلف نہیں بنایا اور اگر اس کی طاقت کا مکلف بنادیتا تو سخت محنت کو پہنچ جاتا۔"

شیخ ابن العربی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1] تفسیر قرطبی، 430/3

[2] الثعلبی، احمد بن محمد بن ابراہیم، ابو اسحاق، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت – لبنان، 2002ء، 306/2

"هذا أصل عظيم وركن من أركان شريعة المسلمين شرفنا الله سبحانه على الأمم فلم يحملنا إمراً ولا كلفنا في مشقة أمراً "[1]

"یہ ایک بڑا اصول ہے اور مسلمانوں کے ارکان شریعہ میں سے ایک بڑا رکن ہے جس سے ہمیں اللہ نے دوسری امتوں پر شرف و عزت دی ہے اور اس نے ہم سے کوئی سخت معاملہ نہیں اٹھوایا اور نہ ہی مشقت والے کام کا ہمیں مکلف بنایا ہے۔"

مولانا عبد الرحمان کیلانی فرماتے ہیں:

اس جملہ میں اللہ تعالیٰ اپنے قانون سزا و جزا کا کلیہ بیان فرما دیا۔ یعنی جو کام کسی انسان سے استطاعت سے بڑھ کر ہیں ان پر انسان سے باز پرس نہیں ہوگی، باز پرس تو صرف اسی بات پر ہوگی جو انسان کے اختیار اور استطاعت میں ہو اور جہاں انسان مجبور ہو جائے وہاں گرفت نہ ہوگی۔ مگر اس اختیار، استطاعت اور مقدرت کا فیصلہ انسان کو نہایت نیک نیتی سے کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے راز تک جانتا ہے۔[2]

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

یعنی اللہ کے ہاں انسان کی ذمہ داری اس کی مقدرت کے لحاظ سے ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ بندہ ایک کام کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اللہ اس سے باز پرس کرے کہ تونے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ یا ایک چیز سے بچنا فی الحقیقت اس کی مقدرت سے باہر ہو اور اللہ اس سے مواخذہ کرے کہ تونے اس سے پرہیز کیوں نہ کیا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی مقدرت کا فیصلہ کرنے والا انسان خود نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے کہ ایک شخص فی الحقیقت کس چیز کی قدرت رکھتا تھا اور کس چیز کی نہ رکھتا تھا۔[3]

مذکورہ بالا تشریحات و توضیحات سے یہ بات غیر مبہم طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ انتہائی نرمی اور وسعت سے کام لیا ہے ہر ایک حکم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استطاعت اور طاقت کے مطابق ہی مکلف ٹھہرایا ہے۔

دوسری دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ

---

(1) ابن العربی، محمد بن عبد اللہ، قاضی، احکام القرآن لابن العربی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1424ھ، ص: 264

(2) کیلانی، عبد الرحمان، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، 1/ 242

(3) مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1992ء، 1/ 224

عُسْرٍ يُسْرًا﴾[1]

"خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے۔"

اس کی تشریح میں امام طبری لکھتے ہیں:

" وَقَوْلُهُ: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا} [الطلاق: 7] يَقُولُ: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ أَحَدًا مِنَ النَّفَقَةِ عَلَى مَنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ بِالْقَرَابَةِ وَالرَّحِمِ لَا مَا أَعْطَاهُ، إِنْ كَانَ ذَا سَعَةٍ فَمِنْ سَعَتِهِ، وَإِنْ كَانَ مَقْدُورًا عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَمِمَّا رَزَقَهُ اللَّهُ عَلَى قَدْرِ طَاعَتِهِ، لَا يُكَلِّفُ الْفَقِيرَ نَفَقَةَ الْغَنِيِّ، وَلَا أَحَدَ مِنْ خَلْقِهِ إِلَّا فَرْضَهُ الَّذِي أَوْجَبَهُ عَلَيْهِ "[2]

"اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں کسی کو بھی نفقہ کا مکلف نہیں بناتے ۔ جس کا نفقہ قرابت داری اور رشتہ داری کی بناء پر ضروری ہو تو وہ استطاعت کے مطابق ہی مکلف ہے ، اگر وسعت والا ہے تو اپنی وسعت کے مطابق اور تنگی والا ہے تو اپنی استطاعت کے مطابق۔ اس نے فقیر کو غنی کے نفقہ کا مکلف نہیں بنایا اور نہ ہی اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو سوا اس کے جس کو اس نے واجب قرار دیا ہے۔"

یعنی انسان کو نہ صرف عبادات میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت وقدرت کے مطابق مکلف ٹھہرایا ہے بلکہ ہر معاملہ انسانی میں خواہ وہ معاشرتی ہو یا اقتصادی وہ صرف اپنی بساط کے مطابق مکلف ہے۔

تیسری دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا﴾[3]

"کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔"

امام الماتریدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وقال قوم: (إِلَّا وُسْعَهَا)، يعني: طاقتها وقدرتها. وهذا أشبه، ومعناه: لا يكلف الزوج بالإنفاق عليها والكسوة إلا ما يحتمل ملكه وإن كانت حاجاتها تفضل عما يحتمله ملكه، لم يفرض عليه إلا ما

---

(1) الطلاق65: 7

(2) جامع البیان عن تأویل آی القرآن، 23/70

(3) البقرہ2: 233

احتمله ملكه"[1]

"اور کچھ لوگوں نے إِلَّا وُسْعَهَا سے طاقت و قدرت مراد لی ہے اور یہ زیادہ مشابہ ہے اور اس کا معنی کہ کوئی شخص (خاوند) خرچ کرنے اور کپڑا پہنائے کا اتنا ہی مکلف ہے جتنا اس کی استطاعت میں ہے اگرچہ اس کو اس کی ضرورت ہو اس پر اس کی ملکیت والی اشیاء ہی ضروری ہے۔"

یعنی میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں اگر خاوند پر خرچہ کی ذمہ داری ڈالی جائے تو وہ اس کے کاروبار اور آمدنی کے مطابق ہو گی اس پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا جو اس کی قدرت میں نہ ہو۔

چوتھی دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[2]

"ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کی قدرت میں ہے۔"

امام المراغی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

" (لا نُكَلِّفُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها)أي إن الله تعالى لا يكلف نفسا إلا ما يسعها فعله، بأن تأتيه بلا عسر ولا حرج، فهو لا يكلف من يبيع أو يشترى الأقوات ونحوها أن يزنها أو يكيلها بحيث لا تزيد حبة ولا مثقالا، بل يكلفه أن يضبط الوزن والكيل له أو عليه سواء بحيث يعتقد أنه لم يظلم بزيادة ولا نقص يعتد بهما عرفا."[3]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ لا نُكَلِّفُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها﴾ (کہ اللہ نے ہر جان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا ہے۔) اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے ہر نفس کو اسی فعل کا مکلف بنایا ہے جس کو وہ کر سکتا ہے اور اس کی بجا آوری میں اسے کوئی تنگی و حرج نہیں ہے چنانچہ اس نے کسی بائع اور مشتری کو اشیاء قوت کا مکلف نہیں بنایا کہ وہ ان کا وزن اور ماپ اس اعتبار سے کریں کہ کوئی دانہ اور بوجھ بڑھ نہ جائے بلکہ اس نے وزن، ماپ اور اس پر برابری کے انضباط کا مکلف بنایا ہے۔ جب وہ عقد کریں تو کمی و بیشی سے کوئی ظلم نہ ہو جس کا عرف عام میں اعتبار کیا جاتا ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

---

(1) تفسیر الماتریدی (تأویلات أہل السنۃ)، 178/2

(2) الانعام 6: 152

(3) المراغی، احمد بن مصطفی، تفسیر المراغی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ بمصر، 1946ء، 70/8

یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجا آوری میں کوشش کرو اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔[1]

بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ شریعت میں چھوٹی موٹی خطاء جن سے بچنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ ان سے درگزر اور عفو سے کام لیا گیا ہے لہٰذا انسان کو خواہ مخواہ ان چیزوں میں تنگی اور حرج میں خود کو مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔

پانچویں دلیل:

ارشادِ باری ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[2]

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کیے ہیں... اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، وہ اہل جنّت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

احکام شریعت میں سہولت کی رعایت ہے لیکن ان کے لئے جہاں یہ شرط ذکر کی گئی ہے کہ وہ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں، اس کے ساتھ ہی رحمت و کرم سے یہ بھی فرما دیا: ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر کوئی ایسا بوجھل کام نہیں ڈالتے جو اس کی طاقت سے باہر ہو، مقصود یہ ہے کہ اعمال صالحہ جن کو دخول جنت کے لئے شرط کہا گیا ہے وہ کوئی بہت مشکل کام نہیں جو انسان نہ کر سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کو ہر شعبہ میں نرم اور آسان کر دیا ہے، بیماری، کمزوری، سفر اور دوسری انسانی ضروریات کا ہر حکم میں لحاظ رکھ کر آسانیاں دی گئی ہیں۔[3]

چھٹی دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾[4]

"ہم کسی شخص کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے، جو (ہر ایک کا حال) ٹھیک ٹھیک بتا دینے والی ہے، اور لوگوں پر ظلم بہر حال نہیں کیا جائے گا۔"

شرعی احکام میں مصلحت کے جس پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی احکام بالعموم مسلمانوں کی اکثریت کے لئے

---

(1) عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت، کراچی، 2007ء، 1/679

(2) الاعراف 7: 42

(3) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، 1981ء، 3/260

(4) المومنون 23: 62

اور نارمل حالات میں قابل عمل ہوتے ہیں۔ جب حالات بدل جائیں جو احکام میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کر دی جاتی ہے پھر چونکہ یہ احکام ایک عام انسان کی استعداد یا قوت کار کو ملحوظ رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا عام استعداد سے کم استعداد رکھنے والوں مثلاً بیماروں یا معذوروں کے لئے رخصت یا رعایت دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نابالغ، مجنون وغیرہ سے شرعی احکام ویسے ہی ساقط کر دیئے گئے ہیں۔ پھر معاشرہ میں کچھ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ایک عام انسان کی استعداد سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے وسیع میدان عمل کو سامنے لا کر اس حکم کی زیادہ سے زیادہ بجا آوری کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مثلاً ہر عاقل وبالغ مسلمان کو پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز سے پہلے وضو یا طہارت بھی ضروری ہے تو حالات کے مطابق مراعات تو یہ ہیں کہ جسے وقت پر وضو کے لئے پانی دستیاب نہ ہو وہ تیمم کر سکتا ہے۔ بیمار کو اگر وضو کرنے سے بیماری بڑھنے یا کسی اور تکلیف کا خطرہ ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے۔ سفر، خوف کی حالت میں نماز قصر بھی کر سکتا ہے اور دو نمازیں اکٹھی بھی پڑھ سکتا ہے، نیز سفر کی حالت میں سواری پر بھی نماز ادا کر سکتا ہے۔ نیز اگر قبلہ یا وقت صحیح کی تعیین میں دقت ہو تو اندازہ سے کام لے سکتا ہے۔ بارش یا کسی اور معقول عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکتا تو گھر پر نماز ادا کر سکتا ہے۔ اور کم استعداد والوں کی مثال یوں سمجھئے کہ بیمار بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر زیادہ بیمار ہے تو لیٹے لیٹے ہی پڑھ سکتا ہے۔ اتنی بھی ہمت نہ رہی ہو تو اشارہ سے بھی ادا کر سکتا ہے۔ ایسا بیمار یا انتہائی بوڑھا جو مسجد تک جانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ مستقل طور پر اپنے گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ یہی اس جملہ کا مطلب ہے کہ "ہم کسی شخص کو اس کے مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے" اتنی مراعات کے باوجود پھر بھی کوئی شخص عمداً (نماز ادا نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر نماز کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔[1]

وہ تمام تکالیف اور دشواریاں جو انسانی طاقت واستطاعت میں نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ میں ان کا انسان کو مکلف نہیں ٹھہرایا۔

امام ابن العربی شریعت اسلامیہ میں تکلیف مالا یطاق کے خاتمے کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

"كانت شرعة من قبلنا بالرهبانية وشريعتنا بالحنفية السمحة "[2]

ہم سے پہلے شریعت رہبانیت کی حامی تھی اور جبکہ ہماری شریعت آسانی اور وسعت پر مبنی ہے۔

نفی حرج:

حرج سے مراد تنگی، مشکل، دشوار گرانی اور مضائقہ ہیں۔

نفی حرج سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو احکام دیئے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے میں بندوں کی تنگی اور

---

(1) تیسیر القرآن، 3/208-209

(2) احکام القرآن، 2/638

مشکلات کا خاتمہ کیا گیا ہے اسلام کے قوانین استطاعت اور استعبداد کے مطابق فرض کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک جگہوں پر یہ صراحت فرمائی ہے کہ احکام الٰہی کا مقصد انسانوں کے لیے دشواری پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد بندوں کی تنگی اور مشکل کا خاتمہ ہے۔

دین اسلام میں ان تمام تنگیوں اور مشکلات کا خاتمہ ہے جو عام طور پے بندوں کے لئے عمل کرنے میں دشواری کا سبب بنتی ہیں۔ نفی حرج کے قرآن مجید میں کئی ایک دلائل ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾[1]

"اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

شیخ ابو الحسن الماوردی فرماتے ہیں:

"{وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} يعني من ضيق ٔ وفيه خمسة أوجه: أحدها: أنه الخلاص من المعاصي بالتوبة. الثاني: المخرج من الأيمان بالكفارة. الثالث: أنه تقديم الأهلة وتأخيرها في الصوم والفطر والأضحى ٔ قاله ابن عباس. الرابع: أنه رخص السفر من القصر والفطر. الخامس: أنه عام لأنه ليس في دين الإسلام ما لا سبيل إلى الخلاص من المأثم فيه"[2]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اس کا مطلب ہے کہ کوئی تنگی نہیں بنائی اور اس میں پانچ وجوہ ہیں۔ 1۔ یہ توبہ کے ذریعے معاصی سے چھٹکارا ہے 2۔ کفارہ کے ذریعے قسم سے نکلنا ہے۔ 3۔ بے شک یہ روزہ، فطر اور قربانی کے اوقات میں تقدیم و تاخیر کا تذکرہ ہے۔ یہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ 4۔ بے شک اس نے سفر میں نماز قصر کرنے کی اور روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے۔ 5۔ دین اسلام میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس میں گناہ سے خلاصی کی طرف کوئی راستہ نہ ہو بے شک یہ عام ہے۔"

شیخ ابو المظفر منصور بن محمد فرماتے ہیں:

"وَقَوله: (وَمَا جعل عَلَيْكُم فِي الدّين من حرج) (فَإِن قَالَ قَائِل: فِي الدّين حرج كثير بِلَا إِشْكَال فَمَا معنى قَوْله:(وَمَا جعل عَلَيْكُم فِي الدّين من حرج)) قُلْنَا: فِيهِ أَقْوَال: أَحدهَا: أَن الْحَرج هُوَ الضّيق، وَمعنى الْآيَة هَاهُنَا: أَنه لَا ضيق فِي الدّين بِحَيْثُ لَا خلاص عَنهُ، فَمَعْنَاهُ: أَن المذنب وَإِن وَقع فِي ضيق من

---

(1) الحج 22: 78

(2) الماوردی، علی بن محمد بن محمد، ابو الحسن، تفسیر الماوردی النکت والعیون، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت، 4/42

مَعْصِيَته، فقد جعل الله لَهُ خلاصا بِالتَّوْبَةِ، وَكَذَلِكَ إِذا حنث فِي يَمِينه جعل الله لَهُ الْخَلَاص بِالْكَفَّارَةِ، وَالْقَوْل الثَّانِي: أَن معنى الْآيَة أَن الله تَعَالَى لم يُكَلف نفسا فَوق وسعهَا، وَقد ذكرنَا هَذَا من قبل، وَالْقَوْل الثَّالِث: أَن الْمُرَاد من الْآيَة أَنه إِذا كَانَ مَرِيضا فَلم يقدر على الصَّلَاة قَائِما صلى قَاعِدا، فَإِن لم يقدر على الصَّلَاة قَاعِدا صلى بِالْإِيمَاءِ، وَيفْطر إِذا شقّ عَلَيْهِ الصَّوْم بسفر أَو مرض أَو هرم، وَكَذَلِكَ سَائِر وُجُوه الرُّخص"[1]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وَمَا جعل عَلَيْكُم فِي الدّين من حرج﴾ اس میں کوئی کہنے والا یہ کہے کہ دین میں بغیر کسی اشکال کے بہت زیادہ حرج ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کوئی معانی و مطلب نہیں رہتا۔ ہم کہتے ہیں اس میں کئی اقوال ہیں۔

1۔ حرج سے مراد تنگی ہے آیت میں یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دین میں کوئی خلاصی نہ ہونے کے اعتبار سے کوئی تنگی نہیں ہے اس کا مطلب ہے جب گناہ کرنے والا اپنی معصیت میں واقع ہو جاتا ہے تو اللہ نے اس کے لیے توبہ بطور خلاصی بنائی ہے۔ اور اسی سے ہے جب وہ قسم توڑتا ہے تو اللہ اس کے لیے قسم کا کفارہ بطور خلاصی بنایا ہے۔ 2۔ بے شک اللہ نے ہر نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی چیز کا مکلف نہیں بنایا ہے اور اسی چیز کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ 3۔ بے شک آیت سے یہ بھی مراد ہے کہ جب وہ مریض ہو اور نماز کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتا ہے بیٹھ کر ادا کر لے۔ اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے۔ اور جب روزہ سفر یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے اس پر مشکل ہو جائے تو وہ روزہ چھوڑ دے اور رخصت کی تمام وجوہ اس طرح ہیں۔"

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان فرمایا کہ اس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے اور عذاب آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکلے۔ بخلاف پچھلی امتوں کے کہ ان میں بعض گناہ ایسے بھی تھے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہ ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت و شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے جن کو قرآن میں اصر اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس امت پر ایسا کوئی حکم فرض نہیں کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے، اس دین کے احکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جو فی نفسہ ناقابل برداشت ہو۔ باقی رہی تھوڑی بہت محنت و مشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔"[2]

سید مودودی لکھتے ہیں:

---

(1) المروزی، منصور بن محمد بن عبد الجبار، ابو المظفر، تفسیر القرآن، دار الوطن، الریاض-السعودیۃ، 1418ھ، 3/458

(2) معارف القرآن، 6/289-290

یعنی تمہاری زندگی کو ان تمام بے جا قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے جو پچھلی امتوں کے فقیہوں اور فریسیوں اور پاپاؤں نے عائد کر دی تھیں۔ نہ یہاں فکر و خیال پر وہ پابندیاں ہیں جو علمی ترقی میں مانع ہوں اور نہ عملی زندگی پر وہ پابندیاں ہیں جو تمدن اور معاشرے کی ترقی میں رکاوٹ بنیں۔ ایک سادہ اور سہل عقیدہ و قانون تم کو دیا گیا ہے جس کو لے کر تم جتنا آگے جا ہو بڑھ سکتے ہو۔ یہاں جس مضمون کو ثبوتی و ایجابی انداز میں بیان کیا گیا ہے وہی ایک دوسری جگہ سلبی انداز میں ارشاد ہوا ہے: ﴿ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ﴾(الاعرف 7: 157)''یہ رسول ان کو جانی پہچانی نیکیوں کا حکم دیتا ہے، اور ان برائیوں سے روکتا ہے جن سے فطرت انسانی انکار کرتی ہے، اور وہ چیزیں حلال کرتا ہے جو پاکیزہ ہیں اور وہ چیزیں حرام کرتا ہے جو گندی ہیں اور ان پر سے وہ بھاری بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ زنجیریں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔'' [1]

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" أی ما كلفكم مالا تطيقون،وما الزمک بشیء فشق عليكم الا جعل لكم خرجاً و مخرجاً "[2]

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے کام کا مکلف نہیں بنایا جو تمہاری طاقت میں نہ ہو اور نہ ہی ایسی چیز کو تم پر نافذ کیا ہے جو تمہارے لئے ناقابل تحمل ہو اور اس نے تمہیں اس سے چھٹکارے کا راستہ نہ دیا ہو۔''

دوسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾

''اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔''[3]

شیخ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں:

"مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ أَيْ مِنْ تَضْيِيقٍ، بَلْ رَخَّصَ لَكُمْ فِي تَيَمُّمِ الصَّعِيدِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَاءِ. وَالْإِرَادَةُ صِفَةُ ذَاتٍ، وَجَاءَتْ بِلَفْظِ الْمُضَارِعِ مُرَاعَاةً لِلْحَوَادِثِ الَّتِي تَظْهَرُ عَنْهَا، فَإِنَّهَا تَجِيءُ مُؤْتَنِفَةً مِنْ نَفْيِ الْحَرَجِ، وَوُجُودِ التَّطْهِيرِ، وَإِتْمَامِ النِّعْمَةِ. وَتَقَدَّمَ الْكَلَامُ عَلَى مِثْلِ اللَّامِ فِي لِيَجْعَلَ فِي قَوْلِهِ: يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ فَأَغْنَى عَنْ إِعَادَتِهِ.وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ مَفْعُولَ يُرِيدُ مَحْذُوفٌ تَتَعَلَّقُ بِهِ اللَّامُ، جَعَلَ زيادة فِي الْوَاجِبِ لِلنَّفْيِ الَّذِي فِي

(1) تفہیم القرآن، 254/3

(2) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، 1999ء، 99/10

(3) المائدہ 5: 6

صَدْرِ الْكَلَامِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ النَّفْيُ وَاقِعًا عَلَى فِعْلِ الْحَرَجِ "[1]

"﴿مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ سے تنگی مراد ہے، بلکہ اس نے پانی کی عدم موجودگی میں تمہیں پاکیزہ مٹی سے تیمم کی اجازت دی۔ اور یہاں ارادہ اللہ کی ذاتی صفت ہے۔ اور حوادث ظاہرہ کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں فعل مضارع لایا گیا ہے۔ چنانچہ نفی حرج کی خوشنمائی کے لیے آیا ہے۔ طہارت کی موجودگی اور اطمینان نعمت کے لیے ہے۔ اور لیجعل کے لام کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿يُرِيدُ اللهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ تو اس نے اس کا اعادہ مراد لیا ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا ہے کہ مفعول کلام میں محذوف متعلق کو چاہتا ہے اس نے صدر کلام کی نفی کے واجب کا ہونے اضافہ ذکر کیا ہے اگرچہ نفی فعل حرج پر واقع ہی نہ ہو۔"

تیسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

"ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ در گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ تَعَالَى:" لَيْسَ عَلَى الضُّعَفاء " الْآيَةَ. أَصْلٌ فِي سُقُوطِ التَّكْلِيفِ عن العاجز، فكل من عجز عن شى سَقَطَ عَنْهُ، فَتَارَةً إِلَى بَدَلٍ هُوَ فِعْلٌ، وَتَارَةً إِلَى بَدَلٍ هُوَ غُرْمٌ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْعَجْزِ مِنْ جِهَةِ الْقُوَّةِ أَوِ الْعَجْزِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِ، وَنَظِيرُ هَذِهِ الْآيَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى:" لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها"[3]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفاء﴾ والی آیت میں در اصل عاجز سے تکلیف کو ساقط کرنا ہے۔ چنانچہ ہر عاجز بندہ سے اسے ساقط کر دیا گیا ہے کسی بھی چیز کے بارے میں کبھی یہ کسی کام سے بدل ہوتا ہے اور کبھی کسی نقصان دہ چیز کی ادائیگی پر۔ یہ عجز قوت و مال دونوں میں ہو سکتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس آیت کی

---

(1) الاندلسی، محمد بن یوسف، ابو حیان، البحر المحیط فی التفسیر، دار الفکر۔ بیروت، 1420ھ، 4/194
(2) التوبہ 9: 91
(3) الجامع لأحکام القرآن، 8/226

نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها ﴾ ''

شیخ عبد الکریم یونس لکھتے ہیں:

"إن هذا الدين سمح سهل، لا ينتفع به إلا إذا أخذ سمحا سهلا، تتقبله النفوس، وتنشرح له الصدور.. شأنه فى هذا شأن الطعام، لا يفيد منه الجسم، إلا إذا طابت له النفس، واشتهته، واستساغت طعمه، واستطابت مضغه وبلعه..وفى الحديث أيضا: «لا تبغّض إلى نفسك عبادة الله» وذلك بالقسوة عليها، وبحملها على ما هو شاق، وبين يديها القريب الميسور! "[1]

"بے شک یہ دین آسان ہے اس پر کوئی آسانی سے عمل کر سکتا ہے۔ اس کو آسانی سے پکڑنے والے ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں دل جسے قبول کرتے ہیں اور سینے جس سے شاداں رہتے ہیں۔ اس کا معاملہ کھانے کے معاملہ کی طرح ہے۔ جسم اس سے اسی وقت فائدہ اٹھاتا ہے جب دل کو اچھا لگتا ہے اور اس کی چاہت ہوتی ہے۔ اور اس کا کھانا خوشگوار ہوتا ہے اور اس چبانا اور نگلنا نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے: اللہ کی عبادت میں اپنے نفس کو (خوش رکھو) ناراض نہ رکھو۔ اسی وجہ دل میں سختی پیدا ہوتی ہے اور وہ مشقت والی چیزوں کو اٹھاتا ہے، حالانکہ اس کے پاس آسان چیز موجود ہوتی ہے۔"

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو (سامان جہاد کی تیاری میں) خرچ کرنے کو میسر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں (اور دل سے اطاعت کرتے رہیں تو) ان نکوکاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں (کیونکہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں (کہ اگر یہ لوگ اپنے علم میں معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص و اطاعت میں کوشش کریں اور واقع میں کچھ کمی رہ جائے تو معاف کر دیں گے)"[2]

چوتھی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى

---

(1) الخطیب، عبد الکریم یونس، التفسیر القرآنی للقرآن، دار الفکر العربی ۔ القاہرۃ، 9/1106-1107

(2) معارف القرآن، 3/393

اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾[1]

"کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا، یا لنگڑا، یا مریض کسی کے گھر سے کھا لے اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپرد گی میں ہوں، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر، اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی، بڑی با برکت اور پاکیزہ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو گے۔"

ابو السعود العمادی اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"(لَّيْسَ عَلَى الأعمى حَرَجٌ وَلاَ عَلَى الأعرج حَرَجٌ وَلاَ عَلَى المريض حَرَجٌ) أي في التخلفِ عنِ الغزوِ لِمَا بِهِمْ من العذر والعاهة فإن التكلف يدورُ على الاستطاعةِ وفي نفي الحرجِ عن كلِّ من الطوائفِ المعدودةِ مزيدُ اعتناءٍ بأمرِهم وتوسيعٌ لدائرةِ الرُّخصةِ "[2]

"اللہ کے اس فرمان ﴿لَّيْسَ عَلَى الأعمى حَرَجٌ وَلاَ عَلَى الأعرج حَرَجٌ وَلاَ عَلَى المريض حَرَجٌ﴾ حرج سے مراد غزوہ میں عذر اور پریشانی سے پیچھے رہنا ہے۔ بلاشبہ مکلف بننا استطاعت پر ہی منحصر ہے اور بے شمار چکر لگانے والوں سے نفی حرج ان کے معاملہ پر مزید توجہ دینا وسعت کے دائرہ کار کو وسیع کرنا ہے"

پانچویں دلیل:

ارشادِ باری ہے:

﴿لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ﴾[3]

"تاکہ ایمان والوں پر تنگی نہ رہے۔"

چھٹی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) النور24: 61

(2) العمادی، محمد بن محمد، ابو السعود، تفسیر ابی السعود ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، 109/8

(3) الاحزاب33: 37

﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[1]

"تا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ غفور ورحیم ہے۔"

مذکورہ بالا تمام ادلہ اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں حرج کی نفی کر دی ہے۔ جہاں بھی کوئی تنگی اور حرج بندوں کی استطاعت اور قوت میں نہ ہو گا ان کو مکلف نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ کوئی بھی فرد اگر کسی پر قوت و برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا تو وہ شریعت کے روح کی خلاف ورزی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار ٹھہرے گا۔

احکام شریعت میں آسانی کو ترجیح:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مشکلات اور تنگیوں کو خوب جانتا ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں کی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لئے احکام کی بجا آوری میں مختلف اختیارات دئے تا کہ وہ حکم پر عمل پیرا بھی ہوں اور ان کو مشقت اور تنگی کا سامنا بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسانوں کے لیے جو آسانی اور سہولت پیدا فرمائی ہے ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

طہارت وپاکیزگی کے حصول میں تیسیر:

نماز دین اسلام کا اہم رکن ہے اور اس کے لئے وضو شرط ہے بعض اوقات انسان کو حالت سفر میں پانی کی عدم دستیابی کا سامنا ہوتا ہے یا بیماری کی وجہ سے انسان پانی کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں آسانی فرمادی تا کہ اس کے بندے مشکلات کا شکار نہ ہوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منّہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر جَنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے، تو

---

(1) الاحزاب 33: 50

(2) المائدہ 5: 6

پاک مٹی سے کام لو، بس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منّہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا ، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔"

ادائیگی صیام میں تیسر:

روزہ اسلام کا دوسرا بڑا رکن ہے اور یہ بہت اہم عبادات میں شمار ہوتا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مشکلات کو آسان کر دیا تاکہ عمل کرنے میں آسانی ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[1]

"رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔"

حج میں تیسیر:

ارکان اسلام میں سے حج کی حیثیت ایک رکن کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں جو تیسیر، سہولت اور آسانی کا معاملہ رکھا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس عبادت کے بارے میں فرمایا:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[2]

حالت احرام میں شکار کرنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے اگر کوئی شخص جان بوجھ کر حالت احرام میں شکار کر لیتا ہے تو اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ادائیگی کفارہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ کس قدر تیسیر اور آسانی کو ملحوظ رکھا ہے، اس کا اندازہ قرآن مجید میں اس آیت سے ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ

---

(1) البقرہ2: 185

(2) آل عمران3: 97

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾[1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو، اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلّہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے، اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا، یا نہیں تو اس گناہ کے کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا، یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے، تا کہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا، لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔"

قتل خطاء کی دیت میں تیسیر:

قتل خطا کا کفارہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے آسانی اور تیسیر کا معاملہ فرمایا ہے اس میں اسرار اور حکمت یہ ہے قاتل کی جان بچ جائے کیونکہ اس نے عمداً قتل نہیں کیا۔ اور ورثاء کو جو اتنا بڑا نقصان اور صدمہ پہنچا ہے اس میں کمی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو خون بہا دیا تا کہ ان کے غم اور پریشانی میں کمی لائی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾[2]

"اور مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کریں مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم میں تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

کفارہ ظہار میں تیسیر:

ظہار (اگر کوئی فرد اپنی بیوی کو محرمات کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنے اوپر حرام کر لے اور پھر اپنے قول کو واپس لینا چاہے)

---

(1) المائدہ5: 95

(2) النساء4: 92

کا شریعت نے جو کفارہ بیان کیا اس میں تین چیزیں ہیں ایک غلام آزاد کیا جائے یا ساٹھ دن مسلسل روزے رکھے جائیں یا ساٹھ مسکین لوگوں کو کھانا کھلایا جائے، اس میں مقصود اپنے بندوں کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[1]

"اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے پھرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمے ایک گردن (یعنی غلام یا لونڈی) کا آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اس حکم سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔"

کفارہ یمین میں تیسیر:

یمین (اگر کوئی شخص قسم کھانے کے بعد اس کو توڑنا چاہے یا توڑ دے) تو اس کا کفارہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے آسانی کا معاملہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[2]

"اللہ تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا تمہاری لغو (اور بے مقصد) قسموں پر مگر وہ تمہاری ان قسموں پر تمہاری گرفت ضرور فرمائے گا جو تم نے اپنے قصد (ارادہ) سے کھائی ہوں، پس ایسی قسم (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے، وہ درمیانہ درجے کا کھانا جو تم لوگ خود اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنا دو، یا ایک گردن (غلام یا لونڈی) آزاد کر دو، اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا، جب کہ تم قسم کھا کر (اسے توڑ) لو، اور حفاظت کیا کرو تم لوگ اپنی قسموں کی، اسی طرح اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے، تمہارے لئے اپنی آیتیں (اور احکام) تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو۔"

مقروض کے لیے تیسیر:

زندگی کے شب و روز میں انسان مختلف حالات کا سامنا کرتا ہے، مشکل حالات میں تنگ دست آدمی کسی خوشحال سے قرض حاصل کرتا ہے اور حالات کی تنگی کی وجہ سے وہ اگر وقت معین پر قرض واپس نہ کر سکے تو اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ

---

[1] المجادلہ 58: 3

[2] المائدہ 5: 89

کیا جانا چاہیئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ‌ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾[1]

"تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔"

یہ آسانی اور سہولت مقروض کی تنگدستی اور مجبوری کی بناء پر دی گئی ہے ورنہ عام حالات میں اس کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا یہی حکم ہے کے وقتِ معین پر وہ قرض ادا کرنے کا ذمہ دار ہے اور اس سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اضطراری حالات میں تیسیر:

اضطراری حالات سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں انسان دین، جان، مال، عقل، نسل کو ہلاکت سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی چیز کی پناہ لینے پر مجبور ہو جائے۔ غایت درجہ کی مجبوری کو اضطرار کہا جاتا ہے جو حکم عام ہوتا ہے وہ اضطراری اور مجبوری کے حالات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے انتہائی آسانی اور گنجائش ہے کہ وہ حالات کی تنگی میں مزید آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اضطراری حالات میں تبدیلی احکام کے قرآن میں چند ایک دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡکُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ‌ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾[2]

"اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے، کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

دوسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) البقرہ2: 280

(2) البقرہ2: 173

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[1]

"تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو.... سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا .... اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (لہٰذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو) البتّہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

تیسری دلیل:

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[2]

"اے محمد (ﷺ)! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، اِلّا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھا لے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حدِ ضرورت سے تجاوز کرے۔"

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

---

(1) المائدہ5: 3

(2) الانعام6: 145

رَّحِيمٌ﴾[1]

"اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ ہے مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ البتہ بھوک سے مجبور ہو کر اگر کوئی ان چیزوں کو کھالے، بغیر اس کے کہ وہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی کا خواہش مند ہو، یا حد ضرورت سے تجاوز کا مرتکب ہو، تو یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔"

مذکورہ بالا آیات میں ان اشیاء کا ذکر ہے جن کا کھانا پینا حرام ہے لیکن مجبوری کی حالت میں ان کو کھانا اور پینا جائز ہو جاتا ہے یہی اسلام کا امتیاز ہے کہ یہ ممکن حد تک سہولت پر مبنی قوانین کی لافانی قوت زندگی کے ہر موڑ پر دست گیری کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایسا بوجھ نہیں ڈالا جو ان کی بشری وسعت سے باہر ہو اور اس پر عمل کرنا نفس انسانی کے لیے شاق ہو۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اسی چیز کا مکلف ٹھہراتا ہے جس کو انسان پوری توانائی صرف کیے بغیر آسانی اور سہولت سے کر سکتا ہے۔

شیخ عبد الرحمان بن ناصر السعدی لکھتے ہیں:

"{فَمَنِ اضْطُرَّ} أي: ألجئ إلى المحرم، بجوع وعدم، أو إكراه، {غَيْرَ بَاغٍ} أي: غير طالب للمحرم، مع قدرته على الحلال، أو مع عدم جوعه، {وَلا عَادٍ} أي: متجاوز الحد في تناول ما أبيح له، اضطرارا، فمن اضطر وهو غير قادر على الحلال، وأكل بقدر الضرورة فلا يزيد عليها، {فَلا إِثْمَ} [أي: جناح] عليه، وإذا ارتفع الجناح الإثم رجع الأمر إلى ما كان عليه، والإنسان بهذه الحالة، مأمور بالأكل، بل منهي أن يلقي بيده إلى التهلكة، وأن يقتل نفسه.فيجب، إذًا عليه الأكل، ويأثم إن ترك الأكل حتى مات، فيكون قاتلا لنفسه.وهذه الإباحة والتوسعة، من رحمته تعالى بعباده، فلهذا ختمها بهذين الاسمين الكريمين المناسبين غاية المناسبة فقال: {إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ} ولما كان الحل مشروطا بهذين الشرطين، وكان الإنسان في هذه الحالة، ربما لا يستقصي تمام الاستقصاء في تحقيقها - أخبر تعالى أنه غفور، فيغفر ما أخطأ فيه في هذه الحال، خصوصا وقد غلبته الضرورة، وأذهبت حواسه المشقة.وفي هذه الآية دليل على القاعدة المشهورة: "الضرورات تبيح المحظورات "فكل محظور، اضطر إليه الإنسان، فقد أباحه له، الملك الرحمن"[2]

"(فمن اضطر)"جو کوئی ناچار ہو جائے یعنی جو کوئی بھوک، موت، خوف یا جبر و اکراہ کے باعث ان مذکورہ محرمات کو کھانے پر مجبور ہو جائے (غیر باغ) نہ سرکشی کرنے والا ہو یعنی سخت بھوکا نہ ہونے اور حلال کھانے پر قدرت رکھنے کی صورت میں وہ حرام کھانے کا طلب گار نہ ہو (ولا عاد) "اور حد سے تجاوز نہ کرے (فلااثم

---

(1) النحل 16: 115

(2) تفسیر الکریم الرحمان المعروف تفسیر السعدی، 1/ 81

علیہ) "تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے" (اباحت اھلی) حالت پر چلا گیا جو کہ تحریم سے پہلے تھی۔ انسان اس اضطراری حالت پر حرام کھانے پر مامور ہے بلکہ اسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنے آپ کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے تب اس پر حرام کھانا فرض ہے۔ اگر وہ اضطراری حالت میں حرام نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے تو گناہ گار اور خودکشی کا مرتکب ہو گا۔ یہ اباحت اور وسعت اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کا اختتام اپنے ان دو اسماء گرامی کے ساتھ کیا جو غایت درجہ تک اس مضمون کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں چنانچہ فرمایا(ان اللہ غفور رحیم) "بے شک اللہ بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے" چونکہ ان کی حلت دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے اور اس حالت میں انسان بسا اوقات اچھی طرح تحقیق کرنے سے قاصر رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا کہ وہ بخشنے والا ہے پس اسی حالت میں اس سے خطا سرزد ہو جائے وہ بخش دے گا خاص طور پر اس حالت میں جب کہ اس پر ضرورت غالب آ جائے اور مشقت اس کے حواس کو مضمحل کر دے اسی آیت کریمہ سے مشہور فقہی قاعدہ ہے (الضرورات تبیح المحظورات) "ضرورت حرام کو مباح کر دیتی ہے۔" کی دلیل ہے پس ہر حرام چیز جس کے استعمال کرنے پر انسان مجبور ہو جائے تو اس رحم کرنے والے مالک نے اس کے لیے جائز ٹھہرا دیا ہے۔"

ان آیات کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ ان آیات کا تعلق کھانے پینے کے ساتھ ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم صرف کھانے پینے سے متعلق ہے اور خوف ہلاکت صرف بھوک ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس میں دوسری وجوہات بھی شامل ہیں جن سے جان کے ہلاک ہونے کا خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ اصل میں ان آیات سے ایک اصول کا استنباط ہوتا ہے کہ جب بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ لوگوں کو جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور کسی اصول کو ترک کرنے کی وجہ سے خیر کا پہلو نکلتا ہو تو اس کو بقدر ضرورت ترک کیا جا سکتا ہے۔

امام ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں:

اس کے تحت دو شکلیں آتی ہیں ایک شکل بھوک کی وجہ سے اضطرار اور مردار کھانے اور دوسری شکل اکراہ کی ہے اس سے دونوں معنی مراد ہیں اور یہ آیت دونوں کی متحمل ہے۔[1]

پانچویں دلیل:

تنگی اور مشکل حالات میں جب جان کو خطرہ ہو تو کسی بھی اصول کو بقدر ضرورت ترک کیا جا سکتا ہے۔

سورۃ النحل میں ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ

---

[1] الرازی، احمد بن علی، ابو بکر الجصاص، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1415ھ، 1/157

غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾[1]

"جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

گویا اضطرار کا تعلق صرف کھانے اور پینے والی اشیاء کے ساتھ نہیں ہے بلکہ دیگر امور بھی اس میں داخل ہیں۔

احکام کے نفاذ میں تدریج:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حد درجہ محبت رکھتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی کمزوریوں اور دشواریوں سے بھی خوب واقف ہے۔ اس لیے جب اس نے احکام نازل فرمائے تو اس میں تدریج کو اختیار کیا، وہ چاہتا تو فوراً اپنے بندوں کو کسی چیز سے منع کر دیتا۔ ان پر پابندی لگا دیتا، لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے نزول کا جو طریقہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کس قدر آسانی اور سہولت کا معاملہ فرمایا ہے۔

شراب کی ممانعت کے حکم پر نظر ڈالی جائے تو اللہ تعالیٰ کی نرمی اور آسانی جو اس نے اپنے بندوں کے ساتھ فرمائی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

پہلا حکم یہ نازل ہوا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾[2]

"(اسی طرح) کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔"

دوسرا یہ حکم نازل ہوا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾[3]

"پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

---

(1) النحل 16: 106

(2) النحل 16: 67

(3) البقرہ 2: 219

تیسرا حکم یہ نازل ہوا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾[1]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور اسی طرح جَنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ“

بعد ازاں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت فرمادی۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[2]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔“

یعنی انسانوں کی سہولت اور آسانی کے لیے ابتدائی حالات میں احکام نرم اور لچکدار تھے تاکہ آسانی سے ان کی تفہیم و تعمیل ہو سکے جیسے ہی حالات، احوال منشاء ربانی سے ہم آہنگ ہو گئے تو زندگی کے مختلف شعبوں اور متنوع پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ نے احکام کی مستقل طور پر صراحت کر دی۔

الغرض شریعت اسلامیہ میں آسانی اور سہولت کے پہلو کا جس قدر خیال رکھا گیا ہے اسکا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ بعض امور میں تمہارے کہنے پہ چل نکلیں تو تمہارے لئے اس میں مشکلات اور تنگیوں کا سامنا ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴾[3]

”خوب جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ۔ مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا، اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔“

شریعت کی دی ہوئی آسانیوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیۓ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص کرم و مہربانی ہے۔ بعض افراد تھوڑے سے تقوی کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی رخصتوں کو قبول کرنے کی بجائے خود کو

---

(1) النساء4: 43

(2) المائدہ5: 90

(3) الحجرات49: 7

بے جا پابندیوں اور ناروا بندشوں میں جکڑ لیتے ہیں، جو شریعت اسلامیہ کی وسعتوں اور سہولتوں کے منافی ہے۔ لہٰذا ایک مسلم کی کامیابی و کامرانی اسی میں ہی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توازن سے کام لے۔ جہاں وہ عزیمتوں پر عمل پیرا ہوتا ہے وہاں رخصتوں کا بھی انکار نہ کرے۔

3

فصلِ سوم

حدیث میں تیسیر کے دلائل

حدیث میں تیسیر کے دلائل

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو دین تفویض کیا ہے اس میں تکلیف شرعی کا مقصد بندوں کو دشواریوں سے دوچار کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے آسانی اور سہولت کا ارادہ رکھتا ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے آسانی، تیسیر اور سہولت کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کمزور ہے، وہ مشقت اور تنگی کو طبعی طور پر پسند نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوری اور ضعف کی ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ﴾[1]

"اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں کمزوری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾[2]

"اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ درگزر اور رحم کا معاملہ فرمانے والا ہے اس نے اپنی اس صفت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا﴾[3]

"یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔"

اللہ کی صفت رحمت ہی ہے کہ اس نے اس امت کو ایسا رسول عنایت فرمایا ہے جو بہت زیادہ شفیق، مہرباں اور نرم دل ہے، قرآن مجید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾[4]

"(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔"

---

(1) الروم30: 54

(2) النساء4: 28

(3) النساء:4: 29

(4) آل عمران 3: 159

آپ ﷺ کی رحم دلی اور نرم مزاجی کے بارے میں سورۃ الانبیاء میں ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾(1)

"اے محمد (ﷺ)، ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیاوالوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی فطری نرم دلی اور طبعی عادت درگزر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ ان پر اپنی امت کا مشقت میں پڑجانا گراں گزرتا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾(2)

"دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیاہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔"

آپؐ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو بے جاپابندیوں اور ناروابندشوں سے چھٹکارا دلانا تھا۔

سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(3)

"اور وہ ان سے ان سے بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

اسی شفقت اور تیسیر کا نتیجہ ہے کہ آپؐ نے دین اسلام میں پہلے مذاہب کی سختیوں کا خاتمہ کیا اور احکام شریعت کے نفاذ میں تدریج باوجود مزید تیسیر اور آسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کوئی بھی حکم صادر فرمانے سے قبل افراد کے احوال، مساکن اور استطاعت کا خیال رکھا کرتے تھے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں تیسیر، آسانی اور سہولت پر بہت زور دیا ہے تاکہ احکام کی بجاآوری میں لوگوں کو مشکلات کا سامنا نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ اپنی امت پر اس قدر مہربانی اور شفقت فرماتے تھے کہ جو ان پر امور مشکل ہوتے ان میں آپ ﷺ ان کے لیے تخفیف اور نرمی پیدا فرمادیتے تھے تاکہ عمل کرنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ کی اس نرمی اور تیسیر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید یوں بیان فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

---

(1) الانبیاء:21: 107

(2) التوبہ:9: 128

(3) الاعراف:7: 157

وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴾[1]

"خوب جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ۔ مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا، اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔"

جن احادیث میں تیسیر اور آسانی کو اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے ان کی تفہیم کے لئے، ان احادیث کو تین اقسام میں منقسم کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم:

پہلی قسم میں ان احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں دین اسلام کی اس خاصیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ یہ دین آسانی، تیسیر اور سہولت پر مبنی ہے اور اس میں تنگی اور مشقت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آسانی اور سہولت پر مبنی دین:

آپ ﷺ نے خود دین کی وسعت اور گنجائش کو یوں بیان فرمایا:

- «إِنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ لِتَعْلَمَ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ»[2]

"عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا تاکہ یہود جان لیں ہمارے دین میں وسعت ہے بے شک میں حنیف اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔"

آپؐ سے سوال کیا گیا کہ کوئی دین افضل ہے تو اس کے جواب میں بھی آپؐ نے دین کی وسعت اور گنجائش کو نمایاں فرمایا:

- «سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّ الدِّينِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ»[3]

"آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کونسا دین افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: سیدھا اور آسانی والا دین۔"

اللہ کے نزدیک نرمی، سہولت اور تیسیر والا دین پسندیدہ ترین دین ہے۔

- «وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ»[4]

---

(1) الحجرات 49: 7

(2) احمد بن حنبل، ابو عبداللہ، مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: 25972، مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء

(3) معمر بن أبي عمرو، الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، رقم الحدیث: 20574، المجلس العلمی باکستان وتوزیع المکتب اسلامی، بیروت، 1403ھ

(4) الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، المعجم الاوسط، باب المیم، رقم الحدیث: 7351، دار الحرمین، القاہرہ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ دین ہے جو سچا اور سیدھا ہے“

علامہ بدرالدین العینی فرماتے ہیں:

"قَوْله: (السمحة) بِالرَّفْع صفة: الحنيفية، وَمَعْنَاهَا: السهلة، والمسامحة هِيَ: المساهلة، وَالْملَّة السمحة: الَّتِي لَا حرج فِيهَا وَلَا تضييق فِيهَا على النَّاس، وَهِي مِلَّة الْإِسْلَام"[1]

”السمحة یہ رفع کے ساتھ الحنیفیة کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے سہولت اور المسامحة یہ المساھلة ہے اور المِلَّة السمحة سے مراد ہے کہ وہی ملت اسلام ہے جس میں لوگوں پر کوئی تنگی اور حرج نہ ہو۔“

انور شاہ کشمیری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"واعلم أن القرآنَ جعل اليهودية، والنصرانية، مقابِلًا للحنيفيّة، قال تعالى: (وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا) (البقرة: 135)، فالقرآن يذمُ اليهودية، والنصرانية، ويمدح الحنيفية، ولا يُدرى وجهه، فإنهما أيضًا من الأديان السماوية، نعم، لو كانت المَذَمَّة على المتبعِين لما كان فيه إشكالًا، إلا أنها على هذه الأديان. فالوجه عندى: أن اليهوديةَ والنصرانية فى الأصل ألقابٌ لأَتباعِ التوراةِ والإنجيل، ولما حرَّفُوهما وبدلوا كلام الله من بعد ما عَقَلُوه، واشتروا به ثمنًا قليلًا، وباؤا بغضب من الله، صارت اليهوديةُ والنصرانيةُ، ألقابًا لأتباعِ التوارةِ المحرفة، والإنجيل المحرَّف الذى فى أيديهم، فذمه القرآن، وقابل بينهما وبين الحنيفيّة لهذا"[2]

”یہ بات جان لو کہ قرآن مجید نے یہودیت اور نصرانیت کو الحنیفیہ کے برعکس قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یہودی کہتے ہیں، یہودی ہو تو راہ راست پاؤ گے عیسائی کہتے ہیں، عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی ان سے کہو نہیں بلکہ جو شخص ملت ابراہیمی پر ہو گا وہ ہدایت پائے گا اور ابراہیم موحد تھے۔ قرآن مجید یہودیت اور نصرانیت کی مذمت کر رہا ہے اس کی وجہ کیا ہے جبکہ یہ دونوں ادیان سماویہ ہیں ہاں اگر یہ لوگ اپنے ادیان کے ماننے والے ہیں تو پھر ان کی مذمت پر جو اشکال پیدا ہوتا ہے میرے نزدیک اس مذمت کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں یہودی اور نصرانی ان لوگوں کا لقب ہے جو تورات اور انجیل کے متبعین ہیں جبکہ انہوں نے ان کتب میں تبدیلی کر دی، اللہ کے کلام کو اپنی عقل کے مطابق بدل ڈالا تھوڑی قیمت میں بیچ دیا اور ان پر اللہ کا غضب پڑ گیا۔ یہودیت اور نصرانیت ان لوگوں کا لقب ہو گیا جو تحریف شدہ تورات اور انجیل کی اتباع کرنے والے ہیں اسی لیے قرآن مجید نے ان کی

---

(1) العینی، محمود بن احمد، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 1/235

(2) کشمیری، محمد انور شاہ، فیض الباری علی صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ بیروت۔ لبنان، 2005ء، 1/203-204

مذمت فرمائی ہے اور ان کو دین حنیف کے برعکس قرار دیا۔"

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

احب اسم مفعول کے معنی میں ہے اس کی خبر (الحنيفية السمحة) اگرچہ مؤنث ہے لیکن علم بن چکا ہے لہٰذا کوئی قباحت نہیں، دوسرا یہ کہ افعل تفضیل اگر مضاف کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس میں جائز ہے کہ اسے مابعد کے مطابق رکھا جائے یا نہ۔ (الدین) جنس ہے مراد (أحب الأديان) ہے۔ ادیان سے مراد بنی اسرائیل وغیرہ کی شریعتیں ہیں ، ان میں تحریف سے پہلے چنانچہ ان میں کافی سختیاں اور تنگیاں تھیں مثلاً توبہ کے لیے اپنے آپ کو قتل کرنا، آٹھ پہر کا روزہ وغیرہ ان کی نسبت الحنيفية یعنی ملت ابراہیمیہ آسانیوں والی ہے حنف کا لغت میں میل یعنی میلان کا معنی ہے کیونکہ حنف ابراہیم باطل سے میلان کر کے حق کی طرف آئے تو ان کی ملت کو (الملة الحنيفية) کہا گیا اور حنیف اسے کہیں گے جو ان کی ملت پر ہو ہمیں جناب ابراہیم کی ملت عطا کی گئی (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں اپنے اوپر سختی نہیں کرنی چاہیے یعنی اس قسم کی سختی جو راہبوں نے اپنے اوپر مسلط کی۔[1]

دین اسلام میں تنگی اور حرج کی ممانعت:

رسول اکرم ﷺ نے دین اسلام کی وسعت سہولت اور نرمی کو واضح کرتے ہوئے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا دیا کہ اس دین میں سختی مشکلات، تنگی اور دشواری پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو اس میں تنگی اور مشکلات پیدا کرے گا یہ دین اس پر غالب آجائے گا یعنی سختی اور تنگی باقی نہ رہے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

◉ «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ»[2]

"دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا یہ اس پر غالب آجائے گا، پس تم لوگ میانہ روی کرو اور (اعتدال سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو۔"

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الایمان میں باب الدین یسر کے تحت ذکر کیا ہے جبکہ اس باب سے پہلے صوم رمضان کا ذکر ہے بظاہر صوم رمضان کے بعد اس باب کا محل نظر نہیں آتا کیونکہ باب کا ماقبل اور مابعد اس سے یکسر مختلف

---

(1) عبدالکبیر محسن، ڈاکٹر، پروفیسر، توفیق الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ اسلامیہ، 2008ء، 1/116

(2) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدین یسر، رقم الحدیث: 39

ہے امام بخاری نے رمضان کے روزوں کے بعد یہ باب کیوں باندھا اس کی حکمت کیا تھی انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے ؟۔

اس کے بارے میں مولانا محمد عثمان غنی لکھتے ہیں :

باب سابق میں صوم رمضان کا ذکر تھا اور قرآن مجید میں حکم صوم کے بعد ارشاد الٰہی ہے :

﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ2: 185)

"اللہ تم کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔"

اسی مناسبت سے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ بھی باب صوم رمضان کے بعد الدین یسر کا باب لائے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری قرآن مجید کے کتنے ماہر حافظ ہیں۔ جب امام بخاری نے صیام کا باب باندھا تو فوراً قرآن مجید کی طرف منتقل ہو گئے۔ ارشاد الٰہی ہے :

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾[1]

الدین یسر الف لام عہد کا ہے مراد دین اسلام ہے اور یسر کا حمل الدین پر ذو یسر کی تاویل سے ہے یا از قبیل زید عدل ہے یعنی دین غایت یسر کی وجہ سے خود یسر ہو گیا۔

امام بخاری کا مقصد خوارج و معتزلہ کی تردید ہے اس لیے کہ ان لوگوں نے دین کو اتنا سخت بنا دیا کہ اگر ایک وقت کی نماز کو چھوڑ دیا تو کافر ہو گیا یا ایمان سے خارج ہو گیا اگر کوئی گناہ کبیرہ ہو گیا تو کافر ہو گیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ دین اتنا سخت نہیں جتنا بنا رکھا ہے بلکہ دین آسان ہے۔

اس سے قبل مسلسل چار ابواب کے ذکر کردہ اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بڑی مشقت ہے۔ لیلۃ القدر کا قیام پھر جہاد مع الکفار، رمضان کا روزہ اور تراویح سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں نہایت مجاہدہ و مشقت مطلوب ہے اب امام بخاری بتلانا چاہتے ہیں اگرچہ مجاہدہ و مشقت مطلوب ہے لیکن اتنا ہی کہ پابندی اور مداوت ہو سکے۔ [2]

اس حدیث کے دوسرے حصہ میں دین میں سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ جو دین میں سختی کرے گا دین اس پر غالب آ جائے گا۔ جو دین میں سختی سے کام لے گا ایک دن وہ عمل کرنے سے عاجز آ جائے گا اور اعمال سر انجام نہیں دے پائے گا۔ کثرت جہد اور تکلیف مالا یطاق سے کام لے گا ایک دن بیمار پڑ جائے گا۔ جو صرف عزیمتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور رخصتوں کو قبول نہیں کرتے وہ ایک دن مغلوب من الدین ہو جاتے ہیں اس لیے عزائم اور رخص دونوں کو قبول کرنا چاہیے۔

سید احمد رضا بجنوری "ولن یشاء الدین احد الاغلبه" کی تشریح میں لکھتے ہیں :

---

(1) البقرہ2: 185

(2) محمد عثمانی غنی، علامہ، نصرۃ الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ الشیخ، بہادر آباد، کراچی، 1/298

1۔ یعنی اتنی شدت اختیار کرنا کہ مقصود دین پر غالب آ جانا ہو تو اس میں کامیابی نہ ہو اور نتیجہ دین سے مغلوب ہی ہونا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ جو شدت اس درجہ کی نہ ہو تو اس میں نہی داخل نہیں بلکہ اس کا محمود ہونا بھی ثابت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''مومن قوی بہتر ہے مومن ضعیف سے اور یوں خیر و بھلائی دونوں میں ہے''معلوم ہوا کہ ضعیف کا مرتبہ قوی سے گھٹا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے دین میں قوت اور ہمت میں بلندی ہوتی ہے تاہم ضعیف بھی اگر بقدر استطاعت، اخلاص نیت کے ساتھ دین کے ضروری احکام بجالائے گا تو وہ بھی خیر و فضیلت سے خالی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً مطلوب یہی ہے کہ یقین و عمل کا کمال حاصل کیا جائے مگر شدت و سختی کے ساتھ نہیں بلکہ قوت و نرمی کے ساتھ، عاجزی و فروتنی کے ساتھ، مثلاً یقین کا کمال تقلید اور آیات النفس میں تدبر کے راستہ سے نہیں بلکہ استدلالات و استنباطات عقلیہ کے اندر قوت کے ذریعہ حاصل کرنا چاہے تو صحیح نہ ہو گا یا عمل کا کمال فرض و مستحب کو اپنے اپنے مرتبہ میں رکھ کر اپنی استطاعات کے موافق حاصل نہ کرے بلکہ ادا ضروریات مستحبات میں غلو و مغالیہ کی حد تک پہنچ جائے اس سے بھی حدیث کے جملہ مذکورہ میں روکا گیا ہے۔

2۔ ضروریات میں اس قدر غلو وانہاک کیا جائے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں خلل پڑے، درست نہیں کیونکہ سب سے بڑا اور اصلی درجہ کا تقرب اللہ فرائض و واجبات ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صبح کی نماز جماعت سے ساتھ پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ ساری رات عبادت کروں (اور صبح کی نماز رہ جائے)

3۔ صرف عزیمتوں پر عمل کرنا اور شرعی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھانا بھی شدت و مشادہ ہے۔

4۔ جو شخص دین کے بغیر کتاب و سنت کے دوسرے علوم عقلیہ کے ذریعہ حاصل کرے وہ مشادہ میں داخل ہے کیونکہ اس طرح حق کا پوری طرح اس پر انکشاف نہ ہو سکے گا اور دین کا حصول اس پر دشوار ہو جائے گا۔

5۔ جو شخص دین تمام مسائل پر عمل اس شرط پر کرنا چاہے کہ سب مجمع علیہ ہوں تو وہ بھی ناکام ہو گا۔ دین پر عمل دشوار ہو جائے گا کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ملیں گے جن پر اجماع نہیں ہو سکا۔

6۔ جو شخص مقدورات الٰہیہ اور فرائض خداوندی سے دل تنگ ہو کر تسلیم و انقیاد، صبر و رضا اختیار نہ کرے گا۔ اس پر بھی دین غالب آ جائے گا۔ کیونکہ وہ ان کو ناقابل برداشت مشقت اور دین میں شدت سمجھے گا اور ہمت ہار دے گا۔[1]

اس حدیث میں دین میں تیسیر پر زور دیتے ہوئے آپ ﷺ نے مزید یہ الفاظ فرمائے۔

سددوا و قاربوا یعنی میانہ روی اختیار کرو اور اگر کسی نیکی کو کامل نہیں کر سکتے تو اس کے قریب ہو جاؤ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اعلیٰ مرتبہ اور درجہ حاصل نہ کر سکو تو اس کے قریب تو رہو۔

وابشروا میں یہ پیغام ہے کہ خوشی خوشی دین کے امور سرانجام دیا کرو ان کو اپنے لیے تنگی اور دشواری نہ خیال کرو کیونکہ تمہارا دین آسان ہے۔ یعنی طاقت کے مطابق تھوڑا عمل کر کے بھی خدا تعالیٰ کی بشارت کے مستحق بن سکتے ہو۔

---

(1) بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1427ھ، 3، 4/ 252-253

"وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ "

ان الفاظ میں ترغیب و تحریص دی گئی ہے کہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تاکہ خدا تعالیٰ کا قرب ممکن ہو سکے۔ شریعت نے تقلیل عبادات کا حکم تکثیر کے لیے دیا جو تھوڑی کرے گا اور پابندی سے کرتا رہے وہ بہت ہو جائے گا کثرت عبادت سے اس لیے منع کر دیا ایک دم بہت زیادہ عبادت کرنے سے تھکاوٹ ہو جانے پر اکتاہٹ ہو جائے گی۔

علامہ ابن بطال اس کی تشریح و توضیح میں فرماتے ہیں:

"قال أبو الزناد: والمراد بهذا الحديث الحض على الرفق فى العمل، وهو كقوله (ﷺ): تمت عليكم من العمل ما تطيقون ، وقال لعبد الله بن عمر: تمت وإذا فعلت هجمت عينک ونقمت نفسک . وقوله: تمت أبشروا يعنى بالأجر والثواب على العمل، وتمت استعينوا بالغدوة والروحة وشىء من الدلجة كأنه خاطب مسافرًا يقطع طريقه إلى مقصده فنبهه على أوقات نشاطه التى يزكو فيها عمله؛ لأن الغدو والرواح والدلج أفضل أوقات المسافر "[1]

"ابو الزناد نے کہا اس حدیث سے مراد کام میں نرمی کی ترغیب ہے اور یہ آپ ﷺ کے فرمان کی طرح ہے کہ عمل میں جن چیزوں کی تم طاقت رکھتے ہو وہ مکمل ہیں۔ اور آپ ﷺ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تو کام کرے تو مکمل کرے اس حال میں تیری آنکھ پر پسینہ آجائے اور تیرا دل نہ پسند کرے۔ اور آپ ﷺ کا فرمان ہے یہ دین مکمل آسان ہے جس کی تمہیں بشارت دی گئی ہے یعنی کام پر اجر و ثواب کی۔ اور یہ دین آسان ہے تم صبح و شام اور رات کی تاریکی میں مدد حاصل کرو گویا آپ ﷺ نے مسافر کی طرح خطاب کیا ہے جو اپنے مقصد کے لیے راستہ طے کرتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے نشیط اوقات پر متنبہ کیا ہے جس میں وہ اپنے عمل کو بڑھالے کیونکہ صبح و شام اور رات کی تاریکی مسافر کے افضل اوقات ہیں۔"

رفق و نرمی کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں جہاں اپنے بندوں کے لیے تیسیر اور سہولت رکھی ہے وہاں خامخواں خود کو مشکلات اور تنگی میں مبتلا نہ کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی یہ صفت مبارکہ تھی کہ صحابہ کرام کے لیے آسان احکام بیان کیا کرتے تھے اور ان کے احوال اور استطاعت کو دیکھ کر ان کے لیے حکم صادر فرماتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ مشکل اور دشواری کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاں انسانوں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرنے والا کس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ جو تیرے بندوں کے لیے نرمی، سہولت اور آسانی پیدا کرتا ہے تو اس کے ساتھ نرمی اور آسانی فرما اور جو تیرے بندوں کے لیے ساتھ سختی اور مشکلات پیدا کرنے کا رویہ رکھتا ہے تو اس کے لیے سختی کا رویہ فرما۔

---

(1) ابن بطال، آبو الحسن علی بن خلف، شرح صحیح البخاری لابن بطال، مکتبۃ الرشد-السعودیۃ، الریاض، 1423ھ، 1/97

عبد الرحمان بن شماسہ بیان کرتے ہیں:

◉ «أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنْ شَيْءٍ، فَقَالَتْ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ، فَقَالَتْ: كَيْفَ كَانَ صَاحِبُكُمْ لَكُمْ فِي غَزَاتِكُمْ هَذِهِ؟ فَقَالَ: مَا نَقَمْنَا مِنْهُ شَيْئًا، إِنْ كَانَ لَيَمُوتُ لِلرَّجُلِ مِنَّا الْبَعِيرُ فَيُعْطِيهِ الْبَعِيرَ، وَالْعَبْدُ فَيُعْطِيهِ الْعَبْدَ، وَيَحْتَاجُ إِلَى النَّفَقَةِ، فَيُعْطِيهِ النَّفَقَةَ، فَقَالَتْ: أَمَا إِنَّهُ لَا يَمْنَعُنِي الَّذِي فَعَلَ فِي مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَخِي أَنْ أُخْبِرَكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ فِي بَيْتِي هَذَا: «اللهُمَّ، مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ»[1]

"میں حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم کن لوگوں میں سے ہو میں نے عرض کیا اہل مصر میں سے ایک آدمی ہوں تو سیدہ نے فرمایا تمہارا ساتھی تمہارے ساتھ غزوہ میں کیسے پیش آتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہم نے اس میں کوئی ناگوار بات نہیں پائی۔ اگر ہم میں سے کسی آدمی کا اونٹ مر جائے تو وہ اسے اونٹ عطا کرتا ہے اور غلام کے بدلے غلام عطا کرتا ہے اور جو خرچ کا محتاج ہو اسے خرچہ عطا کرتا ہے۔ سیدہ نے فرمایا مجھے وہ معاملہ اس حدیث کے بیان کرنے سے نہیں روک سکتا جو اس نے میرے بھائی محمد بن ابو بکر سے کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے میرے اس گھر میں فرمایا اے اللہ میری اس امت میں سے جس کو ولایت دی جائے اور وہ ان پر سختی کرے تو تو اس پر سختی کر اور میری امت میں سے جس کو کسی معاملہ کو والی بنایا جائے وہ ان سے نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر۔"

شیخ ملّا علی القاری فرماتے ہیں:

"قَالَ النَّوَوِيُّ: هَذَا مِنْ أَبْلَغِ الزَّوَاجِرِ عَنِ الْمَشَقَّةِ عَلَى النَّاسِ، وَأَعْظَمِ الْحَثِّ عَلَى الرِّفْقِ بِهِمْ، وَقَدْ تَظَاهَرَتِ الْأَحَادِيثُ فِی هَذَا الْمَعْنَى قَالَ الطِّيبِيُّ: وَهُوَ مِنْ أَبْلَغِ مَا أَظْهَرَهُ ﷺ مِنَ الرَّأْفَةِ وَالشَّفَقَةِ وَالْمَرْحَمَةِ عَلَى الْأُمَّةِ فَنَقُولُ بِلِسَانِ الْحَالِ: اللَّهُمَّ هَذَا أَوَانُ أَنْ تَرْحَمَ عَلَى أُمَّةِ حَبِيبِکَ الْكَرِيمِ وَتُنْجِيَهُمْ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)"[2]

"امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ لوگوں پر تنگی پیدا کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ان کے ساتھ نرمی پیدا کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ امام طیبیؒ نے بھی یہی معنی مراد لیے ہیں کہ اس سے آپؐ کی اپنی امت پر نرمی، شفقت اور مہربانی کا بہت زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ ہم لسان حال سے کہتے ہیں اے اللہ یہ نرمی ہے کہ تو اپنے محبوب نبی کی امت پر رحم کرے اور اس کی امت کو بڑی آزمائشوں سے بچائے۔"

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الامارہ، بَابُ فَضِيلَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ، وَعُقُوبَةِ الْجَائِرِ، وَالْحَثِّ عَلَى الرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ، وَالنَّهْيِ عَنْ إِدْخَالِ الْمَشَقَّةِ عَلَيْهِمْ، رقم الحدیث: 1828، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(2) القاری، علی بن محمد، ابو الحسن، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 6/2404، دار الفکر، بیروت۔ لبنان، 2002ء

شیخ محمد بن اسماعیل بن صلاح اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"شَقَّ عَلَيْهِمْ أَدْخَلَ عَلَيْهِمْ الْمَشَقَّةَ أَيْ الْمَضَرَّةَ. وَالدُّعَاءُ عَلَيْهِ مِنْهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِالْمَشَقَّةِ جَزَاءٌ مِنْ جِنْسِ الْفِعْلِ، وَهُوَ عَامٌّ لِمَشَقَّةِ الدُّنْيَا، وَالْآخِرَةِ وَتَمَامُهُ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ وَرَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ بِلَفْظِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْهُمْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَعَلَيْهِ بَهْلَةُ اللَّهِ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا بَهْلَةُ اللَّهِ؟ قَالَ: لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْوَالِي تَيْسِيرُ الْأُمُورِ عَلَى مَنْ وَلِيَهُمْ وَالرِّفْقُ بِهِمْ وَمُعَامَلَتُهُمْ بِالْعَفْوِ وَالصَّفْحِ وَإِيثَارِ الرُّخْصَةِ عَلَى الْعَزِيمَةِ فِي حَقِّهِمْ لِئَلَّا يُدْخِلَ عَلَيْهِمْ الْمَشَقَّةَ، وَيَفْعَلَ بِهِمْ مَا يَجِبُ أَنْ يَفْعَلَ بِهِ اللَّهُ"[1]

"ان پر سخت ہو جا ان پر سختی ڈال دے یعنی تنگی۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی ہے یہ مشقت ان کے عمل کی وجہ سے ہے اور یہ مشقت دنیا و آخرت دونوں میں ہو سکتی ہے۔ اور اس کی تکمیل یہ ہے جو میری امت میں کسی کام پر والی بنایا گیا اور اس نے نرمی کی تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جو کسی کام میں والی بنایا گیا اور اس نے میری امت پر سختی کی تو اس پر اللہ کی طرف سے بہلہ ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ بہلہ سے کیا مراد ہے آپؐ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو۔ یہ حدیث اس بات پہ دلیل ہے کہ جو کوئی کسی امور میں والی بنایا گیا تو اس پر واجب ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرمی، آسانی، درگزر اور سہولت کا معاملہ رکھے عزیمت کی بجائے رخصت کو ترجیح دے۔ تاکہ اس پر مشقت نہ آن پڑے۔ ان کے ساتھ وہ سلوک کرے جو اللہ نے اس پر واجب کیا ہے۔"

آسان اور سہولت پر مبنی کام کو ترجیح:

رسول اکرم ﷺ خود تیسیر اور آسانی کا راستہ ہی اختیار کیا کرتے تھے کسی کام کو سرانجام دیتے ہوئے آپ کی کوشش یہی ہوا کرتی تھی کہ آسانی اور گنجائش پیدا کی جائے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

◉ «مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ بِهَا لِلَّهِ»[2]

"نبی ﷺ کو دو امر کے درمیان جب بھی اختیار دیا گیا تو ان میں جو آسان صورت تھی اس کو اختیار کیا بشرطیکہ

---

(1) محمد بن اسماعیل بن صلاح، سبل السلام، دار الحدیث، 2/667

(2) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، رقم الحدیث: 6126

وہ گناہ نہ ہو۔ اگر وہ گناہ ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے (یعنی سب سے زیادہ اس سے پرہیز کرتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی خاطر کبھی انتقام نہیں لیا مگر جو شخص حرمت الہیہ کی پردہ دری کرتا یعنی احکام الٰہی کے خلاف کرتا تو اللہ کی خاطر اس سے انتقام لیتے۔"

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اگر کسی کام میں آسانی کو اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو تو اس میں آسانی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

"قَوْلُهُ بَيْنَ أَمْرَيْنِ أَيْ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا لِأَنَّ أُمُورَ الدِّينِ لَا إِثْمَ فِيهَا وَأُبْهِمَ فَاعِلُ خَيْرٌ لِيَكُونَ أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ مِنْ قِبَلِ اللهِ أَوْ مِنْ قِبَلِ الْمَخْلُوقِينَ وَقَوْلُهُ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا أَيْ أَسْهَلَهُمَا وَقَوْلُهُ مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا أَيْ مَا لَمْ يَكُنِ الْأَسْهَلُ مُقْتَضِيًا لِلْإِثْمِ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَخْتَارُ الْأَشَدَّ وَفِي حَدِيثِ أَنَسٍ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ فِي الْأَوْسَطِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ للهِ فِيهِ سَخَطٌ وَوُقُوعُ التَّخْيِيرِ بَيْنَ مَا فِيهِ إِثْم ومالا إِثْمَ فِيهِ مِنْ قِبَلِ الْمَخْلُوقِينَ وَاضِحٌ وَأَمَّا مِنْ قِبَلِ اللهِ فَفِيهِ إِشْكَالٌ لِأَنَّ التَّخْيِيرَ إِنَّمَا يَكُونُ بَيْنَ جَائِزَيْنِ لَكِنْ إِذَا حَمَلْنَاهُ عَلَى مَا يُفْضِي إِلَى الْإِثْمِ أَمْكَنَ ذَلِكَ بِأَنْ يُخَيِّرَهُ بَيْنَ أَنْ يُفْتَحَ عَلَيْهِ مِنْ كُنُوزِ الْأَرْضِ مَا يُخْشَى مِنَ الِاشْتِغَالِ بِهِ أَنْ لَا يَتَفَرَّغَ لِلْعِبَادَةِ مَثَلًا وَبَيْنَ أَنْ لَا يُؤْتِيَهُ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا الْكَفَافَ فَيَخْتَارَ الكفاف وَأَن كَانَت السعَة أسهل مِنْهُ وَالْإِثْم على هَذَا أَمر نسبي لايراد مِنْهُ مَعْنَى الْخَطِيئَةِ لِثُبُوتِ الْعِصْمَةِ لَهُ" [1]

"(بَيْنَ أَمْرَيْنِ) یعنی امور دین میں سے اگلا جملہ (مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا) اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ امور دین میں تو اثم نہیں ہو سکتا۔ (خیر) کا فاعل مبہم رکھا ہے تاکہ اس بات سے اعم ہو کہ بخیر من جانب اللہ ہے یا اس کی مخلوق کی جانب سے یعنی دو میں سے اسہل معاملہ اختیار کرنے سے کسی اثم کا لزوم آتا ہو تب اشد اختیار کرتے، اوسط للطبرانی کی حدیث انس میں یہ الفاظ ہیں (مَا لَمْ يَكُنْ للهِ فِيهِ سَخَطٌ) یعنی بشرطیکہ اسہل اختیار کرنے سے اللہ کی ناراضی لازم نہ آتی ہو۔ مخلوقین کی جانب سے تخییر تو واضح ہے البتہ اللہ کی طرف سے تخییر میں اشکال ہے کیونکہ وہ تو دو جائز امور میں ہی ہو سکتی ہے لیکن اسے اس امر پر محمول کریں گے کہ کسی معاملہ کا اختیار (فیفضی الی الاثم) مراد ہے (گناہ لازم آتا ہو) تب کوئی اشکال نہیں مثلاً بالفرض اللہ تعالیٰ کی جانب سے اختیار دیا گیا ہے کہ آپ کے لیے زمین کے خزانے کھول دیئے جائیں تو یہ فی نفسہ تو اثم نہیں لیکن سبب اثم ثابت ہو سکتا تھا کہ بوجہ ان کے ساتھ اشتغال کے مکمل طور پر متفرع العبادت نہ ہو سکیں یا آپ پھر کفاف اختیار کریں (یعنی تنگ دستی) تو اپنے کفاف اختیار کیا تو یہاں آپ نے گویا بجائے اسہل الامرین (یعنی دنیا کی نازونعمت کے

---

[1] فتح الباری، 6/ 575

)اشد(یعنی فقر وفاقہ کی کی زندگی)اختیار کی اس مثال میں اثم کا اندیشہ وقوع امر نسبی ہے مراد مضائے خطیئہ نہیں کیونکہ آپ کے لیے تو عظمت ثابت ہے۔"

علامہ عینی لکھتے ہیں:

" وَقَالَ عِيَاض: يحْتَمل أَن يخيره الله تَعَالَى فِيمَا فِيهِ عقوبتان وَنَحْوه، وَأما قَوْلهَا: (مَا لم يكن إِثْمًا) فيتصور إِذا خَيره الْكفَّار. قَوْله: (إلاَّ أَن تنتهك حُرْمَة الله) يَعْنِي: انتهاك مَا حرمه، وَهُوَ اسْتِثْنَاء مُنْقَطع، يَعْنِي: إِذا انتهكت حُرْمَة الله انتصر لله تَعَالَى وانتقم مِمَّن ارْتكب ذَلِك"[1]

"قاضی عیاض نے کہا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ نے ان چیزوں میں اختیار دیا ہو جن میں دو سزائیں ہوں اور مالم یکن اثم کا فرمان کفار کے ساتھ بھلائی کرنے کے اختیار کو بتلاتا ہے۔اور آپ ﷺ کا فرمان "إلاَّ أَن تنتهك حُرْمَة الله" یعنی اللہ کی حرمت والی چیزوں کو پامال کیا جائے اور یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی جب اللہ کی حرمت والی چیزوں کو پامال کیا جائے تو اللہ کی مدد کرو اور اس کے مرتکب سے انتقام لو۔"

شیخ محمد عبد العزیز بن علی الشاذلی الخَوْلی فرماتے ہیں:

"فمثل خيّره ربه بين الإفطار والصيام فى السفر أو المرض. فاختار الأيسر، وخيره بين مقابلة السيئة بمثلها والعفو فاختار العفو، وخيّره فيمن تحاكموا إليه غير مخلصين فى الحكم بينهم أو الإعراض عنهم، فاختار ما رآه أسهل، وخيّره بين أن يقوم نصف الليل أو ثلثه، أو يزيد على النصف فكان يختار ما يراه أيسر على نفسه، وخيّره بين أن يفتح له كنوز الأرض أو يجعل رزقه الكفاف فاختار الكفاف ليتفرغ لعبادة ربه، والدعوة إلى دينه، وكذلک إذا خيّره أهل بيته بين أمرين اختار أيسرهما، فإذا خيّروه بين طعامين اختار أدناهما كلفة. وإذا استشار أصحابه فى أى الطرق يسلك فى سفرة أو غزوة، وفى أى الأماكن ينزل، أو فى أى البقاع تكون المعركة، فأشاروا بأمرين اختار الأيسر منهما، وهكذا دأبه، ما لم يكن أحد الأمرين معصية، فإنه يكون أبعد الناس منه، وكيف لا تنفر نفسه الطيبة الطاهرة بما يخدش طاعته لربه، وحرصه على شرعه ولن يخيره بين طيب وخبيث. كماء وخمر إلا جاهل بالدّين، أو منافق. أو كافر لا يعلم أحكام الشريعة، ذلک الخلق الأول.أما الخلق الثانى فكان ﷺ لا يناله أمر يمضه من جفاة الأعراب أو من ضعفة الإيمان، أو من أعدائه فينتقم لنفسه...... والحديث يحثنا على أخذ اليسر، والرغبة عن العسر، ويدعونا إلى الأخذ بالرخص إن كانت على النفس أسهل. والعفو عن المسيئين إلا أن ينتهكوا حرمات هذا الدّين، ويندبنا إلى

---

[1] عمدۃ القاری، 168/2

الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر"[1]

"آپ ﷺ کو آپؑ کے رب نے سفر اور بیماری میں روزہ رکھنے اور چھوڑنے میں اختیار دیا تو آپ ﷺ نے آسان کو اختیار فرمایا اور جب آپ ﷺ کو انتقام اور معافی میں اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے معافی کو اختیار فرمایا اور جب آپ ﷺ کو غیر مخلص لوگوں میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں بھی آسانی کا انتخاب فرمایا۔ اور جب آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ کے لیے زمین کے خزانے کھول دیئے جائیں یا آپ ﷺ کو بقدر ضرورت رزق دیا جائے تو آپ ﷺ نے بقدر ضرورت کا انتخاب کیا تا کہ دین کی دعوت دینے میں اور اللہ کی بندگی میں فارغ رہ سکیں۔ اس کے اور اسی طرح اپنے گھر والوں کے لیے بھی آسانی کا انتخاب فرماتے جب اللہ تعالیٰ نے دو کھانوں میں اختیار دیا تو آپ ﷺ نے اس کا انتخاب کیا جس میں مشقت کم تھی اور جب آپ ﷺ سفر یا غزوہ میں صحابہ سے کسی راستے کا مشورہ لیتے یا پڑاؤ والی جگہ کے بارے میں یا دشمن سے جنگ والے میدان کے بارے میں تو تب بھی آپ ان کے دیئے ہوئے مشوروں میں سے آسان کا انتخاب فرماتے۔ اور یہی اصل اور بنیاد ہے کہ جب تک ان دو میں کوئی گناہ والا کام نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کو اختیار کرتے۔ اور آپ ﷺ شریعت پر حریص تھے اور آپ کو کبھی بھی طیب اور خبیث اشیاء میں اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ پانی اور شراب ہے، سوا اس کے کہ جو دین کو نہیں جانتا یا منافق ہے یا کافر ہے یا جو احکام شرعی نہیں جانتا یہ پہلا خلق ہے۔ دوسرا خلق یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سخت و تندخو دیہاتوں کی جانب سے یا کمزور ایمان والوں کی جانب سے کوئی ایسا معاملہ نہیں پہنچا جس میں انہوں نے آپ ﷺ کو اذیت نہ دی ہو حتٰی کہ آپ ﷺ کے جانی دشمنوں سے بھی آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ حدیث ہمیں آسانی اختیار کرنے پر ابھارتی ہے، اور تنگی سے بے رغبتی پر اور ہمیں رخصت لینے پر ترغیب دیتی ہے اگرچہ وہ نفس پر آسان ہو۔ اور خطاء کاروں سے معافی پر۔ سوائے اس کے کہ وہ دین کی حرمت کے مرتکب ہوں اور ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر آمادہ کرتی ہے۔"

آسانی اللہ اور اس کے رسول کی پسندیدہ ہے:

رسول اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں خود وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تنگی اور مشکلات پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی، تیسیر اور سہولت پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

◉ «إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا»[2]

"خدا نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے نہ تکلیف دینے والا بنا کر بھیجا ہے بلکہ اس نے مجھے آسانی فراہم کرنے

---

(1) الخولی، محمد عبد العزیز بن علی الشاذلی، الادب النبوی، دار المعرفۃ –بیروت، 1423ھ، 1/189۔190

(2) صحیح مسلم، بَابُ بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لَا يَكُونُ طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ، کتاب الطلاق، رقم الحدیث: 1478

والے معلم کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کے لیے آسانی اور تیسیر پیدا کرنا تھا آپ ﷺ کی بعثت سے قبل یہود و نصاریٰ نے اپنی تعلیمات میں تحریف و تبدل کرتے ہوئے اس قدر تنگیاں، مشکلات اور دشواریاں پیدا کر لی تھی کہ ان کے لیے مذہبی تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ کیونکہ انسان کے لیے اصل آسانی اور سہولت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دی گئی ہو اگر انسان اپنی من مانیوں سے آسائش اور سہولت پیدا کرے گا تو حقیقت میں اس کے لیے تنگی اور حرج پیدا ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے رخصت اور آسانی کو پسند فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کے لیے آسانیوں اور رخصتوں کو پسند کرتا ہے اسی لیے اس نے اپنے بندوں کے لیے ہر معاملہ میں آسانی اور رخصت کا پہلو رکھا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

- «إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ أَنْ تُؤْتَی رُخَصُهُ كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى فَرِيضَتُهُ»[1]

" اللہ تعالیٰ اپنی رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی اس طرح پسند کرتا ہے جس طرح اپنے فرائض پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔"

الادب لابن ابی شیبہ میں ہی دوسرے الفاظ میں اس حدیث کو یوں بیان کیا گیا ہے:

- «ان الله يحب أن توتى رخصة كما يحب ان توتى عزائمه »[2]

"اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں کو اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح وہ اپنی عطا کی ہوئی عزیمتوں کو پسند کرتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

- «ان الله يحب ان توتى مباشرة كما يحب ان يطاع فى عزائمة»[3]

"اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی دی ہوئی عزیمتوں کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ یہ بھی پسند کرتا ہے اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے۔"

مزید ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

- «ان عبدالله قال : ان الله يحب ان تقبل رخصة كما يحب ان تؤتى عزائمه »[4]

"بے شک اللہ تعالیٰ رخصت پر عمل کرنے کو اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح وہ اپنی عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔"

---

(1) ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، الادب لابن ابی شیبہ، باب الاخذ بالرخص، رقم الحدیث: 194، دار البشائر الإسلامیۃ – لبنان، 1999ء

(2) الادب لابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: 195

(3) الادب لابن شیبہ، رقم الحدیث:192

(4) الادب لابن شیبہ، رقم الحدیث:190

شیخ زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف لکھتے ہیں:

"مفهوم محبته لإتيان الرخص أنه يكره تركه فأكد قبول رخصته تأكيدا يكاد يلحق بالوجوب بقوله (كما يكره أن تؤتى معصيته) وقال الغزالي رحمه الله: هذا قاله تطيبا لقلوب الضعفاء حتى لا ينتهى بهم الضعف إلى اليأس والقنوط فيتركوا الميسور من الخير عليهم لعجزهم عن منتهى الدرجات فما أرسل إلا رحمة للعالمين كلهم على اختلاف درجاتهم وأصناف هما. قال ابن حجر رحمه الله: وفيه دلالة على أن القصر للمسافر أفضل من الإتمام "[1]

" اس کی محبت کا مفہوم اس کی رخصت کی بجا آوری ہے کیونکہ وہ اس کے چھوڑنے کو ناپسند کرتا ہے اور اس نے رخصت کو قبول کرنے کی تاکید کی ہے اس قدر قریب ہے کہ وہ واجب سے مل جائے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:" كما يكره أن تؤتى معصيته"(جیسے وہ اپنی معصیت کی بجا آوری کو ناپسند کرتا ہے)

امام غزالی کہتے ہیں یہ کمزور دلوں کی پاکیزگی ہے، حتی کہ ضعف، ناامیدی اور مایوسی میں ان کو بھی نہیں پہنچتا۔ چنانچہ وہ اپنے اوپر خیر سے آسانی کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ وہ درجات تک پہنچنے سے عاجز و بے بس ہیں۔ چنانچہ اس نے تو اس کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہر کسی کے مختلف درجے اور اقسام ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ مسافر کے لیے قصر کرنا مکمل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔"

شیخ محمد بن علی بن محمد لکھتے ہیں:

"وَالْمُرَادُ بِالرُّخْصَةِ:التَّسْهِيل وَالتَّوْسِعَة فِي تَرْك بَعْض الْوَاجِبَاتِ أَوْ إِبَاحَة بَعْض الْمُحَرَّمَاتِ. وَهِيَ فِي لِسَانِ أَهْل الْأُصُول: الْحُكْم الثَّابِتُ عَلَى خِلَاف دَلِيل الْوُجُوبِ أَوْ الْحُرْمَة لِعُذْرٍ.وَفِيهِ أَنَّ اللَّهَ يُحِبّ إِتْيَان مَا شَرَعَهُ مِنْ الرُّخَص، وَفِي تَشْبِيه تِلْكَ الْمَحَبَّة بِكَرَاهَتِهِ لِإِتْيَانِ الْمَعْصِيَة دَلِيل عَلَى أَنَّ فِي تَرْك إِتْيَان الرُّخْصَة تَرْك طَاعَة، كَالتَّرْكِ لِلطَّاعَةِ الْحَاصِل بِإِتْيَانِ الْمَعْصِيَة. وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ الْأَوَّل مِنْ أَدِلَّة الْقَائِلِينَ بِأَنَّ الْقَصْر وَاجِبٌ، لِقَوْلِهِ: «فَكَانَ فِيمَا عَلِمْنَا أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَمَرَنَا أَنْ نُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ»"[2]

"اور رخصت سے مراد سہولت اور سعت ہے بعض واجبات کو چھوڑنے میں یا بعض محرمات کے مباح ہونے میں۔ اور یہی اہل اصول کی بات ہے کہ حکم عذر کی بناء پر حرمت یا اس کے مخالف دلیل پر برقرار رہتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ شریعت کی رخصتوں پر حکم کی بجا آوری کو پسند فرماتے ہیں اور اس محبت کی مشابہت میں معصیت کی بجا آوری کو ناپسند کرنا بھی ہے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ رخصت کی بجا آوری کو چھوڑنا فرمانبرداری کو ترک کرنا ہے۔ معصیت کی بجا آوری کر کے اطاعت کو چھوڑ دینا ہے اور پہلی حدیث ابن عمرؓ

---

(1) محمد المدعو بعبد الرؤف، زین الدین، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصری، 1356ھ، 296/2

(2) الیمنی، محمد بن علی بن محمد، نیل الأوطار، دار الحدیث، مصر، 1993ء، 244/3

جس میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ان امور میں سے جن کو ہم نے جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سفر میں دو رکعت نماز ادا کریں۔"

مذکورہ بالا حدیث میں یہ غیر مبہم وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیمتوں اور رخصتوں دونوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ شیخ محمد بن اسماعیل بن صلاح لکھتے ہیں:

«وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : إنَّ اللهَّ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ، وَفِي رِوَايَةٍ كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ) فُسِّرَتْ مَحَبَّةُ اللهَّ بِرِضَاهُ وَكَرَاهَتُهُ بِخِلَافِهَا وَعِنْدَ أَهْلِ الْأُصُولِ أَنَّ الرُّخْصَةَ مَا شُرِعَ مِنْ الْأَحْكَامِ لِعُذْرٍ، وَالْعَزِيمَةُ مُقَابِلُهَا، وَالْمُرَادُ بِهَا هُنَا مَا سَهَّلَهُ لِعِبَادِهِ وَوَسَّعَهُ عِنْدَ الشِّدَّةِ مِنْ تَرْكِ بَعْضِ الْوَاجِبَاتِ، وَإِبَاحَةِ بَعْضِ الْمُحَرَّمَاتِ.

وَالْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ فِعْلَ الرُّخْصَةِ أَفْضَلُ مِنْ فِعْلِ الْعَزِيمَةِ كَذَا قِيلَ وَلَيْسَ فِيهِ عَلَى ذَلِكَ دَلِيلٌ بَلْ يَدُلُّ عَلَى مُسَاوَاتِهَا لِلْعَزِيمَةِ، وَالْحَدِيثُ يُوَافِقُ قَوْله تَعَالَى (يُرِيدُ اللهُّ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) (البقرة: 185)»[1]

"ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رخصتیں اپنانے کو اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح وہ اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔ اس حدیث کو مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں نقل کیا گیا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں (جیسے وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔) اللہ تعالیٰ کی محبت کی وضاحت کر دی گئی اس کی رضا اور کراہت کے ساتھ یہ اہل الاصول (فقہاء) کے قول کے بالکل برعکس ہے جو کہتے ہیں کہ احکام میں رخصت پر تبھی عمل ہو سکتا ہے جب کوئی عذر ہو اس کے برعکس عزیمت ہے یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسان کر دیا ہے اور وسعت دی ہے کہ مشکل وقت میں بعض فرائض کو ترک کر دیا جائے اور بعض محرکات کو مباح سمجھا جائے۔ اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ رخصت پر عمل کرنا عزیمت پر عمل کرنے سے افضل ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث رخصت اور عزیمت کے مساوی ہونے پر دلیل ہے۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان کے موافق ہے ﴿يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ "اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے تنگی کا نہیں۔"

دین اسلام کی عظیم خوبی:

دین اسلام کی بہترین چیز اس کا آسانی اور سہولت پر مبنی ہونا ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(1) سبل السلام، 1/387

◉ «إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ»[1]

"تمہارے دین کی بہترین چیز اس کا آسان ہونا ہے تمہارے دین کی بہترین چیز اس کا آسان ہونا ہے۔"

زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف لکھتے ہیں:

"(خير دينكم أيسره) أي الذى لا مشقة فيه والدين كله كذلك إذ لا مشقة فيه ولا إصر كالذى كان من قبل لكن بعضه أيسر من بعض فأمر بعدم التعمق فيه فإنه لن يغالبه أحد إلا غلبه وقد جاء ت الأنبياء السابقة بتكاليف وآصار بعضها أغلظ من بعض"[2]

"(خير دينكم أيسره) سے مراد یہ ہے کہ جس میں مشقت نہ ہو بالکل اسی طرح سارے دین میں کوئی مشقت اور تنگی نہیں ہے جس طرح پہلے مذاہب میں تھی لیکن اس کے احکام تو بعض احکام سے آسان ہیں۔ پس اس کے احکام میں سختی کو نہ لیا جائے کیونکہ دین پر کوئی ہر گز غالب نہیں آسکتا دین ہی اس پر غالب رہے گا سابقہ انبیاء کی شریعت میں تنگیاں اور دشواریاں تھیں ان میں ایک سے بڑھ کر ایک سخت احکام تھے۔"

رسول اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا کہ مسلمان رخصتوں کو چھوڑ کر عزیمتوں پر ہی عمل کریں اور اپنی زندگی کو مشقت اور حرج میں مبتلا رکھیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی جو تعلیم و تربیت فرمائی تھی اس میں دونوں کی اہمیت کو اجاگر فرمایا تھا ایک موقع پر آپؐ کو علم ہوا کہ آپ کے اصحابؓ رخصت پر عمل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں اور رخصت سے پرہیز کرتے ہوئے عزیمت کو ترجیح دے رہے ہیں تو آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ صراحت فرمائی کہ جو کام میں کرتا ہوں تم اس سے پرہیز کیوں کرتے ہو اللہ کی قسم تم مجھ سے زیادہ اللہ کو جاننے والے نہیں ہو اور نہ ہی تم مجھ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

◉ «صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيهِ، فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللَّهَ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ، فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللَّهِ، وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً»[3]

"نبی ﷺ نے کوئی کام کیا تھا اور لوگوں کو اس کے کرنے کی اجازت بھی دی تھی، لیکن لوگوں نے اس سے پرہیز کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد بیان کی پھر فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اس کام سے پرہیز کرتے ہیں، جو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم میں اللہ کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں اور ان سے زیاد ڈرنے والا ہوں۔"

علامہ بدرالدین العینی فرماتے ہیں:

---

(1) مسند احمد، رقم الحدیث: 15936

(2) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، 3/486

(3) الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِالعِتَابِ، رقم الحدیث: 6101

"قَوْله: (صنع النَّبِی ﷺ شَيْئا) لم يعلم مَا هُوَ. قَوْله: (فَرخص فِيهِ) من الترخيص وَهُوَ خلاف التَّشْدِيد يَعْنِی: سهّل فِيهِ من غير منع. قَوْله: (فتنزه عَنهُ قوم) يَعْنِی: احترزوا عَنهُ وَلم يقربُوا إِلَيْهِ، وَفِی رِوَايَة مُسلم: فكأنهم كرهوه وتنزهوا عَنهُ. قَوْله: (فَبلغ ذَلِک) أَی تنزههم النَّبِی ﷺ، فَقَالَ: مَا بَال قوم يتنزهون؟ أَی: يحترزون، وَفِی رِوَايَة مُسلم: فَبلغ ذَلِک النَّبِی ﷺ، فَغَضب حَتَّى بَان الْغَضَب فِی وَجهه. قَوْله: عَن الشَّیْء أصنعه، وَفِی رِوَايَة جرير: بَلغهُمْ عنی أَمر ترخصت فِيهِ فكرهوه وتنزهوا عَنهُ، وَفِی رِوَايَة أبی مُعَاوِيَة يرغبون عَمَّا رخصت فِيهِ. قَوْله: إِنِّی لأعلمهم إِشَارَة إِلَى الْقُوَّة العلمية. قَوْله: وأشدهم لَهُ خشيَة إِشَارَة إِلَى الْقُوَّة العملية. وَفِيه: الْحَث على الِاقْتِدَاء بِهِ وَالنَّهْی عَن التعمق وذم التَّنَزُّه عَن الْمُبَاح"[1]

"(صنع النَّبِی ﷺ شَيْئا) اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا کام تھا۔ (فَرخص فِيهِ) یہ رخصت سے ہے جو سختی کے خلاف ہے مراد ہے وہ سہولت جو منع نہ ہو۔ (فتنزه عَنهُ قوم) یعنی انہوں نے احتراز کیا اور اس کے قریب نہ گئے۔ مسلم کی روایت میں ہے انہوں نے اس کو مکروہ جانا اور اس سے اجتناب کیا (فَبلغ ذَلِک) یعنی ان کی ناپسندیدگی رسول اکرم ﷺ تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا اس قوم کیا ہو گیا ہے یہ ناپسند کیوں کرتے ہیں یعنی اجتناب کیوں کر رہے ہیں مسلم کی روایت میں ہے کہ جب آپ کو یہ بات پہنچی تو آپ کو غصہ آ گیا اور غصہ کے اثرات چہرے پر ظاہر ہو رہے تھے۔ اس کام کے بارے میں جو آپ ﷺ نے کیا۔ جریر کی روایت میں ہے ان کو بتاؤ میری طرف سے جس کام میں میں نے ان کو رخصت دی اسے انہوں نے ناپسند کیا اور اس سے اجتناب کیا ابو معاویہ کی روایت میں ہے ان کو ترغیب دو جس چیز میں میں نے ان کو رخصت دی ہے۔ آپ ﷺ کا قول (إِنِّی لأعلمهم) میں زیادہ جانتا ہوں یہ قوت علمیہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کا قول (وأشدهم لَهُ خشيَة) میں ان سے زیادہ ڈرنے والا ہوں یہ قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی اقتداء کی طرف ابھارا گیا ہے اور تعمق (مباح امور کا ترک) کی نہی کی گئی ہے اور تنزہ (جائز اشیاء سے اجتناب کرنا) کی مذمت کی گئی ہے۔"

کثرت سوال کی ممانعت میں حکمت:

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہاں تک فرما دیا کہ وہ کوئی ایسا سوال نہ کریں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو تنگی کا سامنا کرنا پڑے اور سوال کی وجہ سے مزید مشکلات میں جکڑے جائیں۔ آپ ﷺ نے ایسے سوالات کو سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، 22/156

⦿ «إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا، مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَحُرِّمَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ»[1]

"مسلمانوں میں سے سب بڑا جرم اس مسلمان کا ہے کہ جس نے کسی چیز کے بارے میں پوچھا (جب کہ وہ حرام) مسلمانوں پر حرام نہیں تھی لیکن ان کے سوال کرنے کی وجہ سے ان پر وہ چیز حرام کر دی گئی۔"

رسول اکرم ﷺ جب کوئی حکم صادر فرماتے تھے تو لوگوں کے احوال، مساکن استطاعت اور قدرت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ اور آپؐ کی یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ اعمال کی بجا آوری میں لوگ مشقت اور تنگی میں نہ پڑیں۔ دوسری طرف صحابہ کرام کو تحصیل علم اور معرفت مسائل کا اس قدر شوق تھا کہ وہ اکثر آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ بعض اوقات دریافت سوال کی وجہ سے مسلمانوں پر کوئی چیز واجب قرار دے دی جاتی۔ پہلے حکم میں آسانی، تیسیر اور نرمی ہوتی لیکن دریافت شدہ مسئلہ میں سوالات کی گہرائی اس میں مشقت، سختی، تنگی اور حرج کا باعث بن جاتی اس لیے آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو کثرت سوالات سے ممانعت فرمادی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

⦿ «دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلاَفِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»[2]

"تم مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی بغیر ضرورت کے مجھ سے سوال نہ کرو) تم سے پہلے کی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئیں جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو اور تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اس کو کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے۔"

شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین لکھتے ہیں:

"لأن بعض الصحابة من حرصهم على العلم ومعرفة السنة، كانوا يسألون النبی ﷺ عن أشياء قد لا تكون حراماً فتحرم من أجل مسألتهم، أو قد لا تكون واجبة، فتجب من أجل مسألتهم، فلهذا أمرهم النبی ﷺ أن يدعوه، أن يتركوا ما تركه ما دام لم يأمرهم ولم ينههم، فليحمدوا الله على العافية.ثم علل ذلك بقوله: (فإنما أهلك من كان قبلكم كثرة سؤالهم، واختلافهم على أنبيائهم) يعنی أن الذين من قبلنا أكثروا المسائل على الأنبياء،فشدد عليهم كما شددوا على أنفسهم، ثم اختلفوا على أنبيائهم أيضاً، فليتهم

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، بَابُ تَوْقِيرِهِ ﷺ، وَتَرْكِ إِكْثَارِ سُؤَالِهِ عَمَّا لَا ضَرُورَةَ إِلَيْهِ، أَوْ لَا يَتَعَلَّقُ ...، رقم الحدیث: 2358

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام والسنة، بَابُ الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: 7288

لما سألوا فأجيبوا قاموا بما يلزمهم، ولكنهم اختلفوا على الأنبياء ." [1]

"بعض اصحابؓ حصول علم اور معرفت سنت کا انتہائی شوق رکھتے تھے کبھی ایسا ہوتا کہ ایک چیز حرام نہ ہوتی تھی لیکن ان کے سوال کی وجہ سے حرام ہو جاتی تھی۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ ایک چیز واجب نہ تھی لیکن ان کے سوال کی وجہ سے واجب ٹھہرتی۔ پس اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو چھوڑ دیں یا اس کو ترک کر دیں جس کو آپؐ نے چھوڑ دیا نہ اس کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا پس تم اس در گزر پر اللہ کی تحمید کرو۔ پھر اس کی علت بیان کی (پس بے شک تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ انبیاء کرام سے ان کے کثرت سوال اور ان کے اختلاف تھے) یعنی تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء سے بہت زیادہ سوالات کرتے تھے پس ان پر اسی طرح سختی کی گئی جیسے انہوں نے اپنے اوپر سختی کی پھر انہوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا جو انہوں نے سوال کیا اس کا جواب دیا گیا۔ اس کے بعد ان پر ضروری تھا کہ جو ان پر لازم کیا گیا تھا اس کو پورا کرتے لیکن انہوں نے اپنے ابنیاء سے اختلاف کیا۔"

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کی جو تعلیم وتربیت فرمائی تھی ان کی شخصیت پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اصحابؓ سوالات کی بجائے رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور اطاعت واتباع کو ہی اپنے لیے فلاح وکامیابی تصور کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس اصحابؓ کے کثرت سوالات سے اجتناب کے بارے میں فرماتے ہیں :

" مَا رَأَيْتُ قَوْمًا كَانُوا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَأَلُوهُ إِلَّا عَنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً حَتَّى قُبِضَ، كُلُّهُنَّ، فِي الْقُرْآنِ، مِنْهُنَّ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ} [البقرة: 217] وَ {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ} [البقرة: 222] قَالَ: مَا كَانُوا يَسْأَلُونَ إِلَّا عَمَّا يَنْفَعُهُمْ "[2]

"میں نے صحابہ کرام سے بہتر قوم نہیں دیکھی انہوں آپ کی زندگی میں صرف تیرہ مسائل کے بارے میں دریافت کیا اور وہ سارے مسائل قرآن میں موجود ہیں ان میں سے ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ﴾(البقرہ 2:217) اور ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ﴾(البقرہ 2: 222) حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا: صحابہ کرام نے وہی سوالات کیے جو ان کے لیے فائدہ مند ہوئے۔"

نرم خو کے لیے خوشخبری:

رسول اکرم ﷺ کو نرمی، آسانی، تیسیر اور سہولت لوگوں کے لیے پیدا کرنا اس قدر پسند تھا کہ آپؐ نے ایسے آدمی کے

---

(1) العثیمین ، محمد بن صالح بن محمد، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن للنشر، الریاض، 1426ھ، 269/2

(2) السمرقندی، عبداللہ بن عبدالرحمن، ابو محمد، سنن دارمی، المقدمہ، باب کراہیۃ الفتیا، رقم الحدیث : 127، دار المغنی للنشر والتوزیع، السعودیہ العربیہ، 1412ھ

لیے جو لوگوں کے لیے نرمی اور تیسیر پیدا کرتا ہے اس کو یہ بشارت سنائی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

◉ « قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ عَلَى كل هين لين قريب سهل »[1]

"کیا تمہیں ایسے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں کہ آگ کو اس پر حرام کر دیا گیا ہے تو صحابہؓ نے کہا کیوں نہیں ہر نرمی کرنے والے، قریب رہنے والے اور آسانی کرنے والے پر۔"

مذکورہ بالا احادیث میں بڑی صراحت کے ساتھ دین میں آسانی، تیسیر اور سہولت کی وضاحت کی گئی ہے ان احادیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ دین اسلام کی یہ خاصیت ہے کہ یہ آسان دین ہے اور اس میں کسی قسم کی تنگی، مشقت، حرج پیدا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

دوسری قسم:

یہاں ان احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس کام سے اجتناب فرماتے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدشہ لاحق ہوتا کہ اس کی وجہ سے میری امّت تنگی، مشقت اور حرج میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

◉ « كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتْرُكُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَفْعَلَهُ خَشْيَةَ أَنْ يُسْتَنَنَ بِهِ، فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ، وَكَانَ يُحِبُّ مَا خَفَّ عَلَى النَّاسِ مِنَ الْفَرَائِضِ »[2]

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عمل ترک کر دیتے تھے حالانکہ آپ اسے کرنا پسند فرماتے تھے آپ اس ڈر سے ترک کر دیتے تھے کہ لوگ اس پر باقاعدگی سے عمل کرنے لگیں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا اور آپؐ کو لوگوں پر خفیف اور آسان فرائض پسندیدہ تھے۔"

استطاعت و قوت کا لحاظ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں انتہائی شفیق اور ان کے معاملات کے بارے میں فکر گیر رہتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کئی پسندیدہ اعمال کو محض اس لیے ترک کر دیتے تھے کہ یہ اعمال امت پر فرض نہ ہو جائیں اور مسلمانوں کے لیے

---

[1] الدارمی، محمد بن حبان، أبو حاتم، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان کتاب البرّ والاحسان، باب حسن الخلق، رقم الحدیث: 470، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1988ء

[2] ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق، صحیح ابن خزیمہ، کِتَابُ الصِّیَامِ، بَابُ ذِكْرِ عِلَّةٍ قَدْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَتْرُکُ لَہَا بَعْضَ أَعْمَالِ التَّطَوُّعِ، وَإِنْ كَانَ يَحُثُّ عَلَيْهَا، وَهِيَ خَشْيَةَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ الْفِعْلُ مَعَ اسْتِحْبَابِهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا خَفَّفَ عَلَى النَّاسِ مِنَ الْفَرَائِضِ، رقم الحدیث: 2104، المکتب الإسلامی۔ بیروت

مشقت کا باعث نہ بنیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

◉ «كَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا أَمَرَهُمْ، أَمَرَهُمْ مِنَ الأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ، قَالُوا: إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللّٰہِ، إِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الغَضَبُ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰہِ أَنَا»[1]

"رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو ایسے اعمال کا حکم دیتے جو وہ (ہمیشہ) کر سکیں (عبادات شاقہ کی ترغیب کبھی ان کو نہ دیتے تھے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کے مثل نہیں ہیں، بے شک اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اس پر آپ ﷺ غضب ناک ہوئے حتی کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے غصہ (کا اثر) ظاہر ہونے لگا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا میں ہوں۔

علامہ ابن رجب فرماتے ہیں:

"كان النبى ﷺ يأمر أصحابه بما يطيقون من الأعمال، وكانوا لشدة حرصهم على الطاعات يريدون الاجتهاد فى العمل، فربما اعتذروا عن أمر النبى ﷺ بالرفق واستعماله له فى نفسه أنه غير محتاج إلى العمل بضمان المغفرة له وهم غير مضمون لهم المغفرة، فهم يحتاجون إلى الاجتهاد ما لا يحتاج هو إلى ذلك، فكان ﷺ يغضب من ذلك ويخبرهم أنه أتقاهم وأعلمهم به "[2]

"نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو ان اعمال کا حکم دیتے تھے جو ان کی طاقت میں ہوتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے میں سختی سے کام لیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اعمال کو سرانجام دینے میں مشقت سے کام لیا جائے۔ پس نبی کریم ﷺ جب کسی حکم میں نرمی کرتے یا کسی کام میں نرمی سے کام لیتے تو آپ کے اصحاب کبھی اس سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کا موقف یہ ہوتا کہ آپ کو بخشش کے لیے اعمال کی ضرورت نہیں ہے جبکہ ان کو مغفرت کے لیے اعمال کی ضرورت ہے۔ پس ان کو اعمال میں سختی اور مشقت کی جس طرح ضرورت ہے آپ ﷺ کو اس طرح ضرورت نہیں ہے۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو بتایا کہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔"

علامہ بدرالدین العینی فرماتے ہیں:

"فِيهِ دَلِيل على رفق النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، بأمته، وَأَن الدّين يسر، وَأَن الشَّرِيعَة حنيفية سَمْحَة" [3]

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الایمان، بابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ. وَأَنَّ المَعْرِفَةَ فِعْلُ القَلْبِ، رقم الحدیث: 20

(2) الحنبلی، عبد الرحمن بن احمد بن رجب، زین الدین، فتح الباری شرح صحیح البخاری، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ۔ المدینۃ النبویۃ، 1996ء، 1/89

(3) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، 1/166۔167

"اس میں نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت پر نرمی کرنے ، دین کے آسان ہونے اور شریعت کے خفیف اور سہل ہونے کی دلیل ہے۔"

شیخ شمس الدین محمد بن عمر الشافعی فرماتے ہیں:

" إنما كان – صلى الله عليه وسلم – يأمر الناس من الأعمال بما يطيقون الدوام عليه، شفقة عليهم ورفقاً بهم ورحمة لهم، لئلا يتجاوز طاقتهم فيعجزوا، وخير العمل مادام وإن قل، وإذا حملوا ما لا يطيقونه تركوه أو بعضه بعد ذلك، فصاروا في صورة ناقضي العهد والراجعين عن عادة جميلة، واللائق بطالب الآخرة الترقي وإلا فالبقاء على حاله، ولأن الإنسان إذا اعتاد من الطاعة ما يمكنه الدوام عليه دخل فيها بانشراح واستلذذ، ونشاط لا يلحق ملل، وقد ذم الله من اعتاد عبادة ثم فرط بقوله: ?وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلاَّ ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ [الحديد: 27] وإنما قالوا: «لسنا كهيئتك» أي: كمثلك يا رسول الله ليأذن لهم رسول الله – صلى الله عليه وسلم – في الزيادة من الأعمال رغبة في الخير، فإنهم كانوا يشاهدونه – صلى الله عليه وسلم – يدأب في العبادة ويجتهد فيها مع أن الله غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، فكأنهم يقولون: أنت مغفور لك ما تحتاج إلى عمل، ومع ذلك مواظب على الأعمال فكيف بنا وذنوبنا كثيرة، فأمرنا بالزيادة من العمل عليك يا رسول الله، فكان إذا قالوا له هذا القول يغضب من قولهم حتى يعرفوا الغضب في وجهه، ويرد عليهم ويقول لهم: أنا أولى بالعمل لأني أعلمكم وأتقاكم وأخشاكم لله."[1]

"نبی کریم ﷺ ان کو ایسے اعمال کا حکم دیتے تھے جو ان کی طاقت میں ہوں اور ان کو ہمیشہ کر سکیں یہ آپ ﷺ کی ان پر شفقت نرمی، رحمت تھی کہ ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے وہ عاجز آ جائیں۔ بہترین اعمال وہ جن میں دوام ہو، چاہے وہ تھوڑے ہی ہوں جب لوگوں کو ایسے اعمال کی طرف ابھارا جاتا ہے جو ان کی استطاعت میں نہیں ہوتے تو وہ ان کو ترک کر دیتے ہیں یا ان کا بعض حصہ چھوڑ دیتے ہیں اس صورت میں وہ عہد توڑنے والے بن جاتے ہیں۔ اور اس خوبصورت عادت سے لوٹنے والے بن جاتے ہیں آخرت میں درجات کی بلندی کی طلب اچھی بات ہے مگر دنیا میں بھی زندہ رہ سکیں۔ کیونکہ جب انسان اطاعت اور اتباع میں بہت زیادہ سختی سے کام لے تو وہ اس میں دوام بر قرار نہیں رکھ سکے گا..... اللہ تعالیٰ نے عبادت میں سختی سے کام لینے کی مذمت کی ہے اور اس کی وضاحت اپنے فرمان میں یوں کی ہے: اور ان کا یہ قول (لسنا كهيئتك) اس سے مراد

---

(1) الشافعی، شمس الدین محمد بن عمر، المجالس الوعظیۃ فی شرح احادیث خیر البریۃ ﷺ من صحیح الإمام البخاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ لبنان، 2004ء، 1/451

ہے آپ کی مثل نہیں ہیں یعنی اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مثل نہیں ہیں تاکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو خیر کے حصول کے لیے زیادہ اعمال کرنے کی اجازت دیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باوجود اس کے کہ ان کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف ہیں وہ عبادت کی پابندی کرتے اور اس میں سختی کرتے ہیں پس بے شک وہ کہتے کہ آپ تو بخشے ہوئے ہیں اور آپ کو تو اعمال کی ضرورت نہیں ہے اس کے باوجود آپ عبادات میں سختی سے پابندی کرتے ہیں پس اس طرح تو اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہمارے گناہ تو بہت زیادہ ہیں ہمیں عبادت بھی زیادہ کرنے کا حکم دیں۔ جب صحابہ کرام نے یہ بات کہی تو آپ نے ان کی بات پر ناراضگی کا اظہار کیا یہاں تک کہ آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے۔ جو وہ کہہ رہے تھے آپ نے ان کی بات کو رد کر دیا اور ان کو فرمایا میں زیادہ عبادت کرنے والا ہوں کیونکہ میں تمہاری نسبت زیادہ علم، تقویٰ اور خشیت الٰہی رکھتا ہوں۔"

شیخ حمزۃ محمد قاسم لکھتے ہیں:

"أي أنه ﷺ كان رؤوفاً بأمته، ميسِّرا عليها، لا يكلف المسلمين إلاّ بما يستطيعون المداومة عليه، لأنه ﷺ كان حريصاً على المداومة على الأعمال لا على الإكثار منها، لما تؤدي إليه المداومة على العمل من التفاعل به نفسياً، والتأثر به أخلاقياً، وذلك مقصدٌ أسمى من مقاصد الإسلام. " قالوا: يا رسول الله، إنا لسنا كهيئتك، إنّ الله قد غفر لك " أي أنه ينبغي لنا أن نكثر من العبادات أكثر منك، لتكون سبباً لمغفرة ذنوبنا، أما أنت فقد غُفر لك " فغضب ﷺ حتى يعرف الغضب في وجهه، ثم يقول: إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا " أي ليس الأمر كما تظنون، فلو كان في الاسراف في العبادة وتكليف النفس ما لا يطاق منها طاعة لله لسبقتكم إلى ذلك، لأنني أكثركم علماً بما يرضي الله "[1]

"یعنی آپ اپنی امت پر بڑے مہربان اور آسانی کرنے والے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسلمانوں کو اسی چیز کی پابندی کرنے کا حکم دیتے تھے جس کی وہ ہمیشہ پابندی کرنے کی استطاعت رکھتے تھے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عبادت میں کثرت کی بجائے ہمیشگی کو پسند فرماتے تھے۔ کیونکہ عبادت میں دوام اختیار کرنے سے نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کے اثرات اخلاق پر بھی ہوتے ہیں یہی مقصد ہے جو مقاصد اسلام کہلاتا ہے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بے شک ہم آپ کی طرح نہیں ہیں بے شک اللہ نے آپ کو بخش دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم آپ سے زیادہ عبادت کریں تاکہ اس سے ہمارے گناہ معاف کر دیئے جائیں جیسے آپ کو بخش دیا گیا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان پر ناراض ہوئے یہاں تک کہ ناراضگی کے آثار آپ کے چہرہ پر نمودار ہوئے پھر آپ نے فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ سے تم سے زیادہ ڈرنے والا اور تم سے زیادہ جاننے والا ہوں" اس سے مراد یہ ہے کہ

---

(1) حمزۃ محمد قاسم، منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، مکتبۃ دار البیان، دمشق۔ الجمهوریۃ العربیۃ السوریۃ، مکتبۃ المؤید، الطائف – المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1990ء، 1/101

معاملہ ایسے نہیں جیسے تم سمجھے ہو اگر عبادت میں زیادتی اور جان کو اس چیز کی تکلیف دینا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حصول ہوتا تو میں یہ کام تم سے زیادہ کرتا میں تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔"

تنگی کا باعث بننے والے اعمال سے پرہیز:

نبی اکرم ﷺ ایسے تمام اعمال سے پرہیز کرتے تھے جن سے آپؐ کو یہ خدشہ لاحق ہوتا کہ میری امت اس کام کی وجہ سے تنگی اور دشواری کا سامنا کرے گی۔ نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ نرمی، تیسیر اور آسانی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، ایک مرتبہ آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو بعد میں آپ کو یہ خیال آیا کہ میرے داخل ہونے کی وجہ سے میری امت کے افراد میری اتباع اور پیروی کرتے ہوئے کعبہ میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے۔ اگر وہ داخل نہ ہو سکے تو وہ پریشان ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاش میں کعبہ میں داخل نہ ہوتا اور میں اپنی امت کے لیے مشقت اور تنگی کا باعث نہ بنتا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

◉ «خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِي وَهُوَ قَرِيرُ العَيْنِ، طَيِّبُ النَّفْسِ، فَرَجَعَ إِلَيَّ وَهُوَ حَزِينٌ، فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: إِنِّي دَخَلْتُ الكَعْبَةَ، وَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُونَ أَتْعَبْتُ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي»[1]

"نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے نکلے تو آنکھیں ٹھنڈی اور مزاج خوش تھا لیکن جب واپس تشریف لائے تو غمگین تھے میں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں کعبہ میں داخل ہوا کاش کہ میں کعبہ میں داخل نہ ہوا ہوتا مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنے بعد اپنی امت کو تکلیف میں ڈال دیا۔"

شیخ محمد بن عبد الہادی التتوی لکھتے ہیں:

"قَوْلُهُ: (أَتْعَبْتُ أُمَّتِي) أَيْ: فَعَلَ مَا صَارَ سَبَبًا لِوُقُوعِهِمْ فِي الْمَشَقَّةِ وَالتَّعَبِ لِقَصْدِهِمُ الِاتِّبَاعَ لِي فِي دُخُولِهِمُ الْكَعْبَةَ وَذَاكَ لَا يَتَيَسَّرُ لِغَالِبِهِمْ إِلَّا بِتَعَبٍ"[2]

"آپ ﷺ کا یہ قول (أَتْعَبْتُ أُمَّتِي) اس سے مراد یہ ہے کہ اس فعل کے واقع ہونے کی وجہ سے وہ تنگی میں پڑ جائیں گے اور ان کے لیے تنگی یہ ہو گی کہ وہ میری اتباع کرتے ہوئے کعبہ میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے مگر یہ اکثریت کے لیے مشقت کے ساتھ ہی آسان ہو گا۔"

نبی اکرم ﷺ کی صفت تیسیر کی ایک اور اہم مثال حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان المبارک کی

---

(1) الترمذی، محمد بن عیسی، أبو عیسی، سنن الترمذی، ابواب الحج، بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الكَعْبَةِ، رقم الحدیث: 873، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی – مصر، 1975ء

(2) محمد بن عبد الہادی التتوی، حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، دار الجیل۔ بیروت، 2/250

رات کو تین رات قیام فرمایا اور چوتھی رات اپنے اصحابؓ کے انتظار فرمانے کے باوجود آپ قیام رمضان کے لیے تشریف نہ لائے اور فرمایا کہ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ یہ عبادت میری امت پر فرض نہ کر دی جائے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

◉ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي المَسْجِدِ، فَصَلَّى بِصَلاَتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ القَابِلَةِ، فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، آپ ﷺ کے ساتھ کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ نے اگلی رات نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے پھر لوگ تیسری یا چوتھی رات بھی مسجد میں جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف نہ لائے پھر جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں دیکھا تھا تو مجھے تمہاری طرف نکلنے کے لئے کسی نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ رمضان المبارک ہی کے بارے میں تھا۔“

رسول اکرم ﷺ ایسے تمام امور سے پرہیز کرتے تھے جن سے آپ کو یہ خدشہ لاحق ہوتا تھا کہ اس پر عمل کرنا میری امت کے لیے آسان نہ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

◉ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ»[2]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کیلئے شاق نہ جانتا، تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔“

شیخ ابن بطال نے اس حدیث کی تشریح میں یہ قول نقل کیا ہے:

"وقال المهلب: قوله: (لو لا أن أشق على أمتى) ، يدل أن السنن والفضائل ترتفع عن الناس إذا خشى منها الحرج عليهم، وإنما أكد فى السواك لمناجاة الله ولتلقى الملائكة لتلك المناجاة فلزم تطهير النكهة، وتطييب الفم"[3]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب التہجد، بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَلاَةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ، رقم الحدیث:١١٢٩

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجمعۃ، بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الجُمُعَةِ، رقم الحدیث:887

(3) شرح صحیح البخاری لابن بطال، 2/486

"آپ ﷺ کے قول(لو لا أن أشق علی أمتی) یہ دلالت کرتا ہے کہ سنن اور نفل کو ترک کر دیا جائے گا جب یہ خوف ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ مشقت میں پڑ جائیں گے۔ بے شک اللہ کی عبادت کرنے کے لیے مسواک کی تاکید ہے کیونکہ عبادت کے ذریعے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ مسوڑھوں اور منہ کی صفائی ہو۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"معناه لولاخوف الحرج لجعلت السواک شرطا للصلوٰۃکا لوضوء وقد ورد بهٰذا الاسلوب أحادیث کثیرا جدّاًوهی دلائل واضحة علیٰ ان الاجتهاد النبی صلی الله علیه وسلّم مدخلاً فی الحدود الشرعیة،وانها منوطةبالمقاصد،وان رفع الحرج من الاصول بنیت علیها الشرائع "[1]

"اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تنگی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں مسواک کو وضو کی طرح شرط ٹھہرا دیتا۔ اس اسلوب کی بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ حدود شرعیہ میں رسول اکرم ﷺ کے اجتہاد کو بھی دخل تھا اور یہ کہ یہ احکام مقاصد سے مربوط ہیں۔ مزید بر آں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رفع حرج ان اصولوں میں سے ہے جن پر قوانین کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کے اسوہ سے یہ بات ملتی ہے کہ امام نماز پڑھاتے ہوئے لوگوں کی ضروریات اور ان کے مسائل کا خیال رکھے۔ ان کی مشکلات کو دیکھ کر نماز میں اختصار کر دے تاکہ وہ نماز کی طوالت کی وجہ سے مشقت میں نہ پڑے رہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

◉« إِنِّی لَأَدْخُلُ الصَّلَاةَ أُرِیدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ، فَأُخَفِّفُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ بِهِ»[2]

"میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ اس کی طوالت کا ہوتا ہے لیکن میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں اس کی والدہ کی شدت تکلیف کی وجہ سے تو میں نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔"

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں:

"الْوَجْدُ یُطْلَقُ عَلَى الْحُزْنِ وَعَلَى الْحُبِّ أَیْضًا وَکِلَاهُمَا سَائِغٌ هُنَا وَالْحُزْنُ أَظْهَرُ أَیْ مِنْ حُزْنِهَا وَاشْتِغَالِ قَلْبِهَا بِهِ وَفِیهِ دَلِیلٌ عَلَى الرفق بالمأمومین وسائر الاتباع ومراعاة مصلحتهم وأن لا یَدْخُلَ عَلَیْهِمْ مَا یَشُقُّ عَلَیْهِمْ وَإِنْ کَانَ یَسِیرًا مِنْ غَیْرِ ضَرُورَةٍ "[3]

---

(1) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، دار الجلیل، بیروت، لبنان، 2005ء، 310/1

(2) صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، بَابُ أَمْرِ الْأَئِمَّةِ بِتَخْفِیفِ الصَّلَاةِ فِی تَمَامٍ، رقم الحدیث: 470

(3) النووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا، شرح النووی علی مسلم، کتاب الصلوۃ، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوۃ فی تمام... من غیر ضرورۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1392ھ، 187/4

"وجد کا لفظ حزن پر بولا جاتا ہے اور محبت پر بھی بولا جاتا ہے اور دونوں ہی معنی یہاں پائے جاتے ہیں اور حزن زیادہ ظاہر ہے اپنے غم کی وجہ سے اور اس کے ساتھ دل کے مشغول رہنے کی وجہ سے اور اس حدیث میں تمام مومنوں اور پیروکاروں کے لیے دلیل ہے۔ اور اس میں مصلحت کا لحاظ رکھنا ہے کہ مشقت والے امور ان پر داخل نہ ہوں اگرچہ وہ بغیر کسی ضرورت کے آسان ہوں۔"

تیسری قسم:

تیسری قسم میں ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دین میں سختی کرنے اور مشکلات پیدا کرنے سے منع کیا ہے اور انہیں احکام میں لوگوں کے لئے آسانی، سہولت، نرمی اور تخفیف اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

آسانی اور سہولت کو فروغ دینے کا حکم:

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے آسانی اور نرمی سے کام لیں اور ان تمام اقوال و افعال سے اجتناب کریں جن سے لوگوں کے درمیان نفرت اور تعصب کو فروغ ملے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

◉ «يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا»[1]

" آسانی کرو سختی نہ کرو اور لوگوں کو آرام دو اور نفرت نہ دلاؤ۔"

رسول اکرم ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فریضہ تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں حکم دیا لوگوں کے لیے تنگی اور دشواری نہ پیدا کرنا ان کے لیے آسانی اور سہولت سے کام لینا۔

حضرت ابو سعید بن ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں:

◉ «قَالَ: لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، قَالَ لَهُمَا: يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا»[2]

"جب ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ یمن بھیجنے لگے تو دونوں سے فرمایا کہ آسانی کرنا سختی نہ کرنا اور خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا بلکہ رغبت دلانا۔"

شیخ محی الدین یحییٰ بن شرف النووی فرماتے ہیں:

"حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا إِنَّمَا جَمَعَ فِي هَذِهِ الْأَلْفَاظِ بَيْنَ الشَّيْءِ وَضِدِّهِ لِأَنَّهُ قَدْ يَفْعَلُهُمَا فِي وَقْتَيْنِ فَلَوِ اقْتَصَرَ عَلَى يَسِّرُوا لَصَدَقَ ذَلِكَ على من يسر مرة أومرات

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، رقم الحدیث:6125

(2) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، رقم الحدیث:6124

وَعَسَّرَ فِی مُعْظَمِ الْحَالَاتِ فَإِذَا قَالَ وَلَا تُعَسِّرُوا انْتَفَى التَّعْسِيرُ فِی جَمِيعِ الْأَحْوَالِ مِنْ جَمِيعِ وُجُوهِهِ وَهَذَا هُوَ الْمَطْلُوبُ وَكَذَا يُقَالُ فِی يَسِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا لأنهما قد يتطاوعان فِی وَقْتٍ وَيَخْتَلِفَانِ فِی وَقْتٍ وَقَدْ يَتَطَاوَعَانِ فِی شَیْءٍ وَيَخْتَلِفَانِ فِی شَیْءٍ وَفِی هَذَا الْحَدِيثِ الْأَمْرُ بِالتَّبْشِيرِ بِفَضْلِ اللَّهِ وَعَظِيمِ ثَوَابِهِ وَجَزِيلِ عَطَائِهِ وَسِعَةِ رَحْمَتِهِ وَالنَّهْیُ عَنِ التَّنْفِيرِ بِذِكْرِ التَّخْوِيفِ وَأَنْوَاعِ الْوَعِيدِ مَحْضَةً مِنْ غَيْرِ ضَمِّهَا إِلَى التَّبْشِيرِ وَفِيهِ تَأْلِيفُ مَنْ قَرُبَ إِسْلَامُهُ وَتَرْكُ التَّشْدِيدِ عَلَيْهِمْ وَكَذَلِكَ مَنْ قَارَبَ الْبُلُوغَ مِنَ الصِّبْيَانِ وَمَنْ بَلَغَ وَمَنْ تَابَ مِنَ الْمَعَاصِی كُلُّهُمْ يُتَلَطَّفُ بِهِمْ وَيُدَرَّجُونَ فِی أَنْوَاعِ الطَّاعَةِ قَلِيلًا قَلِيلًا وَقَدْ كَانَتْ أُمُورُ الْإِسْلَامِ فِی التَّكْلِيفِ عَلَى التَّدْرِيجِ فَمَتَى يُسِّرَ عَلَى الدَّاخِلِ فِی الطَّاعَةِ أَوِ الْمُرِيدِ لِلدُّخُولِ فِيهَا سَهُلَتْ عَلَيْهِ"[1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث" يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا "میں کئی چیزوں کو ان کی اضداد کے ساتھ بیان کیا گیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کاموں کو دو اوقات میں کیا کرتے تھے اور اگر یسّروا پر اکتفاء کیا جائے تو یہ بات اس پر صادر آتی ہے جو ایک دفعہ یا کئی دفعہ آسانی کو اختیار کرے اور زیادہ حالات میں تنگی کو اختیار کرے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا تعسروا فرمایا دیا تو تمام اعمال میں تنگی کی نفی ہو گئی اور یہی مطلوب ہے۔ اسی طرح تثنیہ کے صیغہ سے " يَسِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا" بھی کہا گیا ہے کیونکہ کبھی وہ دونوں ایک وقت میں نرمی اختیار کرنے والے ہوتے ہیں دوسرے وقت میں اختلاف کرنے والے ہوتے ہیں، اور کبھی ایک چیز میں نرم برتاؤ کرتے ہیں اور دوسری چیز میں اختلاف کرنے والے ہوتے۔ اس حدیث میں بشارت کا حکم اللہ کا بہت بڑا فضل، عظیم عطاء، بے پناہ عنایت اور اس کی وسعتِ رحمت کا بیان ہے۔ اور تنفیر سے جو ممانعت ہے وعید و تخویف کی انواع سے ہے، خصوصاً اسے تبشیر سے ملائے بغیر۔ اور اس میں اسلام کی قربت اختیار کرنے والے کے لیے مانوسیت ہے۔ اور ان پر سختی کو ترک کر دینا ہے۔ اسی طرح جو بچے قریب البلوغت یا بالغ ہوتے ہیں اور جو معاصی سے توبہ کرنے والے ہوتے ہیں ان سب کے ساتھ یہاں نرمی برتی گئی اور فرمانبرداری میں ان کو ادنیٰ درجہ دیا گیا ہے۔ اسلام کے امور تکلیف تدریج پر ہیں۔ پس فرمانبرداری میں داخل کرنے پر آسانی کی جاتی ہے یا اس میں وہ داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر وہ آسان ہوتی ہے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

" قَالَ الطَّبَرِيُّ الْمُرَادُ بِالْأَمْرِ بِالتَّيْسِيرِ فِيمَا كَانَ مِنَ النَّوَافِلِ مِمَّا كَانَ شَاقًّا لِئَلَّا يُفْضِيَ بِصَاحِبِهِ إِلَى الْمَلَلِ فَيَتْرُكَهُ أَصْلًا أَوْ يُعْجَبُ بِعَمَلِهِ فَيُحْبَطُ فِيمَا رُخِّصَ فِيهِ مِنَ الْفَرَائِضِ كَصَلَاةِ الْفَرْضِ قَاعِدًا لِلْعَاجِزِ وَالْفِطْرِ فِي

---

[1] المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، 12/42

الْفَرْضِ لِمَنْ سَافَرَ فَيَشُقُّ عَلَيْهِ"[1]

" امام طبری لکھتے ہیں حکم تیسیر کا تعلق نفلی اعمال کے ساتھ ہے کہ ان میں اتنی مشقت ہو کہ ان کا عامل اکتاہٹ کا شکار ہو کر ان کو کلیۃً ترک کر دے یا اپنے اس عمل کی وجہ سے فرائض میں دی ہوئی رخصتوں کو لینے سے انکار کر دے جیسے عاجز کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی ترخیص اور مسافر کے لیے فرضی روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔"

محمد علی بن محمد بن علان بن إبراہیم البکری الصدیقی الشافعی لکھتے ہیں:

"اليسر ضد العسر، وذكر في الثانية تأكيداً وإطناباً وإلا فالأمر بالشيء النهي عن ضده أو لأنه لو اقتصر على الأمر بالتيسير لصدق على من أتى به مرة، وبالعسر بعض أوقاته، فلما قال ولا تعسروا انتفى العسر سائر الأوقات وذلك لقوله تعالى: {وما جعل عليكم في الدين من حرج} (الحج: 78"[2]

"یہاں یسر کی ضد عسر ہے اور یہاں سے بطور تاکید اطناب دوبارہ ذکر کیا گیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی ضد سے منع کردہ چیز کا حکم ہوتا یا امر تیسیر کو ہی کافی سمجھ لیا جاتا ایک مرتبہ ہی اس کی بجا آوری کی صداقت پر۔ اور تنگی بھی بعض اوقات میں ہوتی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے ولا تعسروا کہہ دیا تو اس نے تنگی کو تمام اوقات سے ختم کر دیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (کہ اس نے دین میں کوئی تنگی نہیں بنائی)"

شیخ ملّا علی قاری لکھتے ہیں:

"قَالَ الطِّيبِيُّ: الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةُ مُتَعَاضِدَةٌ عَلَى مَعْنَى عَدَمِ الْحَرَجِ وَالتَّضْيِيقِ فِي أُمُورِ الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} [الحج: 78] مَفْعُولٌ أَوَّلٌ، وَ (فِي الدِّينُ) ثَانٍ، وَزِيدَتْ (مِنْ) لِلْاسْتِغْرَاقِ، وَالتَّنْكِيرُ فِي (حَرَجٍ) لِلشُّيُوعِ، وَ (عَلَيْكُمْ) مُتَعَلِّقٌ بِهِ قُدِّمَ لِلْاخْتِصَاصِ، كَأَنَّهُ قِيلَ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ دِينَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ خَاصَّةً، وَرَفَعَ الْحَرَجَ عَنْكُمْ أَيًّا كَانَ » "[3]

"امام قرطبی نے فرمایا ہے: تینوں احادیث (جو باب میں ذکر کی گئی ہیں) یہ اس پر مشتمل ہیں کہ آسان اور سہولت والی ملت میں حرج اور تنگی نہیں ہے۔ جیسا اللہ کا فرمان ہے (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} [الحج: 78]) تمہارے دین میں کوئی حرج نہیں ہے یہ معفول اول ہے وفی الدین مفعول ثانی ہے اور من

---

(1) فتح الباری شرح صحیح البخاری، 10/525

(2) الشافعی، محمد علی بن محمد بن علان بن إبراہیم، دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت - لبنان، 2004ء، 5/92

(3) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 6/2422

استغراق سے اس کو بڑھایا گیا ہے اور حرج میں تنکیر شیوع کے لیے ہے اور (علیکم) جو اختصاص پہلے بیان کیا گیا ہے اس متعلق ہے۔ گویا کہ کہا گیا ہے اے نبی رحمت کی امت محمدیہ خاص کر اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے دین کو وسیع کر دیا ہے اور حرج کو خصوصی طور تم سے ختم کر دیا گیا ہے۔"

محمد عبد العزیز بن علی الشاذلی الخَولی لکھتے ہیں:

"كان من عادة الرسول ﷺ إذا بعث ولاته وعماله إلى الأقطار المختلفة أن يزودهم بالنصائح، حتى يكونوا للناس قدوة حسنة، ويجمعوا قلوبهم على الإسلام، فلما بعث أبا موسى الأشعرى ومعاذ بن جبل إلى اليمن كلا منهما على مخلاف فيها- إقليم-زودهما بهذه النصيحة فأمرهما بثلاثة، ونهاهما عن ثلاثة 1-أمرهما بالتيسير، ونهاهما عن التعسير 2-وأمرهما بالتبشير؛ ونهاهما عن التنفير 3-وأمرهما بالتطاوع، ونهاهما عن التخالف[1]

"رسول اکرم ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب مختلف علاقوں کی طرف والیوں اور گورنروں کو روانہ فرماتے تھے تو ان کو نصیحت فرماتے تھے کہ وہ لوگوں کے لیے بہترین خیر خواہ ثابت ہوں اور ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دیں۔ آپ ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے لیے روانہ فرمایا تو ان کو نصیحتیں فرمائی ان کو تین باتوں کا حکم دیا اور تین باتوں سے منع کیا تھا۔ 1۔ ان کو تیسیر کا حکم دیا اور تعسیر سے منع کیا۔ 2۔ ان کو تبشیر کا حکم دیا اور تنفیر سے منع کیا۔ 3۔ ان کو رغبت دلانے کا حکم دیا اور مخالفت کرنے سے منع کیا۔"

آپ ﷺ نے جو اپنے اصحابؓ کی تربیت فرمائی تھی اس کی ایک مثال امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسانی اور سہولت کو کس قدر پسند فرماتے تھے۔

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں:

" كُنَّا عَلَى شَاطِئِ نَهَرٍ بِالأَهْوَازِ، قَدْ نَضَبَ عَنْهُ المَاءُ، فَجَاءَ أَبُو بَرْزَةَ الأَسْلَمِيُّ عَلَى فَرَسٍ، فَصَلَّى وَخَلَّى فَرَسَهُ، فَانْطَلَقَتِ الفَرَسُ، فَتَرَكَ صَلاَتَهُ وَتَبِعَهَا حَتَّى أَدْرَكَهَا، فَأَخَذَهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَضَى صَلاَتَهُ، وَفِينَا رَجُلٌ لَهُ رَأْيٌ، فَأَقْبَلَ يَقُولُ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ، تَرَكَ صَلاَتَهُ مِنْ أَجْلِ فَرَسٍ، فَأَقْبَلَ فَقَالَ: مَا عَنَّفَنِي أَحَدٌ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ، فَلَوْ صَلَّيْتُ وَتَرَكْتُهُ، لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ، وَذَكَرَ أَنَّهُ «قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى مِنْ تَيْسِيرِهِ"[2]

---

(1) ملخصًا۔ الخولی، محمد عبد العزیزی بن علی، الادب النبوی، دار المعرفۃ۔ بیروت، 1423ھ، 1/105-106

(2) الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، رقم الحدیث: 6127

"ہم اہواز میں نہر کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے جس کا پانی خشک ہو گیا تھا۔ ابو برزہ ایک گھوڑے پر سوار آئے آپ نماز پڑھنے لگے اور گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا۔ وہ گھوڑا چلنے لگا تو نماز چھوڑ کر اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس گھوڑے تک پہنچ کر اس کو پکڑ لیا۔ پھر واپس آئے اور باقی نماز پوری کی اور ہم میں ایک آدمی عقلمند تھا وہ کہنے لگا کہ اس بڈھے کو دیکھو کہ گھوڑے کے لئے نماز چھوڑ دی۔ ابو برزہ کہنے لگے کہ جب سے میں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوا ہوں کسی نے مجھ کو ایسی سخت بات نہیں کہی فرمایا کہ میرا گھر بہت دور ہے اگر میں نماز پڑھتا اور اس گھوڑے کو چھوڑ دیتا تو میں رات تک بھی اپنے گھر والوں میں نہ پہنچ سکتا فرمایا کہ نبی ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں اور آپ ﷺ کو آسانی اختیار کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

شیخ ابن بطال اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

" وأنه رأى من تيسير النبى ماحمله على ذلك، وجماعة الفقهاء يرون أن من كان فى صلاة فانلتت دابته أنه يقطع صلاته ويتبعها؛ لأن الصلاة تدرك إعادتها وميسر دابته قاطع له. وقد تقدم فى الصلاة. قال الطبرى: وفى أمره عليه السلام بالتيسير فى ذلك معان أحدهما: الأمان من الملال. والثانية: الأمان من مخالصة العجب قلب صاحبه حتى يرى كأن له فضلاً على من قصر عن مثل فعله فيهلك، ولهذا قال عليه السلام: (هلك المتنطعون) وبلغ النبى أن قومًا أرادوا أن يختصوا وحرموا الطيبات واللحم على أنفسهم فقام النبى عليه السلام وأوعد في ذلك أشد الوعيد، وقال: (لم أبعث بالرهبانية وإن خير الدين عند الله الحنفية السمحة، وإن أهل الكتاب هلكوا بالتشديد شدوا فشدد عليهم) . وفى هذا من الفقه أن أمور الدنيا نظير ذلك فى أن الغلو وتجاوز القصد فيها مذموم"[1]

"اور ان کی رائے ہے اس پر محمول کردہ اشیاء نبی کریم ﷺ کی تیسیر سے ہی ہیں اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ بے شک وہ شخص جو نماز میں ہو اور اس کی سواری جانے لگے یقیناً وہ اپنی نماز کو چھوڑ دے گا اور سواری کا پیچھا کرے گا۔ کیونکہ نماز کا اعادہ ممکن ہے اور سواری کی سہولت اس سے ختم ہو جانے والی ہے اور یہی بات نماز کے بارے میں گزری ہے۔ امام طبری نے کہا ہے آپ ﷺ جو تیسیر کا حکم دیا ہے اس کے معانی میں سے ایک ملال سے امن ہونا بھی ہے اور دوسرا یہ خود پسندی کے چھٹکارے سے امان و سلامتی کا پانا ہے اپنے دل کے بارے میں، یہاں تک وہ خود کو افضل گمان کرتا ہے ان لوگوں پر جو اس کام سے عاجز ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا "هلك المتنطعون" (تکلف میں پڑنے والے ہلاک ہو گئے) اور جب یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی کہ کچھ لوگوں نے خصّی ہونے کا ارادہ کیا ہے اور انہوں نے پاکیزہ چیزوں کو حرام کر لیا ہے اور گوشت کو بھی اپنے

---

(1) شرح صحیح البخاری لابن بطال، 9/303

نفسوں پر حرام کر لیا ہے تو نبی ﷺ نے ان کو سخت وعید سنائی۔ اور کہا کہ مجھے رہبانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا۔ اور بہترین دین اللہ کے ہاں یکسوئی اور فراخ دلی ہے اور بے شک اہل کتاب نے سختی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا تو اللہ نے ان پر سختی کی اور اسی میں دنیاوی امور کی فقاہت بھی موجود ہے بے شک غلو کرنا اور حد سے بڑھنا یہ مقاصد مذموم ہے۔"

سختی اور حرج کی ممانعت:

نبی اکرم ﷺ کو یہ ناپسند تھا کہ لوگ نفلی عبادات میں خود کو تنگی اور دشواری میں مبتلا کر لیں اور پھر نیکی کرنے کی ہمت، طاقت اور استطاعت نہ رہے۔ حضرت عائشہ نے ایک عورت کا تذکرہ آپ ﷺ کے سامنے فرمایا تو آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ سیدہ عائشہ اپنے اعمال اور عبادات کو نسبتاً اس عورت کے کم خیال کر رہی ہیں تو آپ ﷺ نے ان کو فرمایا دیکھو تم اتنے ہی اعمال کی ذمہ داری اپنے اوپر لو جتنے تم کر سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

⦿ «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ، قَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قَالَتْ: فُلاَنَةُ، تَذْكُرُ مِنْ صَلاَتِهَا، قَالَ: مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ، فَوَاللَّهِ لاَ يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَادَامَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ»[1]

"نبی ﷺ (ایک مرتبہ) ان کے پاس آئے اور ان کے پاس (اس وقت) کوئی عورت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے پوچھا کہ کون ہے؟ عائشہؓ بولیں کہ یہ فلاں عورت ہے (اور) اس کی نماز (کی کثرت) کا حال بیان کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو (دیکھو) تم اتنے اعمال کی ذمہ داری اپنے اوپر لو جن کی (ہمیشہ کرنے کی) تم کو طاقت ہو۔ اس لئے کہ (اللہ ثواب دینے سے) نہیں تھکتا تاوقتیکہ تم عبادت کرنے سے تھک جاؤ اور اللہ کے نزدیک (سب سے) زیادہ محبوب وہ دین (کا کام) ہے جس کو کرنے والا ہمیشہ کر سکے۔"

رسول اکرم ﷺ نے خود کو مشکلات اور سختیوں میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں:

⦿«ان رسو ل اللهﷺ كان يقول:«لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ »[2]

"اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ تمہارے اوپر (اللہ کی طرف سے) سختی کی جائے گی اس لئے کہ ایک قوم نے اپنے نفوس پر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب: أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَدْوَمُهُ، رقم الحدیث: 43

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الحسد، رقم الحدیث: 4904

اس حدیث کی وضاحت حضرت انس کے عمل سے ہوتی ہے جس کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

«أَنَّ سَهْلَ بْنَ أَبِي أُمَامَةَ، حَدَّثَهُ، أَنَّهُ دَخَلَ هُوَ وَأَبُوهُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِالْمَدِينَةِ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، فَإِذَا هُوَ يُصَلِّي صَلَاةً خَفِيفَةً دَقِيقَةً كَأَنَّهَا صَلَاةُ مُسَافِرٍ أَوْ قَرِيبًا مِنْهَا، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَبِي: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، أَرَأَيْتَ هَذِهِ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ أَوْ شَيْءٌ تَنَفَّلْتَهُ، قَالَ: إِنَّهَا [ص:277] الْمَكْتُوبَةُ، وَإِنَّهَا لَصَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْطَأْتُ إِلَّا شَيْئًا سَهَوْتُ عَنْهُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: " لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ {وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ} [الحديد: 27]» [1]

"سہل بن ابو امامہ نے بیان کیا کہ وہ اور ان کا والد مدینہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ یہ سیدنا عمر بن عبد العزیز کے دور کی بات ہے، جبکہ وہ مدینہ کے گورنر تھے۔ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو وہ بڑی ہلکی پھلکی نماز پڑھ رہے تھے، گویا کہ مسافر کی نماز ہو یا اس کے قریب۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو میرے والد نے پوچھا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! یہ بتائیں کہ یہ فرض نماز تھی یا آپ نے کوئی نفل پڑھے ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ فرض نماز تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ایسے ہی ہوتی تھی۔ میں نے اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی سوائے اس کے جو کوئی میں بھول گیا ہوں (تو وہ الگ بات ہے)۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے " اپنی جانوں پر سختی مت کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی۔ بلاشبہ کئی قوموں نے اپنی جانوں پر سختیاں کیں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ جنگلوں میں معبدوں کے اندر اور گرجاگھروں میں انہی لوگوں کے بقایا لوگ ہیں (جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے)۔ ان لوگوں نے رہبانیت اختیار کر لی، انہوں نے یہ بدعت نکالی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔" (الحدید 27)"

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مفتی حسین احمد پالن پوری لکھتے ہیں :

"غرض جب کوئی عمل شروع کیا جائے تو اس کو پابندی سے کرنا چاہئے کبھی کرنا اور کبھی چھوڑ دینا مناسب نہیں اور پابندی تھوڑے اعمال پر ہو سکتی ہے بہت زیادہ اعمال تھوڑے دن تو آدمی کر سکتا ہے پھر تھک کر چھوڑ دیتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا۔ جو شخص شاہی دربار میں روزانہ متعین وقت پر حاضری دیتا ہے اور جو کبھی کبھی آتا ہے بادشاہ اس پر مہربان نہیں ہو سکتا، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی چٹان پر موسلا دھار بارش پڑے تو چٹان پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا لیکن اگر قطرہ قطرہ مسلسل گرتا رہے تو وہ پتھر میں سوراخ کر دے گا اس لیے قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عمل میں مداومت ہو اگرچہ عمل قلیل ہو۔ [2]

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، رقم الحدیث : 4904

(2) پالن پوری، حسین احمد، مفتی، تحفۃ القاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ عزوجل ادومہ، زمزم پبلیشرز، کراچی، 2012ء، 1/ 270

حافظ ابن رجبؒ لکھتے ہیں :

"وقد ورد في رواية أخرى مخرجة في غير هذا الموضع أن هذه المرأة اسمها: الحولاء بنت تويت وأن عائشة قالت عنها: زعموا أنها لا تنام الليل " . وقول النبي ﷺ " مه " زجر لعائشة عن قولها عن هذه المرأة في كثرة صلاتها وأنها لا تنام الليل وأمر لها بالكف عما قالته في حقها؛ فيحتمل أن ذلك كراهية للمدح في وجهها؛ حيث كانت المرأة حاضرة، ويحتمل - وهو الأظهر وعليه يدل سياق الحديث - أن النهي إنما هو لمدحها بعمل ليس بممدوح في الشرع وعلى هذا فكثيرا ما يذكر في مناقب العباد من الاجتهاد المخالفللشرع ينهى عن ذكره على وجه التمدح به والثناء به على فاعله، وقد سبق شرح هذا المعنى في قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الدين يسر "[1]

"اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر یہ بات ذکر کی گئی ہے جس میں عورت کا نام الحولاء بنت تویت ذکر کیا گیا ہے۔ عائشہ نے اس کے بارے میں کہا کہ اس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ یہ رات کو سوتی نہیں ہے ۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان «مه» یہ حضرت عائشہ کے اس قول کی زمرے میں ہے جو انہوں نے اس عورت کی کثرت نماز اور رات کو نہ سونے کے متعلق کہا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو اس عورت کے بارے میں بات کرنے سے منع کر دیا۔ پس یہ احتمال ہے کہ یہ کراہیت اس عورت کے سامنے اس کی تعریف کرنے پر تھی کیونکہ وہ عورت وہاں موجود تھی اور ایک احتمال جو زیادہ واضح ہے اور جس پر حدیث کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ یہ ممانعت اس کی تعریف پر تھی کیونکہ اس کا عمل شریعت کی نظر میں قابل تعریف نہ تھا۔ اور اس پر بہت سارے شرعی دلائل ہیں جو فضیلتِ عبادت میں مشقت کے خلاف ذکر کیے جاتے ہیں وہ منع کرتے ہیں کہ ایسا کرنے والے کے سامنے اس کی مدح اور تعریف کی جائے اور اس معنی ومفہوم میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان پہلے ذکر کیا گیا "الدین یسر "کہ دین آسان ہے۔"

سختی اور غلو پر اظہار ناراضگی:

دین میں سختی کرنے سے نہ صرف دین کی آسانیوں اور سہولتوں سے انسان محروم ہو جاتا ہے بلکہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے نقصان کی طرف چل نکلتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُونَ قَالَهَا ثَلَاثًا »[2]

---

(1) فتح الباری لابن رجب، 1/ 164۔165

(2) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ہَلَکَ الْمُتَنَطِّعُونَ، رقم الحدیث:2670

"رسول اللہ ﷺ نے تین بار یہ فرمایا کہ تکلف میں پڑنے والے ہلاک ہو گئے۔"

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"(هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ) أَيِ الْمُتَعَمِّقُونَ الْغَالُونَ الْمُجَاوِزُونَ الْحُدُودَ فِي أَقْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ"[1]

"اس سے مراد ہے بہت زیادہ سختی کرنے والے اور غلو کرنے والے یعنی حدود اللہ میں اپنے اقوال وافعال سے تجاوز کرنے والے۔"

شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"عن عبد الله بن مسعود ـ رضي الله عنه ـ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (هلك المتنطعون. هلك المتنطعون. هلك المتنطعون) الهلاك: ضد البقاء، يعني أنهم تلفوا وخسروا،والمتنطعون: هم المتشددون في أمورهم الدينية والدنيوية، ولهذا جاء في الحديث: (لا تشددوا فيشدد الله عليكم. (وانظر إلى قصة بني إسرائيل حين قتلوا قتيلاً فادرؤوا فيه وتنازعوا حتى كادت الفتنة أن تثور بينهم، فقال لهم موسى عليه الصلاة والسلام: (إِنَّ اللهَّ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً) (البقرة: 67) ، يعني وتأخذوا جزءاً منها فتضربوا به القتيل، فيخبركم من الذي قتله، فقالوا له (قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً) يعني: تقول لنا اذبحوا بقرة واضربوا ببعضها القتيل ثم يخبركم عن قتله؟ ولو أنهم استسلموا وسلموا لأمر الله وذبحوا أي بقرة كانت لحصل مقصودهم، لكنهم تعنتوا فهلكوا، قالوا: ادع لنا ربك يبين لنا ما هي؟ ثم قالوا: ادع لنا ربك يبين لنا ما لونها؟ ثم قالوا:ادع لنا ربك يبين لنا ما هي وما عملها؟ وبعد أن شدد عليهم ذبحوها وما كادوا يفعلون"[2]

"وہ حدیث جو عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کی گئی کہ نبی ﷺ نے فرمایا (هلك المتنطعون هلك المتنطعون هلك المتنطعون) ہلاکت باقی رہنے کی ضد ہے یعنی وہ نقصان اور ہلاکت میں ہیں۔المتنطعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی اور دنیوی امور میں بہت زیادہ سخت ہیں اور اسی طرح حدیث میں آیا ہے (لاتشددوا فيشددالله عليكم) تم سختی نہ کرو ورنہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تم پر سختی کرے گا۔ بنی اسرائیل کے قصہ کی طرف غور کریں جب انہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کے بارے میں جھگڑنے لگے اور اس کی ہلاکت کا تنازع ان کے لیے آزمائش کا سبب بن گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو فرمایا:﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾(البقرہ2: 67)"یعنی اس کا ایک ٹکڑا لو اور اس مقتول کو مارو پھر یہ بتادے گا کہ اس کا قاتل کو

---

(1) شرح النووی علی مسلم،16/220

(2) العثیمین ،محمد بن صالح بن محمد، شرح رياض الصالحين،کتاب آداب ،باب الاقتصاد فی الطاعات ، دار الوطن للنشر ،الرياض ، 1426ھ،2/218-219

ن ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے ﴿قَالُوٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ یعنی تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ ہم گائے ذبح کریں اور پھر اس کا کوئی گوشت کا ٹکڑا اس مقتول کو ماریں تو یہ اپنے قاتل کے بارے میں بتا دے گا۔ اور اگر وہ اس کو مان لیتے اور اللہ کے حکم کے مطابق وہ ذبح کرتے یعنی گائے کے ذبح کرنے سے ان کا مقصد حل ہو جاتا لیکن وہ اس میں سختی کرنے لگے اور ہلاک ہو گئے انہوں نے کہا ﴿ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ﴾ پھر کہنے لگے ﴿ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوۡنُهَا﴾ پھر کہنے لگے ﴿ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ﴾ یعنی وہ کیا کرتی ہو اس کے بعد ان پر سختی ہوئی انہوں نے ذبح کیا مگر وہ کرنا نہیں چاہتے۔"

اور اسی طرح عبادات میں سختی ہے اگر انسان نماز یا روزے یا ان کے علاوہ امور میں جو اللہ تعالیٰ نے اس پر آسان کیے ہیں اپنے اوپر سختی کرے۔ جب انسان اپنے نفس پر ان معاملات میں سختی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آسان کیے ہیں تو اس صورت میں وہ ہلاک ہونے والا بن جاتا ہے اور اسی طرح بعض بیمار جن کے لیے رمضان کے روزے ضروری نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑنے کی اجازت بھی دی اور وہ اس میں سختی سے کام لیتے ہیں جبکہ وہ مریض ہوں اور کھانے پینے کی ان کو حاجت بھی ہو لیکن وہ اپنی جان پر سختی کرتے ہوئے روزے رکھیں۔ پس اس صورت میں اس حدیث کا اسی طرح ان پر انطباق ہو گا (هلك المتنطعون) کہ غلو اور سختی سے کام لینے والے ہلاک ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسانی اور سہولت کو پسند کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ترتیب بھی اسی نہج پر فرمائی کہ صحابہ کرام بھی صفت تیسیر کے حامل نظر آتے، وہ بھی لوگوں کو مسائل اور امور دین کے بارے میں رہنمائی کرتے ہوئے لوگوں کی استطاعت، قدرت اور احوال و مساکن کا خیال رکھا کرتے تھے۔

عمیر بن اسحاق فرماتے ہیں:

«أَدْرَكْتُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِمَّنْ سَبَقَنِي مِنْهُمْ، فَمَا رَأَيْتُ قَوْمًا أَيْسَرَ سِيرَةً، وَلَا أَقَلَّ تَشْدِيدًا مِنْهُم»[1]

"اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکثر جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو دیکھا ہے میں نے کسی جماعت کو ان سے زیادہ نرمی میں نرم نہیں پایا اور سختی میں صحابہ سے زیادہ سخت نہیں پایا۔"

اسلام کی تعلیمات نہایت آسان ہیں جہاں کہی احکام دین میں سختی نظر آتی ہے ان میں بھی بعض اوقات تیسیر اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے تاکہ امور دین کی پابندی کرنے والے کے لیے اعمال دین ناقابل تحمل اور باعث مشقت نہ ٹھہریں۔ دین اسلام کی یہ خاصیت ہے کہ جب اس کے احکام کی بجا آوری کرنے والے کی استطاعت اور قدرت میں کمزوری یا مجبوری واقع ہو جاتی

---

(1) السمرقندی، عبداللہ بن عبدالرحمن، سنن الدارمی، المقدمہ، باب کراہیۃ الفتیا، رقم الحدیث: 128، دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیہ السعودیہ، 1412ھ

ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی تو ایسے احوال میں اس کی تعلیمات میں مزید آسانی اور گنجائش پیدا ہو جاتی ہے تا کہ حرج، تنگی اور دشواری کا خاتمہ ہو سکے۔

نبی اکرم ﷺ کی چونکہ صفت "معلم یسیر" ہے آپ بطور خاص اپنی امت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے انسان ہونے کے ناطے آپ دیگر انسانوں کی مجبوریوں اور دشواریوں سے خوب واقف تھے۔ اس لیے آپؐ لوگوں کی عادات، ثقافت، احوال، مساکن، استطاعت، قدرت اور انسانی فطرت کو دیکھ کر احکام صادر فرماتے تھے۔

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری لکھتے ہیں:

ان احادیث کو دیکھئے جن میں عبادات سے لے کر معاملات تک ہر جگہ توسّع و تیسیر کو رکھا گیا ہے اس کے لیے چند ایک طریقے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً

(الف) جہاں راہبانہ تعبد، جو گیانہ تقشف یا کڑی جفاکشانہ ریاضت کا اندازہ دیکھا وہاں فوراً نوٹس لیا اور اس میں نرمی، آسانی اور اعتدال پیدا کرنے کا حکم دیا۔

(ب) جہاں تنگ دیکھی وہاں توسّع پیدا کر دیا اور سخت گیر انداز کو نرمی سے بدل دیا۔

(ج) جہاں انفرادی مجبوریاں دیکھیں وہاں اجتماعی قانون کا احترام کرتے ہوئے ہر ممکن انفرادی رعایت دے دی۔[1]

---

[1] پھلواری، محمد جعفر شاہ، مولانا، اسلام۔ دین آسان، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1983ء، ص:289

ماحاصل

تیسیر سے مراد یہ ہے کہ دین اسلام کے احکام میں امت مسلمہ کے لیے آسانی، سہولت اور گنجائش پائی جاتی ہے، انسانوں کی استطاعت و طاقت کے مد نظر رکھتے ہوئے ہی اللہ تعالیٰ نے ان سے افعال کا مطالبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے کوئی ایسی چیز لازم نہیں کی جو مسلمانوں کی استطاعت وبساط میں نہ ہو۔ جہاں بھی کوئی عمل بندوں کی قوت اور طاقت سے باہر ہو جاتا ہے وہاں ان کو مکلف نہیں ٹھہرایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کا عمومی تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد اتنا مکلف ہے جس قدر اس میں ہمت اور قوت پائی جائے۔

اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

فصل اول میں تیسیر کا معنی و مفہوم اوراس کے مترادفات کی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسرار و حکم کے معنی و مفہوم کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

دوسری فصل میں اسلام کی صفت تیسیر کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن مجید سے کئی ایک دلائل ذکر کئے گئے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ آسانی، تیسیر، سہولت اور وسعت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ہر جگہ پر ایسی رعائتیں اور گنجائشیں رکھی ہیں کہ اس کے بندے تکلف میں نہ پڑیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کئی ایک جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دشواریوں اور مشکلات کی بنا پر اپنے حکم میں آسانی، تخفیف اور نرمی فرمادی ہے۔

تیسیر کے دلائل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوامر و نواہی میں مکلف کی حاجت و قدرت اور استطاعت کو ملحوظ رکھا ہے۔

تیسری فصل میں ان احادیث کا ذکر کیا گیا ہے جو تیسیر کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں ۔ ان احادیث میں رسول اکرم ﷺ نے بہت واضح الفاظ میں اس عام خیال کی نفی کر دی جس میں تھا کہ بندہ جتنی مشقت اور تکلیف اٹھاتا ہے اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے اور عبادت بڑی شمار ہوتی ہے۔ آپؐ نے ان تمام بے جا پابندیوں کا خاتمہ کر دیا ہے جن کے ذریعے لوگ اپنے آپ کو خود ساختہ تکلیف اور مشقت میں ڈال لیتے ہیں۔ تیسیر کے متعلق احادیث کو سمجھنے کے لیے تین اقسام کی گئی ہیں۔

<u>پہلی قسم</u>: رسول اکرم ﷺ نے سب سے اہم کام یہ کیا کہ تیسیر اور آسانی کی اہمیت کو اپنے فرامین میں اجاگر کیا کہ سہولت، تخفیف اور آسانی کو اختیار کرنا معیوب نہیں ہے بلکہ یہ پسندیدہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی رخصتوں، آسانیوں، سہولتوں اور تخفیفات کو قبول کیا جائے۔

<u>دوسری قسم</u>: احادیث اس سے متعلق ہیں کہ آپؐ ہر اس کام اور عمل سے اجتناب کرتے تھے جس کے بارے میں آپؐ کو اندیشہ ہوتا کہ یہ میری امت پر مشقت کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی طرح آپؐ جب کسی کو دیکھتے کہ اس نے تیسیر کی بجائے مشقت

کو ترجیح دی ہے اور عبادات و معاملات میں خود کو مشقت اور تکلیف میں ڈالا ہوا ہے تو آپؐ اس کی فوراً اصلاح فرما دیتے تھے کہ ان امور کے ساتھ دیگر معاملات کا بھی خیال رکھا جائے اور خود کو بے جا تنگیوں میں مبتلا نہ کیا جائے۔

تیسری قسم: اس میں وہ احادیث شامل ہیں جن میں آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی تربیت و اصلاح کرتے ہوئے ان کو فرمایا کہ لوگوں کے لیے تنگی، حرج اور مشکل پیدا نہ کرو بلکہ ان کے لیے ایسے فیصلے کرو کہ وہ احکام دین پر عمل پیرا بھی ہو جائیں اور ان کو تنگی اور تکلیف کا بھی کم سے کم سامنا کرنا پڑے۔ آپ ﷺ جب اپنے اصحابؓ میں سے کسی کو تبلیغ کے لیے روانہ کرتے تو آپؐ ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ لوگوں کے لیے مشکلات کی بجائے آسانیوں کا انتخاب کرنا، ایسے فیصلے کرنا جن میں لوگوں کے لیے سہولت اور آسانی برقرار رہے۔ کیونکہ تم لوگوں کے لیے آسانی پر مبنی فیصلے کرو گے تو ان کے دل میں نفرت پیدا نہیں ہو گی، ان کے جسم اکتاہٹ محسوس نہیں کریں گے اور آپ ﷺ یہ بھی فرماتے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی اور حرج پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

تیسیر کے اسباب اور اسالیب کے بارے میں بحث دوسرے باب میں آئے گی۔

②

بابِ دوم

تیسیر کے اسباب و اسالیب اور تیسیر نبویؐ کا بائبل سے موازنہ
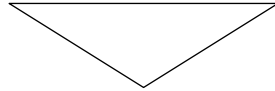
فصل اول: اسبابِ تیسیر

فصل دوم: اسالیبِ تیسیر

فصل سوم: تیسیر نبوی ﷺ کا احکام بائبل سے موازنہ

1

فصلِ اول

اسبابِ تیسیر

تیسیر کے اسباب و وجوہات

عزائم بندوں پر اللہ کا حق ہے اور تیسر، آسانی اور سہولت اللہ کے بندوں کی مرغوبات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مہربانی اور رحمت سے عطا ہوئیں ہیں۔

تیسیر میں ہر وہ چیز شامل ہے جس میں مکلف کے لیے تخفیف، رخصت، آسانی، سہولت اور وسعت موجود ہو۔ تیسیر کے اسباب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانوں کے فائدے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے امور دین میں کس قدر گنجائش اور نرمی رکھی ہے۔ بنیادی طور پر تیسیر میں لوگوں کے لیے کشادگی کا حصول اور تنگی کا خاتمہ مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے لوگوں کی خواہش، احوال، استطاعت، قدرت اور آسودگی میں اتنی کشادگی رکھی ہے کہ یہ کشادگی ان کو نہ تو کسی فساد کی طرف لے جائے اور نہ ہی ان کو تنگی اور مشقت میں داخل کردے۔

تیسیر اور سہولت سے شارع کا مقصود یہ ہے کہ اعمال کی بجا آوری میں مشقت اور بوجھ کی بجائے آسانی اور سہولت ہو۔ وہ سہولت، آسانی جس کی شارع نے اجازت دی ہے اس کو قبول کرنے اور فائدہ اٹھانے میں کوئی چیز حائل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر سہولت اور آسانی اللہ شریعت کے مقصود کے موافق ہے تو اس کو علی الاطلاق قبول کرنا چاہیے۔

ہاں اگر سختی اور تکلیف کی وجہ سے کسی خطرہ یا نقصان کا خدشہ لاحق ہو تو ایسی تکلیف اور مشقت کئی ایک آیات اور احادیث کی روح سے منہی عنہ ہے۔ تیسیر، سہولت اور آسانی جن اسباب کی وجہ سے دینی امور میں معرض وجود میں آتی ان اسباب کا تفصیلاً ذکر کیا جاتا ہے۔

ضرورت وحاجت:

ضرورت 'ضرر' سے نکلا ہے یہ لفظ 'نفع' کی ضد ہے۔

علامہ ابن منظور اس کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ما كان من سوء حال أو فقر أو شدة في بدن فهو ضدٌّ"[1]

"ہر قسم کی بدحالی، فقر یا جسمانی مشقت ضرر ہے۔"

لغۃ الفقہاء میں ضرر کی معنی شدید حاجت اور لاعلاج مشقت کیے گئے ہیں۔

"الضرورة :الحاجة الشديدة والمشقة الشديدة التي لا مدفع لها "[2]

"ضرورت سے مراد ہے شدید حاجت اور ایسی سخت مشقت جس کو ختم کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔"

---

(1) لسان العرب، 9/32، مادہ (ض رر)

(2) معجم لغۃ الفقہاء، ص:283

علامہ مجد دین محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے ضرورت کے معنی مطلقاً حاجت بیان کیے ہیں۔

"الضرورة: الحاجة "[1]

ضرورت کے مفہوم کی وضاحت میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں۔

ضرورت کی ایک تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ممنوعہ چیز کو نہ کھایا جائے تو ہلاکت ہونے یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

"فالضرورة بلوعه حداً ان لم يتناول الممنوع هلك أوقارب "[2]

"آدمی کا اس حد تک پہنچ جانا کہ اگر وہ ممنوعہ چیز نہ کھائے گا تو وہ ہلاکت ہو جائے گا یا ہلاکت کے قریب ہو جائے گا، اس کو ضرورت کہتے ہیں۔"

ضرورت کی دوسری تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ صرف تحفظ دین نہیں ہے کہ انسانی جان یا اس کے کسی حصے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو بلکہ اس سے مراد یہ لیا جائے گا کہ حیات انسانی کے پانچ مصالح (تحفظ دین، تحفظ نفس، تحفظ مال، تحفظ نسل اور تحفظ عقل) میں سے کسی پر بھی شدید زد پڑے تو یہ ضرورت ہو گی اور احکام میں تبدیلی واقع ہو جائے گی۔

علامہ الشاطبی لکھتے ہیں:

"فَأَمَّا الضَّرُورِيَّةُ، فَمَعْنَاهَا أَنَّهَا لَا بُدَّ منها في قيام مصالح الدين والدنيا،بِحَيْثُ إِذَا فُقِدَتْ لَمْ تَجْرِ مَصَالِحُ الدُّنْيَا عَلَى اسْتِقَامَةٍ، بَلْ عَلَى فَسَادٍ وَتَهَارُجٍ وَفَوْتِ حَيَاةٍ، وَفِي الْأُخْرَى فَوْتُ النَّجَاةِ وَالنَّعِيمِ، وَالرُّجُوعُ بِالْخُسْرَانِ الْمُبِينِ "[3]

"ضرورت سے مراد وہ چیز ہے جو دین و دنیا کے مصالح کی بقاء کے لیے ناگزیر ہو۔ اس طور پر کہ اگر وہ مفقود ہو جائے تو دنیا کی مصلحتیں صحیح طریقہ پر قائم نہ رہ سکیں۔ بلکہ فساد و بگاڑ اور زندگی سے محرومی کا باعث بن جائیں یا اس کے فقدان سے نجات اور آخرت کی نعمت سے محرومی اور کھلا ہوا نقصان و خسران اٹھانے کا باعث ہو۔"

رسول اکرم ﷺ کے کئی ایک فرامین اس پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں کی ضرورت و حاجت کا لحاظ رکھتے تھے اور ان کے لیے تیسیر اور سہولت پیدا کرتے تھے آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے شوق تبلیغ کو دیکھ کر ان کو ہر وقت واعظ و نصیحت سے منع فرمایا دیا تھا کہ کہی لوگوں کی حاجیات و ضروریات میں ان کی ہر وقت واعظ و نصیحت کی وجہ سے تنگی اور دشواری

---

(1) القاموس المحیط، 2/75

(2) السیوطی، جلال الدین بن عبد الرحمن، الاشباہ والنظائر للسیوطی، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، 1219ء، ص:112

(3) الموافقات، 2/17-18

نہ پیدا ہو جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرض اور اجتماعی عبادات میں طوالت کی بجائے اختصار کا حکم دیا تھا تاکہ صاحب ضرورت اور صاحب حاجت کے لیے تنگی نہ ہو۔ آپ ﷺ کا اسوہ بھی اسی طرح ملتا ہے کہ آپ عبادات میں لوگوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کا لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے امام کی نماز میں طوالت کی شکایت کی تو آپ کو شدید غصہ آ گیا صحابی کہتے ہیں میں نے اس سے قبل آپؐ کو اس قدر غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بھی نماز پڑھائے وہ بوڑھے، کمزور اور حاجت مندوں کا خیال کرتے ہوئے نماز مختصر پڑھائے۔

«أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالكَبِيرَ وَذَا الحَاجَةِ»[1]

آپ ﷺ کے غصہ کا سبب یہ تھا کہ اس طرح کے عمل کی وجہ سے لوگ دین اور فرائض دینیہ سے دوری اختیار نہ کر لیں۔

اسی سے متعلق امام بخاری نے ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ حضرت معاذؓ کے بارے میں آپ ﷺ سے شکایت کی گئی کہ وہ طویل نماز پڑھاتے ہیں تو آپ نے سختی کے ساتھ حضرت معاذؓ کو منع کیا اور لوگوں کی ضروریات اور حاجیات کا خیال رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

«أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ البَقَرَةِ - أَوِ النِّسَاءِ - فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ» - أَوْ «أَفَاتِنٌ» - ثَلَاثَ مِرَارٍ: «فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الحَاجَةِ»[2]

امامت کراتے وقت نماز میں اختصار سے کام لینا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود، رقم الحدیث:702

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب من شکا امامہ اذا طول، رقم الحدیث:705

فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»[1]

"جب لوگوں کی امامت کرائی جائے تو نماز میں طوالت اختیار نہ کی جائے اور اکیلے نماز پڑھنے میں جتنی چاہو طوالت اختیار کرو۔"

لوگوں کی ضروریات وحاجیات رسول اکرم ﷺ کے نزدیک کس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ آپؐ عبادات میں لوگوں کی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر تیسیر اور سہولت پیدا کر دیتے تھے۔

السنن الکبریٰ للبیہقی میں حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

«أَخَّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فَقَالَ: " إِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي الصَّلَاةِ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا وَلَوْلَا كِبَرُ الْكَبِيرِ وَضَعْفُ الضَّعِيفِ - أَحْسَبُهُ قَالَ: وَذُو الْحَاجَةِ - لَأَخَّرْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ»[2]

رسول اکرم ﷺ نے عمومی طور پر کوئی بھی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا ہے اور اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے لیکن بیماری کی بنا پر رخصت، تیسیر اور سہولت پیدا کر دی گئی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَكَلْتُ ثُومًا، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي بِرَكْعَةٍ، فَلَمَّا صَلَّى قُمْتُ أَقْضِي، فَوَجَدَ رِيحَ الثُّومِ، فَقَالَ: " مَنْ أَكَلَ هَذِهِ الْبَقْلَةَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا حَتَّى يَذْهَبَ رِيحُهَا، فَلَمَّا قَضَيْتُ الصَّلَاةَ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ لِي عُذْرًا، نَاوِلْنِي يَدَكَ، فَوَجَدْتُهُ سَهْلًا، فَنَاوَلَنِي يَدَهُ، فَأَدْخَلْتُهَا مِنْ كُمِّي إِلَى صَدْرِي، فَوَجَدَهُ مَعْصُوبًا، فَقَالَ: «إِنَّ لَكَ عُذْرًا»[3]

"میں نے لہسن کھایا، پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ ایک رکعت ادا کر چکے تھے۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو میں نے کھڑے ہو کر نماز مکمل کرنا شروع کر دی۔ پس آپ نے لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا:"جس شخص نے بدسبزی کھائی ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے حتی کہ اس کی بو ختم ہو جائے۔ جب میں نے نماز مکمل کی تو آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ (لہسن کھانے میں) میرا عذر ہے۔ آپ مجھے اپنا دست مبارک دیجیے، آپ اس بات کو آسان پائیں گے تو

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، رقم الحدیث:703

(2) البیہقی، احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبریٰ، کتاب ذکر جماع ابواب الاذن والاقامۃ، باب من استحب تاخیرھا، رقم الحدیث:2120، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان

(3) ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، ابو بکر، صحیح ابن خزیمہ، کتاب الامامۃ فی الصلوۃ ومافیھا من السنن مختصر من کتاب المفید المسند، باب الرخصۃ فی اکلہ عند الضرورۃ والحاجۃ الیہ، رقم الحدیث:1672، المکتب الاسلامی، بیروت

آپ ﷺ نے مجھے اپنا دست تھما دیا۔ پس میں نے آپؐ کا دست مبارک اپنی آستین میں داخل کر کے اپنے سینے تک لگایا تو آپ کو معلوم ہوا کہ (میرا پیٹ بھوک کی وجہ سے) بندھا ہوا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا: "بے شک (اس حالت مجبوری) میں تیرے لیے لہسن کھانے میں) عذر ہے۔"

مذکورہ بالا ادلہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ حاجت و ضرورت اسباب تیسیر میں سے ایک اہم سبب ہے جس کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں سہولت، تیسیر، آسانی، وسعت اور کشادگی پیدا ہو جاتی ہے تنگی اور حرج کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔

اکراہ (مجبوری):

الاکراہ لغوی طور پر اَکْرَہَ یُکْرِہُ سے مصدر ہے کسی کو ایسے کام کرنے پر مجبور کر دینا ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہو اور ایسے کام کے چھوڑنے پر مجبور کر دینا ہے جسے وہ پسند کرتا ہو۔

اکراہ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو مجبور کر کے اس سے وہ کام کرا دینا جسے وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یعنی انسان کو بعض اوقات ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ بالکل مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے اور ایسے حالات میں اس سے ایسا کام کروالیا جاتا ہے جسے وہ خود کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اپنے نقصان کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس فعل کو کرتا ہے۔ جو شخص خائف ہو کر ایسا عمل کرنے پر مجبور ہو جائے جس کی شریعت عام حالات میں اجازت نہیں دیتی۔ شریعت میں ایسے فرد کے لیے تیسیر، سہولت، رخصت اور آسانی رکھی گئی ہے تاکہ یہ کسی بڑے نقصان یا آزمائش سے بچ سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[1]

"جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اکراہ یعنی مجبور کر دیئے جانے والے شخص کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی اکراہ کی وضاحت کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"اکراہ عمل الغیر علی ان یفعل مالا یرضاه ولا یختار مباشرته لوخلی و نفسه "[2]

"کسی فرد کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس کو کرنے پر وہ راضی نہ ہو اور اگر اس کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ اس کا

(1) النحل16: 106

(2) تفتازانی، سعد الدین، علامہ، شرح التلویح علی التوضیح، مکتبہ صبیح، مصر، 3/196

ارتکاب نہ کرے۔"

امام فراء فرماتے ہیں:

"يقال أقاضى على كره -بالفتح -اذا كرهك عليه إلى أن قال فيصير الكره بالفتح فعل المفطر "[1]

"کہا جاتا ہے کہ مجھے مجبور اکیا گیا یعنی جب یہ فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مجبور شخص کا فعل ہو گا۔"

اکراہ سے مراد آدمی کا کوئی ایسا کام کرنا ہے جو وہ کسی دوسرے کے لیے انجام دیتا ہے۔[2]

بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اکراہ سے مراد یہ ہے کہ کبھی انسانی ذاتی طور پر کسی کام کو کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا یا کسی کام کو پسند نہیں کرتا لیکن کوئی دوسرا فرد اس کو خوف دلاتے ہوئے اپنی منشاء کے مطابق اسے کام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اگر اس آدمی کو ڈر یا خوف نہ ہوتا تو یہ کام سرانجام نہ دیتا۔ ایسے شخص کے لیے جو ان حالات میں کوئی کام خلاف شریعت سرانجام دے گا۔ اس کے لیے دین اسلام میں تیسیر، آسانی اور گنجائش ہے۔ اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا

سورۃ النحل میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾[3]

"جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو۔"

حضرت یاسرؓ کی حالت مجبوری کو دیکھا تو ان کو کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت دے دی تا کہ وہ مزید تکلیف دہ اذیت سے بچ سکیں۔

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار فرماتے ہیں:

« أَخَذَ الْمُشْرِكُونَ عَمَّارًا فَلَمْ يَتْرُكُوهُ حَتَّى سَبَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَكَرَ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ، فَلَمَّا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَا وَرَاءَكَ؟» قَالَ: شَرٌّ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا تُرِكْتُ حَتَّى نُلْتُ مِنْكَ، وَذَكَرْتُ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟» قَالَ: أَجِدُ قَلْبِي مُطْمَئِنًّا بِالْإِيمَانِ، قَالَ: «فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ»[4]

"مشرکین مکہ نے عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور ان کو تب تک نہیں چھوڑا جب تک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی گستاخی نہ کی اور ان کے خداؤں کی تعریف نہ کی۔ پس جب وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا جو

---

(1) لسان العرب، 5/3565

(2) معجم لغۃ الفقہاء، ص:85

(3) النحل 16: 106

(4) الاصبہانی، نعیم احمد بن عبد اللہ، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، کتاب المھاجرون من الصحابۃ، باب عمار بن یاسر، السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر، 1974ء، 1/140

تم نے کیا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا اگر میں آپؐ کی گستاخی نہ کرتا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہتا تو وہ مجھے ہر گز نہ چھوڑتے پھر آپؐ نے فرمایا تم نے اپنے دل میں کیا محسوس کیا ہے تو انہوں نے کہا میرا دل ایمان پر مطمئن ہے تو آپؐ نے فرمایا اگر وہ تمہیں مجبور کریں تو دوبارہ بھی یہ کر لینا۔"

مجبوری اور اکراہ کی حالت میں دین اسلام میں جو تیسیر، سہولت اور آسانی رکھی گئی ہے رسول اکرمؐ کے فرامین میں اس کی صراحت یوں ملتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ قَدْ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ میری امت سے غلطی اور نسیان (بھول جانا) کی چشم پوشی کرتا ہے اور اس چیز سے جس پر ان کو مجبور کر لیا جائے۔"

اسی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے یوں روایت کیا:

«إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا تُوَسْوِسُ بِهِ صُدُورُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ، أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ حدیث یوں مروی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے درگزر کیا غلطی، نسیان اور اس چیز سے جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔"[3]

اکراہ اور مجبوری کی حالت میں انسان سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اسلام میں اس کی کوئی سرزنش نہیں کی گئی بلکہ مجبور اور بے بس آدمی کے لیے یہ سہولت اور گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ اگر اپنی جان اور عزت بچانے کے لیے مزید آزمائش اور مصائب میں مبتلا ہونے سے بچنے کی خاطر حرام کام کا ارتقاب کر لے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی اور نہ ہی یہ گنہگار ہو گا۔

رسول اکرم ﷺ کے ایک اور فرمان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا:

«لَا طَلَاقَ، وَلَا عَتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ»[4]

"مجبوری کی حالت میں دی گئی طلاق اور آزادی کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔"

---

(1) ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبداللہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکروہ والناس، رقم الحدیث: 2043، دار احیاء، الکتب العربیہ، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی

(2) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2044

(3) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2045

(4) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2046

حالت اضطرار:

اضطرار عربی زبان کا لفظ ہے۔ اضطرار سے مراد ایسی بے اختیاری، مجبوری، بے بسی ہے جس کا دور ہونا انسان کے اپنے قابو اور اختیار میں نہ ہو۔ اضطرار کی حالت در اصل انتہائی مجبوری کی حالت ہوتی ہے، جس میں انسان اپنی مرضی اور منشاء کی بجائے بے بسی اور بے اختیاری کے ہاتھوں یرغمال ہو جاتا ہے اور انسان وہی کر گزرتا ہے جو اس کو حالات واقعات کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

شیخ محمد متولی الشعراوی اضطرار کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومعنى اضطرار: أن ينقطع رجاؤك وأهلك بالاسباب كلها "[1]

"اضطرار کا معنی ہے: امیدیں ٹوٹ جائیں اور تمام اسباب ختم ہو جائیں۔"

مولانا عبید اللہ السعدی لکھتے ہیں:

یوں تو قرآن مجید میں اضطرار و ضرورت اور زحمت و پیشواری جیسے حالات کا تذکرہ بہت سی آیات میں آیا ہے (سورۃ البقرہ، آیت: 185، سورۃ مائدہ، آیت: 6، سورۃ حج، آیت: 78، سورۃ توبہ، آیت: 91) مگر خصوصیت سے "مضطر" کا تذکرہ خاص مفہوم میں پانچ جگہ آیا ہے اور ان مواقع میں بھی لفظ "ضرورت" یا "مضطر" نہیں آیا بلکہ "اضطرار" (فعل مجہول) اور "اضطررتم" آیا ہے اور جن پانچ جگہوں میں یہ لفظ آیا ہے سیاق کھانے پینے اور کھانے پینے کی حرام چیزوں کا ہے اور اس حال کی وجہ سے گنجائش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[2]

قرآن مجید میں کئی ایک جگہوں پر لفظ اضطرار کا استعمال کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ ہوا ہے اس سے یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ "مضطر" کا تعلق صرف کھانے پینے کے ساتھ ہے بلکہ یہ وسیع تر معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

شیخ ابو بکر الجصاص نے تفسیر 'احکام القرآن' میں "الا ما اضطررتم اليه" کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ "اضطرار" کو کھانے پینے کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے اس کو عام لیا ہے۔

"والضرورة المذكورة فی الآية منتظمة لسائر المحرمات و ذكر ه لها فی الميتة وما عطف عليها غير مانع من اعتبار عموم الآية فی سائر المحرمات"[3]

"اس آیت میں مذکورہ ضرورت تمام محرمات کو شامل ہے اور بعض آیات میں مردار وغیرہ کے سیاق میں اس کا تذکرہ آیت کے مفہوم میں تمام محرمات میں مانع نہیں ہے۔"

---

(1) الشعراوی، محمد متولی، تفسیر الشعراوی، الخواطر، مطابع اخبار الیوم، 1997ء، 7/4110

(2) السعدی، عبید اللہ، مولانا، ضرورت وحاجت سے مراد اور احکام شرعیہ میں ان کا لحاظ، ایف پبلیکشرز، نئی دہلی، انڈیا، ص:186

(3) الجصاص، ابو بکر، امام، احکام القرآن للجصاص، دار الفکر، بیروت، 1/182

قرآن مجید میں لفظ ''اضطرار'' کا استعمال اگرچہ کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ ہوا ہے لیکن احادیث میں لفظ ''اضطرار'' کو وسیع تر معانی میں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحابؓ کی مشکلات اور مجبوریوں کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے، ان کی دشواریوں اور تنگیوں کے خاتمے کے لیے باقاعدہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، جب رسول اکرمؐ اپنے اصحابؓ کی تنگی پریشانی اور مجبوری کو دیکھتے تو ان کے لیے سہولت، آسانی اور گنجائش کا پہلو مد نظر رکھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي عُبَيْدَةَ، وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ، وَزَوَّدَنَا جِرَابًا مِنْ تَمْرٍ، فَأَعْطَانَا قَبْضَةً قَبْضَةً، فَلَمَّا أَنْ جُزْنَاهُ أَعْطَانَا تَمْرَةً تَمْرَةً، حَتَّى إِنْ كُنَّا لَنَمُصُّهَا كَمَا يَمُصُّ الصَّبِيُّ، وَنَشْرَبُ عَلَيْهَا الْمَاءَ، فَلَمَّا فَقَدْنَاهَا وَجَدْنَا فَقْدَهَا، حَتَّى إِنْ كُنَّا لَنَخْبِطُ الْخَبَطَ بِقِسِيِّنَا، وَنَسَفُّهُ ثُمَّ نَشْرَبُ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ حَتَّى سُمِّينَا جَيْشَ الْخَبَطِ، ثُمَّ أَجَزْنَا السَّاحِلَ، فَإِذَا دَابَّةٌ مِثْلُ الْكَثِيبِ - يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ - فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: مَيْتَةٌ لَا تَأْكُلُوهُ، ثُمَّ قَالَ: جَيْشُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَنَحْنُ مُضْطَرُّونَ كُلُوا بِاسْمِ اللهِ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ، وَجَعَلْنَا مِنْهُ، وَشِيقَةً، وَلَقَدْ جَلَسَ فِي مَوْضِعِ عَيْنِهِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا قَالَ: فَأَخَذَ أَبُو عُبَيْدَةَ ضِلْعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ، فَرَحَلَ بِهِ أَجْسَمَ بَعِيرٍ مِنْ أَبَاعِرِ الْقَوْمِ، فَأَجَازَ تَحْتَهُ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَا حَبَسَكُمْ؟» قُلْنَا كُنَّا نَتَّبِعُ عِيرَاتِ قُرَيْشٍ، وَذَكَرْنَا لَهُ مِنْ أَمْرِ الدَّابَّةِ، فَقَالَ: «ذَاكَ رِزْقٌ رَزَقَكُمُوهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، أَمَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ» ، قَالَ: قُلْنَا: نَعَمْ»[1]

''رسول کریم (ﷺ) نے ہم لوگوں کو حضرت ابوعبیدہ کے ہمراہ بھیجا اور ہم لوگ تین سو دس اور چند لوگ تھے (یعنی ہماری تعداد تین سو دس سے زائد تھی) اور ہمارے ہاتھ کھجور کا ایک تھیلا کر دیا (اس لئے کہ جلد ہی واپسی کی امید تھی۔) حضرت ابوعبیدہ نے اس میں سے ایک مٹھی ہمیں دے دی جس وقت وہ پوری ہونے لگیں تو ایک ایک کھجور تقسیم فرمائی ہم لوگ اس کو اس طریقہ سے چوس رہے تھے کہ جیسے کوئی لڑکا چوسا کرتا ہے اور ہم لوگ اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ جس وقت وہ بھی نہ ملی تو ہمیں اس کی قدر معلوم ہوئی آخر کار یہاں تک نوبت آگئی کہ ہم لوگ اپنی کمانوں سے درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے پھر ان کو کھا کر ہم لوگ اس کے اوپر پانی پی لیتے۔ اسی وجہ سے لشکر کا نام جیش خبط (یعنی پتوں کا لشکر) ہو گیا جس وقت ہم لوگ سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں پر ایک جانور پایا۔ جو کہ ایک ٹیلہ کی طرح سے تھا جس کو عنبر کہتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ یہ مردار ہے اس کو نہ کھاؤ پھر کہنے لگے کہ یہ رسول کریم (ﷺ) کا لشکر ہے اور اللہ کے راستہ میں نکلا ہے اور ہم لوگ بھوک کی وجہ سے بے چین ہیں (کیونکہ سخت اضطراری حالت میں تو مردار بھی حلال اور جائز ہے) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ

[1] سنن النسائی، کتاب العید والذبائح، باب میتۃ البحر، رقم الحدیث: 4354

(ایسے وقت میں تو مردار بھی حلال ہے) اور اس کے بعد ہم لوگوں نے اس میں سے کھایا اور کچھ گوشت اس کا پکانے کے بعد خشک کیا (تاکہ راستہ میں وہ کھاسکیں) اور اس کی آنکھوں کے حلقہ میں تیرہ آدمی آگئے یعنی داخل ہوگئے، ہم لوگ جس وقت رسول کریم (ﷺ) کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے تو آپ (ﷺ) نے دریافت کیا تم نے کس وجہ سے تاخیر کی؟ ہم نے عرض کیا قریش کے قافلوں کو تلاش کرتے تھے اور ہم نے آپ (ﷺ) سے اس جانور کا تذکرہ کیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جو کہ اس نے تم کو عطاء فرمایا۔ کیا تم لوگوں کے پاس کچھ باقی ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔"

رسول اکرم ﷺ نے مجبور اور بے بس شخص کو خرید و فروخت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ ایسے حالات میں اسے کسی بڑے نقصان اور گھاٹا پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے:

« نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ، وَبَيْعِ الْغَرَرِ، وَبَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْرِكَ»[1]

"نبی اکرم ﷺ نے مضطر کی خرید و فروخت، دوکھے کی خرید و فروخت اور پھلوں کے پکنے سے پہلے خرید وفروخت کرنے سے منع کیا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے مجبور اور مضطر کے لیے باقاعدہ دعا فرمائی ہے۔

«قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دُعَاءِ الْمُضْطَرِّ: «اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے مجبور شخص کے لیے دعا فرمائی۔ اے اللہ میں تیری رحمت (کے حصول) کی امید رکھتا ہوں۔ تو مجھ کو آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے مت کر اور میرے معاملے کی اصلاح فرمادے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔"

آپ ﷺ مجبور اور مضطر کا کس قدر خیال فرماتے تھے اور اس کے لیے کس قدر سہولت اور گنجائش کا پہلو ملحوظ رکھتے تھے اس کی ایک مثال امام احمد بن حنبل نے مسند احمد میں نقل فرمائی ہے۔

« أَنَّ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي كِلَابًا مُكَلَّبَةً، فَأَفْتِنِي فِي صَيْدِهَا؟ فَقَالَ: «إِنْ كَانَتْ لَكَ كِلَابٌ مُكَلَّبَةٌ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكَتْ عَلَيْكَ» ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ذَكِيٌّ وَغَيْرُ ذَكِيٍّ؟ قَالَ: «ذَكِيٌّ وَغَيْرُ ذَكِيٍّ» ، قَالَ: وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ؟ قَالَ: «وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ» ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ [ص:336]، أَفْتِنِي فِي قَوْسِي؟ قَالَ: «كُلْ مَا أَمْسَكَتْ عَلَيْكَ قَوْسُكَ» ، قَالَ: ذَكِيٌّ وَغَيْرُ ذَكِيٍّ؟ قَالَ: «ذَكِيٌّ وَغَيْرُ ذَكِيٍّ» ،

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب من بیع المضطر، رقم الحدیث: 3382

(2) الطیالسی، سلیمان بن داؤد، مسند ابی داؤد الطیالسی، رقم الحدیث: 910، دار هجر، مصر، 1999ء

قَالَ: وَإِنْ تَغَيَّبَ عَنِّي؟ قَالَ: «وَإِنْ تَغَيَّبَ عَنْكَ، مَا لَمْ يَصِلَّ» - يَعْنِي يَتَغَيَّرْ - «أَوْ تَجِدْ فِيهِ أَثَرَ غَيْرِ سَهْمِكَ» ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِّ، أَفْتِنَا فِي آنِيَةِ الْمَجُوسِ إِذَا اضْطُرِرْنَا إِلَيْهَا؟ قَالَ: «إِذَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهَا فَاغْسِلُوهَا بِالْمَاءِ، وَاطْبُخُوا فِيهَا»[1]

"ایک مرتبہ ابو ثعلبہ خشنیؓ نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ سدھائے ہوئے کتے ہیں ان کے ذریعے شکار کے بارے مجھے فتویٰ دیجئے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا اگر تمہارے کتے سدھائے ہوئے ہوں تو وہ تمہارے لئے شکار کریں تم اسے کھا سکتے ہو، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! خواہ اسے ذبح کروں یا نہ کروں؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ہاں انہوں نے پوچھا اگرچہ کتا بھی اس میں سے کچھ کھالے؟ فرمایا ہاں! انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کمان کے بارے بتائیے؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کمان کے ذریعے (مراد تیر ہے) تم جو شکار کرو وہ کھا بھی سکتے ہو انہوں نے پوچھا کہ خواہ ذبح کروں یا نہ کروں؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ہاں، انہوں نے پوچھا اگرچہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو جائے؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا ہاں! بشرطیکہ (جب تم شکار کے پاس پہنچو تو) وہ بگڑ نہ چکا ہو یا اس میں تمہارے تیر کے علاوہ کسی اور چیز کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجوسیوں کے برتن کے بارے بتائیے جب کہ انہیں استعمال کرنا ہماری مجبوری ہو؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا جب تم انہیں استعمال کرنے پر مجبور ہو تو انہیں پانی سے دھو کر پھر اس میں پکا سکتے ہو۔"

مذکورہ بالا احادیث میں یہ صراحت ہے کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کی اضطراری حالت کا خیال فرماتے تھے اور ایسے حالات میں ان کے لیے احکام میں سہولت، تیسیر اور آسانی کا پہلو اختیار کرتے تھے۔

نسیان (بھول چوک):

بھول چوک ایک ایسا عارضہ ہے جس کی وجہ سے مکلف اپنے ذمہ احکام کو یاد نہیں رکھ سکتا۔ بھول چوک اگر حقوق اللہ میں ہو جائے تو انسان کو پکڑ نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اگر اس کا کوئی فرد بھول کر گناہ کرتا ہے یا کسی کام کو نسیان کی وجہ سے نہیں کر سکا تو اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث میں اس کی صراحت ملتی ہے بطور استشہاد چند ایک ذکر کی جاتی ہیں۔

«إِنَّ اللهَّ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے درگزر کیا غلطی اور بھول میں اور جس چیز پر ان کی کو مجبور کیا جائے۔"

حقوق اللہ میں سے نماز ایک اہم حق ہے رسول اکرم ﷺ نے نماز بھول جانے والے کے بارے میں فرمایا:

---

(1) مسند احمد مخرجاً، مسند المکثرین من الصحابۃ، رقم الحدیث: 6725

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناس، رقم الحدیث: 2045

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا»[1]

"جو شخص نماز بھول جائے۔ پس چاہیئے کہ وہ اسے پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔"

اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: ذَكَرُوا تَفْرِيطَهُمْ فِي النَّوْمِ فَقَالَ: نَامُوا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ، فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً، أَوْ نَامَ عَنْهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، وَلِوَقْتِهَا مِنَ الْغَدِ»[2]

"ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے نیند میں کوتاہی کا ذکر کیا۔ پس کہا وہ سوتے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا نیند میں کوتاہی نہیں ہے بلکہ کوتاہی جاگنے میں ہے جب تم میں سے کوئی اپنی نماز کو بھول جائے یا سویا رہے پس اسے چاہیئے کہ جب اسے یاد آتے وہ نماز پڑھ لے یا آنے والے دن میں اس نماز کے وقت پر اسے ادا کر لے۔"

سنن ابی داؤد میں ہے کہ اگر کوئی بھول کر نماز نہ ادا کر سکے تو اس پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ»[3]

"جو شخص نماز کو بھول جائے پس چاہیئے کہ کرے جب اسے یاد آئے۔وہ ادا وہ نماز جو اس کو بھول گئی تھی بھولی ہوئی نماز کا کوئی کفارہ نہیں اس کو پڑھ لینا ہی اس کا کفارہ ہیں۔"

یعنی بھولی ہوئی نماز کو پڑھ لینا ہی اس کا کفارہ ہے مزید اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ نماز چھوڑنے والے نے دانستہ طور پر نماز نہیں چھوڑی تھی۔

نماز میں بھول جانے والے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسیر اور رخصت یہ فرمائی ہے کہ اگر نماز میں نسیان کی وجہ سے کمی بیشی ہو جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو کا حکم دیا۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً، فَلَا أَدْرِي زَادَ أَمْ نَقَصَ؟ فَلَمَّا سَلَّمَ، قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: «لَا، وَمَا ذَاكَ؟» قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَثَنَى رِجْلَيْهِ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فَلَمَّا سَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ،

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن صلاۃ او نسیھا، رقم الحدیث:696

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن صلاۃ او نسیھا، رقم الحدیث:698

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی من نام عن الصلوۃ او نسیھا، رقم الحدیث:442

فَلْيَتَحَرَّ الصَّلَاةَ، فَإِذَا سَلَّمَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ»[1]

"ایک مرتبہ نبی (ﷺ) نے کوئی نماز پڑھائی، مجھے یہ یاد نہیں کہ اس میں کچھ کمی ہوگئی یا بیشی؟ بہر حال! جب سلام پھیرا تو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا نماز کے بارے کوئی نیا حکم نازل ہو گیا ہے؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا نہیں، کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا آپ نے تو اس اس طرح نماز پڑھائی ہے، یہ سن کر نبی (ﷺ) نے اپنے پاؤں موڑے اور سہو کے دو سجدے کر لئے، پھر جب سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، میں بھی بھول سکتا ہوں اور تم میں سے کسی کو جب کبھی اپنی نماز میں شک پیدا ہو جائے تو وہ خوب غور کر کے محتاط رائے کو اختیار کر لے اور سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے اور پینے والے پر کوئی سزا بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کے لیے سبب نسیان کی وجہ سے سہولت اور رخصت کو بیان فرمایا:

«قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا، وَهُوَ صَائِمٌ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»[2]

"بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کھالے وہ اپنے روزے کو مکمل کرے، بے شک اللہ نے اس کو کھلایا پلایا ہے۔"

یعنی نسیان (بھول چوک) کو رسول اللہ ﷺ نے قابل قبول عذر سمجھا ہے اس لیے بھولنے سے کوئی عبادت فاسد نہیں ہوتی جس طرح نماز میں بھول جانے کی وجہ سے سجدہ سہو اور روزہ میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ کا نہ ٹوٹنا یہ ثابت کرتا ہے کہ بھول جانے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

مرض (بیماری):

اسباب تیسیر میں ایک سبب بیماری ہے اگر کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو شریعت اسلامیہ میں ایسے فرد کے لیے تخفیف، تیسیر، آسانی، رخصت اور سہولت رکھی گئی ہے تاکہ اعمال کی بجا آوری میں کسی دقت اور تنگی کا سامنا نہ ہو۔

علامہ ابن منظور "مرض" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المرض: السقم نقيض الصحة ،يكون الانسان والبعير "[3]

"مرض: وہ بیماری ہے جو صحت میں کمی کر دیتی ہے اور یہ انسانوں اور جانوروں کو ہوتی ہے۔"

مرض اور بیماری کی مزید وضاحت معجم مقاییس اللغۃ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

---

(1) مسند احمد مخرجاً، رقم الحدیث: 3602

(2) جامع الصحیح، کتاب الایمان، باب اذ حنث ناسیاً فی الایمان، رقم الحدیث: 6669

(3) لسان العرب، مادہ (م ر ض)، 7/231

"والمرض كل شيئ خرج به الانسان عن حد الصحة "[1]

"مرض سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان صحت مند نہیں رہتا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مرض کی تعریف یوں کی ہے:

"مرض الجسم يكون بخروج الشهوة والنفرة الطبيعة عن الاعتدال "[2]

"جسم کے مرض سے مراد یہ ہے کہ اس میں شہوت ختم ہو جائے اور طبیعت کو اعتدال سے نفرت ہو جائے۔"

قرآن مجید میں کئی ایک احکام میں مرض کی وجہ سے تخفیف کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾[3]

"اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لَمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔"

سورۃ البقرہ میں رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾[4]

"اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔"

سورۃ البقرہ میں ہی حج اور عمرہ کے احکام بیان کرتے ہوئے مریض کے لیے سہولت اور آسانی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾[5]

"مگر جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اس بناء پر اپنا سر منڈوالے، تو اسے چاہیے کہ فدیہ کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔"

سورۃ التوبہ میں بیمار آدمی کے لیے رخصت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[6]

"ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ

---

(1) معجم مقاییس اللغۃ، مادہ (م ر ض)، 5/311

(2) مجموع الفتاویٰ، 10/143

(3) النساء4: 43

(4) البقرہ2: 184

(5) البقرہ2: 196

(6) التوبہ9: 91

وہ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ در گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث ملتی ہیں جن میں آپ ﷺ نے بیماری کی وجہ سے مریض کے لیے سہولت، تخفیف اور آسانی پیدا فرمائی ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی بیماری تھی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کی ادائیگی کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ»[1]

"تو نماز کھڑا ہو کر پڑھ پس اگر تو کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر نماز ادا کر۔ اگر تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے پھر تو پہلو کے بل نماز ادا کر۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بیمار صحابی کو دیکھا کہ وہ سجدہ کرنے کے لیے ایک تکیہ رکھے ہوئے تھے اور اس پر سجدہ کرتے تھے آپؐ نے ان کو منع کر دیا کہ اگر تم زمین پہ سجدہ کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ صرف اشارہ کافی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔

«عَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ مَرِيضًا، وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى عُودٍ فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْعُودِ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَطَرَحَ الْعُودَ وَأَخَذَ وِسَادَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعْهَا عَنْكَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ، وَإِلَّا فَأَوْمِئْ إِيمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپ اس کے ہاں گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ لکڑی پر نماز پڑھ رہا تھا اور سجدہ بھی اسی پر کر رہا تھا۔ آپؐ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور لکڑی کو پھینک دیا۔ اس نے تکیہ پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو ہٹا دو اگر تمہیں زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت ہے تو ٹھیک وگرنہ اشارہ سے نماز پڑھ لو اور سجدوں کے لیے رکوع کی نسبت زیادہ جھکو"

رسول اکرم ﷺ بیمار آدمی اور مریض کا اس قدر خیال فرماتے تھے کہ آپ ﷺ ائمہ کرام کو بھی باقاعدہ مریض اور بیمار لوگوں کا خیال رکھنے کی نصیحت کرتے تھے، مریضوں کی وجہ سے جماعت کی طوالت سے منع کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ

---

(1) الجامع الصحیح، ابواب تقصیر الصلاۃ، باب اذالم یطلق قاعداً صلی علی جنب، رقم الحدیث: 1117

(2) المعجم للطبرانی، باب العین، رقم الحدیث: 13082

فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»[1]

"جب تم کوئی ایک لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پس چاہئے کہ وہ نماز ہلکی پڑھائے۔ پس بے شک ان میں سے کچھ کمزور لوگ اور کچھ بیمار اور کچھ بوڑھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی ایک اکیلا نماز پڑھے پھر وہ چاہیے جتنی مرضی لمبی نماز ادا کرے۔"

مریض آدمی کے لیے نماز جمعہ میں بھی رخصت، آسانی اور سہولت رکھی گئی ہے، اس پر نماز جمعہ کو فرض نہیں گیا گیا۔
آپ ﷺ نے فرمایا:

« الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ »[2]

"نماز جمعہ ہر ایک مسلم پر جماعت کی صورت میں فرض ہے سوائے چار لوگوں کے غلام، عورت، بچے اور مریض کے۔"

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیماری اسباب تیسیر میں سے ہے۔ جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک احکام میں مریض اور بیماری آدمی کے لیے تیسیر، تخفیف، سہولت اور آسانی پیدا فرمائی ہے۔

سفر:

اسباب تیسیر میں سے ایک اہم سبب سفر ہے جو کوئی شخص اپنے علاقہ یا بستی سے کسی دوسرے علاقہ یا بستی کے لیے سفر کرتا یا کوئی فرد کسی دوسرے علاقہ یا بستی سے اپنے گھر کی طرف لوٹتا ہے تو اس کو مسافر کہتے ہیں۔ سفر میں چونکہ عام طور پر تھکاوٹ ہو جاتی ہے اور بعض اوقات انسان دوران سفر کئی ایک مشکلات یا پریشانیوں کا سامنا بھی کرتا ہے۔ اس لیے دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے دوران سفر احکام میں تیسیر، تخفیف اور رخصت فرمائی ہے۔

عبادات کے لیے طہارت و پاکیزگی لازمی ہے لیکن مسافر اگر دوران سفر پانی نہ حاصل کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طہارت و پاکیزگی کے حصول کے لیے تیسیر اور آسانی پیدا کر دی تاکہ وہ مشکلات اور تنگی میں نہ پڑ جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾[3]

"اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لَمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔"

دوران سفر اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے نماز میں بھی تخفیف اور تقصیر فرمائی ہے تاکہ وہ نماز کی ادائیگی آسانی اور سہولت

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، رقم الحدیث:703
(2) سنن ابی داوٗد، کتاب تفریع ابواب الجمعۃ، باب الجمعۃ للملوک المراۃ، رقم الحدیث:1067
(3) النساء4: 43

کے ساتھ کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾[1]

"اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔"

مسافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں میں بھی تخفیف اور تیسیر فرمائی ہے کہ جو فرد ماہ رمضان میں سفر کرتا ہے وہ اپنے روزے دوسرے ایام میں مکمل کر لے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾[2]

"اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔"

رسول اکرم ﷺ نے بھی مسافر کے لیے تیسیر، سہولت اور آسانی پیدا فرمائی ہے۔ مسافر کے لیے تخفیف اور رخصت کی کئی ایک احادیث ملتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک ذکر کی جاتی ہیں۔

راوی کہتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے رسول اکرم ﷺ کی سفری نماز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا خَرَجَ مِنْ أَهْلِهِ مُسَافِرًا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ»[3]

"رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر سے سفر کے لیے نکلتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے جب تک گھر واپس نہ آ جاتے۔"

مسافر کے لیے آپ ﷺ نے اس قدر آسانی اور سہولت پیدا فرمائی ہے کہ اگر وہ دو نمازوں کو اکٹھی ادا کرنا چاہے تو اس کو اجازت دے دی اور رسول اللہ ﷺ بھی سفر کے آغاز میں دو نمازوں کو جمع کر لیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ يَوْمَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ. وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ لَيْلَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ»[4]

"رسول اللہ ﷺ جس دن سفر کرنے کا ارادہ کرتے آپ ﷺ اس دن نماز ظہر اور عصر کو جمع کر لیتے تھے

---

(1) النساء4: 101

(2) البقرہ2: 184

(3) المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، رقم الحدیث: 12712

(4) مؤطا امام مالک، کتاب السھو، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر، رقم الحدیث: 483

اور جب رات کو سفر کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ ﷺ مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو جمع کر لیتے تھے۔"

رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو سفر کی رخصتوں کو قبول کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران مسافر کے لیے رخصتیں عطا کی ہیں ان پر عمل کرو اور اپنی ذات کو تنگی اور مشکل میں نہ ڈالو۔

حضرت ابو امیہ الضمیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا ذَهَبْتُ لِأَخْرُجَ، قَالَ: «انْتَظِرِ الْغَدَاءَ يَا أَبَا أُمَيَّةَ» قُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ يَا نَبِيَّ اللهِ، قَالَ: " تَعَالَ أُخْبِرْكَ عَنِ الْمُسَافِرِ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنْهُ الصِّيَامَ وَنِصْفَ الصَّلَاةِ »[1]

"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سفر کی حالت میں آیا پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا پھر جب میں جانے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابو امیہ کل کا انتظار کرو۔ ابو امیہ کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول بے شک میں روزہ دار ہوں آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں سفر کے متعلق خبر دوں بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے جو مسافر ہے اس سے نصف نماز اور روزے کی رخصت رکھی ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے ایک مسافر کو دوران سفر روزہ کی وجہ سے تکلیف اور تنگی میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اللہ کی دی ہوئی رخصت کے باوجود خود کو تنگی میں مبتلا کر رہے ہو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» ، فَقَالُوا: صَائِمٌ، فَقَالَ: «لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک ہجوم کے اندر اس کے لیے سایہ کیا گیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ پس انہوں نے کہا روزے دار۔ پھر آپ ﷺ نے کہا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔"

سفر میں انسان کی تنگی اور مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے مسافر آدمی کے لیے کئی ایک احکام میں سہولت اور آسانی پیدا فرمائی تا کہ مسافر کی تنگی اور دشواری کا خاتمہ ہو سکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، قَالَ: «مَا بَالُ هَذَا؟» ، قَالُوا: نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ،

---

(1) سنن النسائی، کتاب الصیام، باب ذکر وضع الصیام عن المسافر، رقم الحدیث: 2269

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیہ واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر، رقم الحدیث: 1946

قَالَ: «إِنَّ اللهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ» ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ»[1]

"بے شک نبی کریم ﷺ ایک بوڑھے کو اس کے دو بیٹوں کے درمیان دیکھا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو کیا ہو گیا؟ اس کے بیٹوں نے کہا: اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس آدمی کے نفس کو تکلیف نہیں دینا چاہتا البتہ اللہ تعالیٰ بہت غنی ہیں (بے پرواہ ہے اللہ تعالیٰ) اور اس شخص کو حکم دو کہ وہ کسی سواری پر سوار ہو جائے۔"

عموم بلویٰ:

عموم بلویٰ سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں اور اکثر و بیشتر لوگوں کے لیے اس سے بچنا دشوار ہو لیکن وہ اس قدر مشہور ہو جائے کہ لوگ اسے اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

شیخ ابن بدران الدمشقی عموم بلویٰ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"والمراد مما لعم به البلوى ما كيثر التكليف به "[2]

" عموم بلویٰ سے مراد وہ کام جس پر کثیر لوگوں کو مجبور کیا جائے۔"

عموم البلویٰ سے مراد کوئی ایسا کام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں لیکن وہ اس قدر مشہور ہو جائے کہ لوگ اسے کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

رسول اکرم ﷺ حکم صادر فرماتے ہوئے عموم بلویٰ کو ملحوظ رکھتے تھے آپ ﷺ نے بلی کی کے جھوٹے کو حلال قرار دیتے۔ عموم بلویٰ کی طرف ہی اشارہ فرمایا کہ بلی چونکہ اکثر ہوتے گھروں اور کھانے پینے والی اشیاء کی جگہ پر چکر کاٹتی ہے اور اگر وہ کھانے پینے والی اشیاء میں سے کھالے تو اس کو نجس خیال کرتے ہوئے بقیہ چیز انڈھیلنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے اکثر چکر کاٹنے کی وجہ سے اس کی نجاست کی نفی کر دی گئی ہے۔

حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں:

« أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا – ثُمَّ ذَكَرَتْ كَلِمَةً مَعْنَاهَا – فَسَكَبْتُ لَهُ وَضُوءًا، فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ، فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ. قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ»[3]

"ابو قتادہ ایک دن میرے پاس تشریف لائے پھر انہوں نے ایسی بات کہی کہ جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے ان

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب جزاء الصید، باب من نذر المشی الی الکعبۃ، رقم الحدیث: 1865

(2) الدمشقی، عبد القادر بن بدران، المدخل لابن بدران، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1401ھ، 1/212

(3) سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب سورۃ الھرۃ، رقم الحدیث: 68

کے واسطے وضو کا پانی ڈالا کہ اس دوران بلی آکر اس پانی میں سے پینے لگ گئی۔ ابو قتادہ نے برتن کو اور نیچے کی طرف کر دیا یہاں تک کہ بلی نے پانی اچھی طرح پی لیا۔ پھر ابو قتادہ نے میری جانب دیکھا تو میں ان کی جانب دیکھ رہی تھی (بوجہ حیرت کے)۔ حضرت ابو قتادہ نے فرمایا اے میری بھتیجی! تم حیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ ابو قتادہ نے فرمایا رسول کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے وہ تو دن رات تمہارے اوپر گھومنے والوں میں سے ہے یا گھومنے والیوں میں سے ہے۔"

انسان جب جوتا پہنتا ہے تو عام طور پر اس کو گندگی لگ جاتی ہے یا وہ ایسی جگہوں سے گزر جاتا ہے جہاں گندگی وغیرہ موجود ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے انسانوں کی عمومی تنگی اور دشواری کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ جب جوتا وغیرہ کو گندگی لگے تو اس کو زمین پر رگڑ دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ: فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا »[1]

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لے۔ اگر جوتوں میں گندگی یا نجاست لگی ہو تو ان کو زمین پر رگڑ دے اس کے بعد (ان کو پہن کر) نماز پڑھے۔"

اس کی مزید وضاحت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى، فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ»[2]

" بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کو ساتھ گندگی کو روندے بے شک مٹی طہارت ہے اس گندگی کے لیے وہ اس کو پاک کرنے والی ہے۔"

دوران سفر انسان مختلف راستوں سے گزرتا ہے کبھی راستے یا گندگی کے ڈھیر سے گزرتے ہوئے نہ صرف کہ جوتے کو گندگی لگ جاتی ہے بلکہ لباس وغیرہ بھی گندگی سے متاثر ہوتا ہے یہ چونکہ ایک عمومی مسئلہ تھا اور عام طور پر کچی گلیوں اور کوچوں میں لوگ اس مشکل میں مبتلا ہو جاتے ہیں آپ ﷺ نے ان افراد کے لیے جو سہولت اور آسانی پیدا فرمائی ہے اس کے بارے میں حضرت ام ولد عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي، فَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ، فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»[3]

" انہوں نے امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور (بسا اوقات) گندگی میں

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعل، رقم الحدیث: 650

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الاذی یصیب النعل، رقم الحدیث: 385

(3) سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ وسننھا، باب الارض یطہرہ بعضھا بعضاً، رقم الحدیث: 531

بھی چلنا پڑ جاتا ہے۔ تو فرمانے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعد والی زمین اس کو پاک کر دے گی۔"

گلیوں اور بازاروں میں بعض اوقات بارش کی وجہ سے ڈھیروں کی گندگی اور گٹروں کا پانی راستوں کو مزید گندہ کر دیتا ہے، اور گزرنے والوں کے لیے اس کے چھینٹوں سے بچنا ناممکن ہوتا ہے، ایسے حالات میں رسول اکرم ﷺ نے رخصت اور تخفیف پیدا کی تاکہ مشکلات سے بچا جا سکے۔

عبد اللہ بن یزید بن عبد الاسہل ایک عورت سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مُطِرْنَا؟ قَالَ: «أَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيقٌ هِيَ أَطْيَبُ مِنْهَا؟» قَالَتْ: قُلْتُ: بَلَى. قَالَ: «فَهَذِهِ بِهَذِهِ»[(1)]

"میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ہمارا مسجد میں جانے کا راستہ گندہ ہے، جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا اس (نجس) جگہ کے بعد پاک جگہ نہیں آتی؟ میں نے کہا کہ ہاں (آتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "تو یہ اس کے بدلے ہے۔"

طہارت، پاکیزگی، صفائی اور ستھرائی کے لیے پانی ایک اہم ذریعہ ہے جس کے ساتھ انسان پاکیزگی اور صفائی حاصل کرتا ہے۔ پانی میں گندگی وغیرہ شامل ہونے کی وجہ سے پانی کے استعمال کرنے میں اکثر دشواری اور تنگی کا سامنا ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کی عمومی تنگی اور دشواری کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ بہتے ہوئے اور چلتے ہوئے پانی میں گندگی گر جائے تو وہ اس کو ناپاک نہیں کرتی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرے ہیں:

«أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُطْرَحُ فِيهَا الْحِيَضُ وَلَحْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»[(2)]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ حلانکہ وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض آلود کپڑے، کتوں کا گوشت اور دوسری بدبو دار چیزیں ڈال دی جاتی ہیں آپ (ﷺ) نے فرمایا پانی پاک ہے اور اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی"

کسی کنویں یا حوض وغیرہ سے اگر درندے یا دیگر حرام جانور پانی پی لیں تو پانی حرام یا ناپاک نہیں ہوتا اس کو پینے اور طہارت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے رسول اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

«سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي تَكُونُ فِيمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الاذی یصیب النعل، رقم الحدیث:384

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی بئر بضاعۃ، رقم الحدیث:66

الْكِلَابَ وَالسِّبَاعَ تَرِدُ عَلَيْهَا فَقَالَ: «لَهَا مَا أَخَذَتْ فِي بُطُونِهَا وَلَنَا مَا بَقِيَ شَرَابٌ وَطَهُورٌ»[1]

"حوضوں کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا وہ حوض جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے آپ ﷺ سے کہا گیا: کہ کتے اور درندے ان جگہوں سے پانی پیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے جو درندوں نے اپنے پیٹوں میں پکڑا وہ ان کے لیے اور ہمارے لیے جو باقی بچا پینے کا پانی وہ پاک ہے۔"

اس کی مزید وضاحت سنن ابن ماجہ میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، تَرِدُهَا السِّبَاعُ، وَالْكِلَابُ، وَالْحُمُرُ، وَعَنِ الطَّهَارَةِ مِنْهَا؟ فَقَالَ «لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بُطُونِهَا، وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُورٌ»[2]

"نبی (ﷺ) سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہیں کہ ان پر درندے کتے اور گدھے آتے ہیں ان سے طہارت کرنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں اٹھالیا وہ ان کا اور جو بچ گیا وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔"

جامع الترمذی میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ المَاءِ يَكُونُ فِي الفَلَاةِ مِنَ الأَرْضِ، وَمَا يَنُوبُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ المَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الخَبَثَ»[3]

"رسول اللہ (ﷺ) سے میدانوں اور جنگلوں کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر درندے اور چوپائے بار بار آتے ہیں آپ (ﷺ) نے فرمایا جب پانی دو قلوں کی مقدار میں ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔"

مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اکثر اوقات ان کا پیشاب اور گوبر، کپڑوں اور جسم وغیرہ پر لگ جاتا ہے کوشش کے باوجود اس سے بچنا ممکن نہیں ہے رسول اکرم ﷺ نے اس میں سہولت اور آسانی پیدا کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا أُكِلَ لَحْمُه»[4]

"جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے بول میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

گھروں میں یا مسجد میں اگر کوئی پلید جانور داخل ہو جائے تو وہ جگہ اس کے آنے سے ناپاک نہیں ہوتی یہ بھی عمومی تنگی تھی

---

(1) سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب الماء المتغیر، رقم الحدیث:56

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الحیاض، رقم الحدیث: 519

(3) جامع الترمذی، ابواب الطہارۃ، باب منہ آخر، رقم الحدیث:67

(4) سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب نجاسۃ والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ، رقم الحدیث:460

جس کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں کتے وغیرہ مسجد میں آجاتے تھے تو ان کے آنے کی وجہ سے مسجد کو دھویا نہیں جاتا تھا۔

حضرت حمزہ بن عبد اللہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں۔

«كَانَتِ الكِلاَبُ تَبُولُ، وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي المَسْجِدِ، فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ»[1]

"رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں کتے پیشاب کر دیتے تھے پس آپ ﷺ اس پر کوئی چیز نہیں بہاتے تھے۔"

مذکورہ بالا ادلہ اس بات کی مکمل صراحت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کی تنگی اور دشواری کو دیکھ کر ان کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کیا کرتے تھے تاکہ احکام کی بجا آوری میں آسانی اور تیسیر موجود رہے۔

حرج (تنگی):

تیسیر، سہولت اور آسانی کو کھینچنے والے اسباب میں سے ایک اہم سبب 'حرج' ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک جگہوں پر صراحت موجود ہے کہ دین میں کوئی عسر اور تنگی نہیں ہے۔ جہاں کہیں تنگی اور مشکل پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلفین پر آسانی، تیسیر اور سہولت میں تبدیل کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا * اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾[2]

"پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تعسیر کے بعد تیسیر کا ذکر فرمایا ہے اس کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات پختہ ہو جائے کہ تنگی کے بعد آسانی لازم ہے۔

ایک اور آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو یوں واضح کیا ہے:

﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾

"بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرما دے۔"[3]

یعنی جو تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کر دیتا ہے اور جو آدمی عدم تقویٰ

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، رقم الحدیث: 174

(2) الشرح 94: 5-6

(3) الطلاق 65: 7

، کنجوسی اور لاپرواہی سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی، عسر، دشواری اور مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔

اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى * وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى * فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى * وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى * وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى * فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾[1]

"تو جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ اور بھلائی کو سچ مانا۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی۔ اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔"

رسول اکرم ﷺ لوگوں کی بشری کمزوریوں اور مجبوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے لیے بہت ساری رعائتیں اور سہولتیں پیدا کر دیتے تھے تاکہ لوگوں کے لیے جو چیز عسر اور تنگی کا باعث بن رہی ہو اس کا خاتمہ ہو سکے۔

سونا پہننا مرد کے لیے حرام ہے سونا پہننے والے مرد کے لیے احادیث میں سخت وعید بیان ہوئی ہے لیکن ایک صحابی رسول ؑ بیان کرتے ہیں کہ میری ناک کٹ گئی تھی میں نے چاندی کی بنوا کر لگائی تھی اس میں سے بدبو آنا شروع ہو گئی تو رسول اکرم ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ تم سونے کی ناک بنوا کر لگالو۔

عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« أُصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الكُلَابِ فِي الجَاهِلِيَّةِ، فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ، فَأَنْتَنَ عَلَيَّ «فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ»[2]

"زمانہ جاہلیت میں ایک دن کتے نے میرا ناک کو نوچ لیا۔ پس میں نے چاندی کا ناک لگوالیا۔ پھر مجھے اس میں بدبو آنا شروع ہو گئی۔ پس نبی اکرم ﷺ نے سونے کا ناک لگوانے کا مجھے حکم دیا۔"

یعنی رسول اکرم ﷺ نے ان کی تنگی اور دشواری کی بنا پر ان کے لیے سونے کی ناک بنانے کی اجازت دے دی تاکہ ان کی تنگی کا خاتمہ ہو سکے۔

مردوں کے لیے ریشم پہننا جائز نہیں ہے ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے لیکن آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی دشواری اور پریشانی کو دیکھا تو ان کو ریشم پہننے کی اجازت دے دی تاکہ ان کی مشکلات میں کمی آسکے۔

حضرت انسؓ کو بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ الزُّبَيْرَ، وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا شَكَيَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُمَّلَ فِي

---

(1) اللیل 92: 5-10

(2) جامع الترمذی، ابواب اللباس، باب ماجاء فی شد الانسان بالذہب، رقم الحدیث: 1770

غَزَاةٍ لَهُمَا ۚ فَأَذِنَ لَهُمَا فِي قَمِيصِ الْحَرِيرِ . قَالَ أَنَسٌ : " فَرَأَيْتُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَمِيصَ حَرِيرٍ »[1]

"عبدالرحمن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ نے ایک جنگ کے دوران رسول اللہ (ﷺ) سے جوئیں پڑنے کی شکایت کی تو آپ (ﷺ) نے ان دونوں کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے ان دونوں کو یہ کرتے پہنے ہوئے دیکھا ہے "

دین اسلام اپنے تمام اصولی ضابطوں میں آسان دین ہے اس میں افراد کے مدارج استطاعت، احوال، مساکن کی پوری پوری رعایت موجود ہے۔ اسباب تیسیر سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام میں وسعت اور گنجائش موجود ہے، جو انفرادی اور اجتماعی دشواریوں کا خاتمہ کرتی ہے۔

---

(1) البیہقی، احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، کتاب صلاۃ الخوف، باب الرخصة فیما یکون حبة من ذلک فی الحرب، رقم الحدیث:6072، دار الکتب العلمیہ ،بیروت، لبنان، 2003ء

2

فصلِ دوم

اسالیبِ تیسیر

اسالیبِ تیسیر

تیسیر، سہولت اور آسانی شریعت اسلامیہ کا خاصہ ہے جس قدر تیسیر دین اسلام میں موجود ہے دنیا کے کسی مذہب میں یہ گنجائش اور وسعت موجود نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں لوگوں کے اعتقادات اور اعمال کی اصلاح کرتے ہوئے ان کی طبائع کو نظر انداز نہیں کیا گیا اگر کہی سزا کی بات ہوئی تو وہاں خدا کی رحمت کے پہلو کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

انسان طبعاً تھکاوٹ، حرج کو ناپسند کرتا ہے گنجائش، وسعت اور سہولت اس کی پسندیدہ ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ترغیب وترہیب میں دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے یعنی عین فطرت کے مطابق انسان کے اعتقادات اور اعمال کی اصلاح فرمائی ہے۔

امام الشاطبی 'الموافقات' میں لکھتے ہیں:

"ومنها: أن تكون التكاليف الاعتقادية والعملية مما يسع الأمي تعقلها، ليسعه الدخول تحت حكمها. أما الاعتقادية بأن تكون من القرب للفهم، والسهولة على العقل، بحيث يشترك فيها الجمهور من كان منهم ثاقب الفهم أو بليدًا، فإنها لو كانت مما لا يدركه إلا الخواص، لم تكن الشريعة عامة، ولم تكن أمية، وقد ثبت كونها كذلك"[1]

> "اور ایک بات یہ ہے کہ اعتقادی یا عملی تکلیف اس قدر ہونی چاہیے جو امیوں کی سمجھ میں آسکے تاکہ وہ اس کے حکم کے تحت داخل ہوسکیں۔ اعتقادی تکلیف کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قریب الفہم ہو اور اس کے سمجھنے میں آسانی ہوتا، کہ اس میں اکثریت کا اشتراک ہوسکے خواہ کوئی تیز فہم والا ہو یا کند ذہن۔ کیونکہ اگر تکلیف ہی ایسی ہو جسے صرف خواص سمجھ سکیں تو شریعت عام نہ رہے گی اور نہ ہی امی ہوگی۔ حالانکہ اس کا امی ہونا ثابت ہوچکا ہے۔"

امام شاطبی مزید لکھتے ہیں:

"وأما العمليات، فمن مراعاة الأمية فيها أن وقع تكليفهم بالجلائل في الأعمال والتقريبات في الأمور، بحيث يدركها الجمهور كما عرف أوقات الصلوات بالأمور المشاهدة لهم، كتعريفها بالظلال، وطلوع الفجر والشمس، وغروبها وغروب الشفق، وكذلك في الصيام في قوله تعالى: {حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ} [البقرة: 187]، ولما كان فيهم من حمل العبارة على حقيقتها، نزل4: {مِنَ الْفَجْرِ.}وفي الحديث: "إذا أقبل الليل من هھنا، وأدبر النهار من هھنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم"وقال:"نحن أمة أمية لا نحسب ولا نكتب، الشهر هكذا وهكذا"وقال:"لا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين"ولم يطالبنا بحساب مسير الشمس مع

---

(1) الموافقات،2/141

القمر في المنازل، لأن ذلك لم يكن من معهود العرب ولا من علومها3، ولدقة الأمر فيه، وصعوبة الطريق إليه4، وأجرى لنا غلبة الظن في الأحكام مجرى اليقين، وعذر الجاهل فرفع عنه الإثم، وعفا عن الخطأ، إلى غير ذلك من الأمور المشتركة للجمهور، فلا يصح الخروج عما حد في الشريعة، ولا تطلب ما وراء هذه الغاية، فإنها مظنة الضلال، ومزلة الأقدام."(1)

"اور عملیات کا معاملہ یہ ہے کہ شریعت کے امی ہونے کی مراعات میں سے ایک یہ ہے کہ اوامر میں بڑے بڑے اعمال اور تقریبات کی تکلیف اس انداز سے واقع ہوئی ہے جسے اکثریت سمجھ سکتی ہے جیسے مشاہداتی امور سے نمازوں کے اوقات کی پہچان کہ انہیں سایوں طلوع فجر طلوع وغروب آفتاب اور شفق کے غروب ہونے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح روزوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے نمایاں ہو جائے۔ صحابہ میں سے کسی نے اس عبادت کو حقیقت پر محمول کیا تو من الفجر کے الفاظ نازل ہوئے اور حدیث میں ہے۔ جب رات ادھر سے آگے بڑھے اور دن ادھر سے پیچھے ہٹ جائے اور سورج غروب ہو جائے تو اس وقت روزہ دار روزہ کھولے۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم ان پڑھ امت ہیں نہ حساب کرنا جانتے ہیں اور نہ لکھنا۔ مہینہ اتنا اور اتنا ہوتا ہے۔" نیز فرمایا: "جب تک نیا چاند دیکھ نہ لو، روزے شروع نہ کرو اور اسے دیکھنے پر روزے ختم کرو پھر اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔" شریعت نے ہم سے سورج اور چاند کی منازل میں چلنے کا حساب جاننے کا مطالبہ نہیں کیا۔ عربوں کے ہاں نہ یہ معروف تھا اور نہ ان کے علوم سے تھا کیونکہ اس کام میں دقت اور یہ راستہ مشکل تھا۔ لہٰذا شریعت نے ہمارے لیے غالب ظن کو قائم مقام قرار دیا اور نہ جاننے والے کے عذر کو قبول کیا۔ اس سے گناہ کو اٹھا دیا اور اس کی خطا کو معاف فرمایا۔ اسی طرح کے دوسرے امور بھی ہیں جن میں اکثریت کا اشتراک ہے۔ لہٰذا شریعت کی قائم کردہ حدود سے خروج اور اس کی غایت سے ماوراء کسی چیز کی طلب درست نہیں ہے کیونکہ یہ بات گمراہی کی مظنہ اور قدموں کے پھسلنے ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عقائد اور احکام میں ایسی اشیاء کا مکلف نہیں بنایا جو ان کے لیے ناقابل تحمل یا باعث مشقت ہوں۔

رسول اللہ ﷺ بھی اپنی امت کے ساتھ انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ اور اپنی امت کے لیے حکم خداوندی کی تبیین و تشریح کرتے وقت امت کے حق میں تیسیر، آسانی اور سہولت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے جو احکام خداوندی کی تشریح و توضیح فرمائی اس میں تیسیر یا آسانی کا پہلو اختیار کرنے کا مقصد اور ہدف یہ تھا کہ میں نہ پڑ جائیں دین اسلام کے احکام کی پیروی آسان ہو اور ان کو احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کی دقت اور مشقت۔

رسول اکرم ﷺ نے شریعت اسلامیہ کی تعبیر و تشریح میں جو سہولت اور تیسیر سے کام لیا ہے اس کا مقصد اور ہدف یہ تھا

---

(1) الموافقات، 2/ 143-145

کہ احکام کی بجاآوری میں مسلمان دقت اور حرج محسوس نہ کریں اور مشکلات اور تنگی کی وجہ سے راہ فرار اختیار نہ کریں بلکہ وہ خوش دلی کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔

امت مسلمہ کے لیے تیسیر اور سہولت پیدا کرنے کے لیے آپؐ نے کئی ایک طریقے اپنائے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ادائیگی عبادات میں تیسیر:

آپ ﷺ کا اپنی امت کے لیے دین اسلام میں آسانی، سہولت اور تیسیر پیدا کرنے کا ایک اسلوب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے جب دیکھا کوئی عبادت لوگوں کے لیے مشکلات اور تنگیوں کا باعث بن رہی ہے تو آپ ﷺ نے اس میں تخفیف یا رخصت کر دی۔

نماز دین اسلام کی اہم عبادت ہے اور اس عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کا منہ صاف ہو کیونکہ اس عبادت کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ لوگ نماز کی ادائیگی سے قبل مسواک کو لازم ٹھہرائیں تاکہ منہ سے کسی قسم کی بدبو نہ آئے۔ لیکن خواہش کے باوجود مسواک کو نماز کی شرط قرار نہیں دیا کہ امت کے لیے یہ باعث دشواری نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ»[1]

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اپنی امت پر یا لوگوں پر مشقت نہ جانتا تو میں ضرور ان کو ہر ایک نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔"

رسول اکرم ﷺ نے مسواک کی اہمیت اور فضیلت کو یوں بیان فرمایا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَوَّكُوا فَإِنَّ السِّوَاكَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ مَا جَاءَنِي جِبْرِيلُ إِلَّا أَوْصَانِي بِالسِّوَاكِ حَتَّى لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيَّ وَعَلَى أُمَّتِي وَلَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَفَرَضْتُهُ لَهُمْ وَإِنِّي لَأَسْتَاكُ حَتَّى لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أُحْفِيَ مَقَادِمَ فَمِي»[2]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے اپنی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے دریافت کیا کہ میں نماز کی ادائیگی کیسے کروں تو آپ ﷺ نے ان کی دشواری اور مجبوری کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجمعہ، باب السواک یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 887

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننھا، باب السواک، رقم الحدیث: 289

«صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ»[1]

جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیمار آدمی کے لیے سہولت اور آسانی پیدا فرمائی، وہاں آپ ﷺ نے مسافر کے لیے بھی نماز کی ادائیگی میں تخفیف فرمادی حدیث میں ہے:

«کان رسول الله صلى الله عليه و سلم إذا خرج من أهله مسافرا صلى ركعتين حتى يرجع إلى أهله »[2]

"رسول اللہ ﷺ جب بھی گھر سے سفر کے لیے نکلتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے (سفر میں) یہاں تک کہ واپس گھر لوٹ آتے۔"

رسول اکرم ﷺ نے ایک مسافر کو دوران سفر روزہ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی رخصت کے باوجود تم نے خود کو مشقت اور تنگی میں مبتلا کیا ہوا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنْ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ»[3]

"رسول اللہ ﷺ ایک سفر (غزوہ فتح) میں تھے آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے آپ نے دریافت فرمایا اس کو کیا ہوا تو لوگوں نے کہا کہ یہ روزہ دار ہے تو آپؐ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کچھ اچھا کام نہیں ہے۔"

رسول اکرم ﷺ ان امور سے منع کر دیتے تھے جو لوگوں کے لیے شفقت اور دشواری کا باعث بنتے تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ»[4]

"میری بہن نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ تک وہ پیدل جائے گی پھر انہوں نے مجھ سے کہا تم اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے بھی پوچھ لو چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پیدل چلیں اور سوار بھی ہو جائیں۔"

رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے کس قدر شفقت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب التقصیر الصلاۃ، باب اذا لم یطلق قاعداً صلی علی جنب، رقم الحدیث:1117

(2) المعجم اللطبرانی، باب العین، رقم الحدیث:12712

(3) الجامع الصحیح، کتاب الصوم فی السفر، باب قول النبی ﷺ لمن ظلہ علیہ واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر، رقم الحدیث:1946

(4) الجامع الصحیح، کتاب جزاء الصید، باب من نذر المشی الی الکعبۃ، رقم الحدیث:1866

ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ رضی اللہ عنہم نے غربت اور افلاس کی وجہ سے صدقہ کے ثواب سے محرومی کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا اگر مال ودولت کی کمی کی وجہ سے تم صدقہ نہیں کر سکتے تو پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے باقی امور میں بھی تمہارے لیے صدقہ کی طرح کا ثواب موجود ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

«أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ قَالَ أَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَّدَّقُونَ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيَأتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ قَالَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرًا»(1)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ساتھیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! زیادہ مال رکھنے والے اجر و ثواب لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے ضرورت سے زائد مالوں سے صدقہ کرتے ہیں (جو ہم نہیں کر سکتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اللہ تعالی نے تمھارے لئے ایسی چیز نہیں بنائی جس سے تم صدقہ کر سکو؟ بے شک ہر دفعہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ ہر دفعہ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کی تلقین کرنا صدقہ ہے اور بُرائی سے روکنا صدقہ ہے اور (بیوی سے مباشرت کرتے ہوئے) تمھارے عضو میں صدقہ ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کوئی اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بتاؤ اگر وہ یہ (خواہش) حرام جگہ پوری کرتا تو کیا اسے اس کا گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال جگہ پوری کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ و خیرات کے بارے میں مزید فرمایا:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قِيلَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ يَعْتَمِلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالَ قِيلَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ قَالَ يُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالَ قِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ قَالَ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ أَوْ الْخَيْرِ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ يُمْسِكُ عَنْ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ»(2)

" ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے" کہا گیا: آپ کا کیا خیال ہے اگر اسے (صدقہ کرنے کے لئے کوئی چیز) نہ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکات، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، رقم الحدیث: 53

(2) صحیح مسلم، کتاب الزکات، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، رقم الحدیث: 55

ملے؟فرمایا:"اپنے ہاتھوں سے کام کرکے اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ (بھی) کرے۔اس نے کہا:عرض کی گئی، آپ کیا فرماتے ہیں اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھے؟فرمایا:"بے بس ضرورت مند کی مدد کرے۔کہا، آپ سے کہا گیا:دیکھئے!اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھے؟فرمایا:"نیکی یا بھلائی کا حکم دے۔کہا:دیکھئے اگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے؟فرمایا:وہ(اپنے آپ کو)شر سے روک لے،یہ بھی صدقہ ہے۔"

جہاد فی سبیل اللہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ایک اہم عبادت ہے،رسول اکرم ﷺ نے اس عبادت میں مسلمانوں کی مشقت اور دشواری دیکھ کر اس میں آسانی اور سہولت پیدا کرتے ہوئے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ أَبَدًا وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ»[1]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!جو زخم بھی اللہ کی راہ میں لگایا جاتا ہے(تو زخم کھانے والا) قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا جس حالت میں اس کو زخم لگا تھا،اس(زخم)کا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو کستوری کی،اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی بھی لشکر سے مختلف رویہ اپناتے ہوئے (گھر میں) نہ بیٹھتا،لیکن میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ میں سب مسلمانوں کو سواریاں مہیا کرسکوں اور نہ ہی ان (سب) کے پاس اتنی وسعت ہوتی ہے اور یہ بات ان کو بہت شاق گزرتی ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کردیا جاؤں،پھر جہاد کروں،پھر قتل کردیا جاؤں اور پھر جہاد کروں،پھر قتل کردیا جاؤں۔"

امام نووی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وفیه ما كان علیه صلى الله علیه و سلم من الشفقة على المسلمين والرأفة بهم وأنه كان يترك بعض ما يختاره للرفق بالمسلمين وأنه اذا تعارضت المصالح بدأ بأهمها وفيه مراعاة الرفق بالمسلمين والسعى فى زوال المكروه والمشقة عنهم"[2]

"اس میں ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں پر شفقت اور نرمی کا معاملہ کرتے اور آپ ﷺ کچھ ان منتخب چیزوں کو مسلمانوں پر نرمی کرنے کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے اور جب مصالح میں تعارض ہوجائے تو آپ ﷺ ان میں سے سب سے اہم سے ابتداء کرتے۔اور اس میں بھی مسلمانوں پر نرمی کی رعایت ملحوظ رکھتے اور ان سے مشقت

(1) صحیح مسلم،کتاب الامارۃ،باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ،رقم الحدیث:103

(2) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج،13/22

اور ناپسند چیزوں کے خاتمہ کے لیے کوشش کرتے۔"

عبادات اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان تقرب کا ذریعہ ہے اس میں بھی رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت پر مہربانی اور شفقت کرتے ہوئے آسانی اور رخصت عنایت فرمائی ہے تاکہ مسلمان عبادات جیسے اہم امور میں بھی تیسیر اور سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

دشوار اور مشکل امور میں تدریج:

امت مسلمہ کے لیے جن امور کی پابندی کرنا دشوار تھا آپ ﷺ ان امور میں ذہن سازی کرنے کے بعد آہستہ آہستہ ان کی پابندی کا حکم دیا کرتے تھے تاکہ عمل کرنے میں آسانی اور سہولت رہے۔ اگر آپ ﷺ دشوار اور مشکل کاموں کا فوراً حکم دیتے تو مسلمانوں کے لیے عمل کرنے میں تنگی پیدا ہو جاتی۔ دین اسلام کی اسی خاصیت کو سیدہ عائشہؓ نے ایک عراقی کے سوال کے جواب میں واضح فرمایا:

«فَقَالَ أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ قَالَتْ وَيْحَكَ وَمَا يَضُرُّكَ قَالَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ قَالَتْ لِمَ قَالَ لَعَلِّي أُوَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ قَالَتْ وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنْ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا»[1]

> "اس نے پوچھا کون سا کفن بہتر ہے؟ انہوں نے کہا افسوس ہے تجھ پر تجھے کیا چیز تکلیف دیتی ہے اس نے کہا مجھے اپنا مصحف دکھائیے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ میں قرآن کو اس کی ترتیب کے موافق کرلوں کیونکہ لوگ ترتیب کے خلاف پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ جو آیت بھی چاہو پہلے پڑھ لو سورت مفصل میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیت نازل ہوئی۔ اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔"

نماز دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس کی رکعات میں بھی تدریج سے کام لیا گیا ہے۔ ابتداء میں صرف دو رکعات نماز تھی جب لوگوں کو اس کی عادت پڑ گئی اور دو رکعت نماز ادا کرنے میں دشواری اور دقت کا خاتمہ ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے بندوں پر چار رکعات کو فرض فرمایا:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، رقم الحدیث: 4993

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَى الْمُسَافِرِ رَكْعَتَيْنِ، وَعَلَى الْمُقِيمِ أَرْبَعًا، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً»(1)

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان سے نماز فرض کی حضر (جب مقیم ہوں) میں چار رکعتیں سفر میں دو رکعتیں اور خوف (جنگ) میں (امام کے ساتھ) ایک رکعت (پھر اس کی امامت کے بغیر ایک رکعت)"

رسول اکرم ﷺ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کرنے کے خواہاں تھے۔ آپ ﷺ کی کوشش اور خواہش یہ ہوتی تھی کہ لوگوں کو تنگی اور حرج سے بچایا جائے۔ نماز کے بعد دین اسلام کے اہم امور میں زکوۃ ہے قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ نماز اور زکوۃ کا اکٹھا ذکر ہوا ہے، جس سے زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کس قدر اہم فریضہ ہے۔ بوقت ضرورت جہاد بھی مسلمانوں پر فرض ہے جہاد کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں قرآن مجید اوراحادیث میں متعدد دلائل ہیں جو اس کے مقام کو واضح کرتے ہیں۔ یہ دونوں کام دین اسلام کے اہم امور میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس قبیلہ ثقیف کے لوگ آئے تو انہوں آپ ﷺ کی مشروط بیعت کی کہ ہمیں زکوٰۃ اور جہاد دونوں امور سے استثناء دیا جائے تو آپ ﷺ نے ان کی شرائط کو تسلیم کر لیا۔

راوی بیان کرتے ہیں:

«سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ شَأْنِ ثَقِيفٍ إِذْ بَايَعَتْ قَالَ اشْتَرَطَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهَا وَلَا جِهَادَ وَأَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ يَقُولُ سَيَتَصَدَّقُونَ وَيُجَاهِدُونَ إِذَا أَسْلَمُوا»(2)

"میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بنی ثقیف نے جب رسول اللہ (ﷺ سے بیعت کی تھی تو کیا شرط رکھی تھی؟ انہوں نے کہا شرط یہ تھی کہ ہم نہ تو زکوٰۃ دیں گے اور نہ جہاد کریں گے جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے سنا رسول اللہ (ﷺ) فرماتے تھے جب وہ مسلمان ہو جائیں گے تو امید ہے وہ صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔"

تدریج سے احکام پر عمل پیرا ہونے میں وسعت اور سہولت ہوتی ہے اس لیے رسول اکرم ﷺ اس کا نہ صرف خود اہتمام فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے اصحابؓ میں سے کسی کو دعوت و تبلیغ کے لیے کسی علاقہ کی طرف روانہ کرتے تو اسے بھی تدریج سے کام لینے کا حکم دیتے تھے تاکہ لوگ حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ

(1) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب ماصلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم الحدیث: 687
(2) سنن ابی داوٗد، کتاب الخراج والامارۃ والفیئی، باب ماجاء فی خبر الطائف، رقم الحدیث:3025

أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ»[1]

”نبی (ﷺ) نے معاذؓ کو یمن بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم انہیں یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی۔“

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر ایک مسلمان کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں بھی آپؐ نے تدریج کا حکم دیا ہے کہ جب منکرات کو دیکھو تو اس کی ممانعت کے لیے تدریج کا دامن نہ چھوڑو۔ رسول اکرم ﷺ نے منکرات سے منع کرنے کی جو ترتیب بیان فرمائی اسے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

«مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ بِلِسَانِهِ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»[2]

”جو شخص تم میں سے برائی کو دیکھے پس اگر اس کے پاس اپنے ہاتھ کے ساتھ اس برائی کو روکنے کی طاقت ہو پس چاہیے وہ اپنے ہاتھ سے روکے پس اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنے دل میں اس کو برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“

امور تیسیر کو خود اختیار کرنا:

رسول اکرم ﷺ کا ایک اسلوب اور طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ آسان کام کو اختیار کرتے تھے تاکہ لوگ آسانی اور سہولت سے استفادہ کو معیوب نہ جانیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ اور واجب اطاعت واتباع ہے اسی لیے آپ ﷺ احکام کی بجا آوری میں مشکل امور کی بجائے آسان امور کو ترجیح دیتے تھے کہ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت باقی رہے اور وہ تنگی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

آپ ﷺ کے اسی اسلوب اور طریقہ کو حضرت عائشہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے:

«مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ»[3]

” رسول اللہ ﷺ دو معاملوں میں جو ان دونوں میں زیادہ آسان ہوتا اس کو اختیار کرنے والے تھے مگر جب وہ گناہ والا ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں میں سے سب سے زیادہ دور ہونے والے ہوتے آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جب اللہ کی حرمت کو پامال کیا گیا (تو انتقام لیا)“

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکاۃ، رقم الحدیث: 1395

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، رقم الحدیث: 4013

(3) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مساعدتہ ﷺ للآثام واختیارہ من المباح، رقم الحدیث: 2327

رسول اللہ ﷺ کی کئی ایک احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ مجبوری اور سفر کی حالت میں جمع بین الصلاتین میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر کوئی بغیر کسی عذر اور سفر کے بھی جمع بین الصلاتین کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے اس کی رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف رخصت دی بلکہ آپ ﷺ نے اس پر خود بھی عمل کیا تاکہ آپ کے متبعین اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ قَالَ سَعِيدٌ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ قَالَ أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ»(1)

"ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا۔ سعید نے کہا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا تھا۔ انہوں نے کہا آپ نے چاہا اپنی امت کو حرج (اور تنگی) میں نہ ڈالیں۔"

رسول اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف نکلے تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ روزہ کی حالت میں تھے رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی مشقت اور تنگی کو دیکھتے ہوئے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور پانی پی لیا تو آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے چند ایک کے سوا سب نے روزہ افطار کر لیا تو آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ بعض صحابہؓ نے یہ سوچ کر روزہ نہیں افطار کیا کہ جلد ہی مغرب کا وقت ہونے والا ہے تبھی روزہ افطار کریں گے۔ تو آپؐ اس پر سخت ناراض ہوئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهَّ صَلَّى اللهُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمْ الصِّيَامُ وَإِنَّ النَّاسَ يَنْظُرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَشَرِبَ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ وَصَامَ بَعْضُهُمْ فَبَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا فَقَالَ أُولَئِكَ الْعُصَاةُ»(2)

"رسول اللہ (ﷺ) فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ (ﷺ) نے روزہ رکھا یہاں تک کہ کراع الغمیم کے مقام تک پہنچے۔ آپ (ﷺ) کے ساتھ لوگوں نے بھی روزے رکھے۔ پھر آپ (ﷺ) سے کہا گیا کہ لوگوں پر روزہ بھاری ہو گیا اور وہ آپ (ﷺ) کے فعل کے منتظر ہیں، آپ (ﷺ) نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور پی لیا۔ لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو دیکھ رہے تھے پس بعض نے روزہ افطار کر لیا اور بعض نے افطار نہ کیا جب یہ خبر رسول اللہ (ﷺ) کو پہنچی کہ کچھ لوگوں نے پھر بھی روزہ نہیں توڑا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں۔"

---

(1) ایضاً، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الجمع بین صلاتین فی الحضر، رقم الحدیث: 705

(2) جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی کراھیۃ فی السفر، رقم الحدیث: 710

حالات و مصالح کا لحاظ:

رسول اللہ ﷺ حالات و مصالح کا لحاظ رکھتے تھے تاکہ لوگوں کو مشکلات اور دشواریوں سے بچایا جائے۔ آپ ﷺ نے بعض کام حالات اور مصالح کی بنا پر نہیں کئے کیونکہ آپ ﷺ اگر وہ کام کرتے تو لوگوں کی طبع اس کام کو جلد قبول نہ کرتی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے متبعین کے لیے یہ سہولت اور آسانی پیدا کرتے ہوئے ان کی طبع کا خیال رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کو قبول نہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ کعبہ کی تعمیر اسی بنیاد پر ہو، جہاں ابراہیمؑ نے کی تھی لیکن آپ ﷺ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو اس لیے آپ ﷺ نے اپنی خواہش پر عمل نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْجَدْرِ أَمِنْ الْبَيْتِ هُوَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَلِمَ لَمْ يُدْخِلُوهُ فِي الْبَيْتِ قَالَ إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمْ النَّفَقَةُ قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا قَالَ فَعَلَ ذَلِكِ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ لَنَظَرْتُ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَأَنْ أُلْزِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ»[1]

> ”میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے حطیم کی دیوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ بیت اللہ میں شامل ہے یا نہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ہاں میں نے عرض کیا کہ پھر اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے لوگوں کے پاس اس کا خرچہ کم ہو گیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا دروازہ بلند کیوں ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے لوگوں نے اس طرح کیا ہے تاکہ جسے چاہیں داخل کریں اور جسے چاہیں روک دیں اور اگر تمہاری قوم کے لوگوں نے نیا نیا کفر نہ چھوڑا ہوتا اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ انہیں ناگوار لگے گا تو میں حطیم کی دیواروں کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اس کے دروازے کو زمین کے ساتھ ملا دیتا۔“

یعنی آپ ﷺ نے باوجود خواہش کے ایک مستحب کام اس لیے نہ کیا کہ اس کی وجہ سے کہ لوگوں میں بدگمانی پیدا ہو گی اور اس کو قبول کرنے میں ان کو دقت ہو گی۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے منافقوں کی شرارتوں اور سازشوں کے باوجود مصلحت کے پیش نظر ان کو سزا نہ دی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَمَّعَهَا اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا كَسَعَ رَجُلٌ مِنْ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جدار الکعبۃ وبابھا، رقم الحدیث:405

الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ قَالَ جَابِرٌ وَكَانَتْ الْأَنْصَارُ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ أَوَقَدْ فَعَلُوا وَاللَّهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»[1]

"ہم ایک جنگ میں تھے ایک مہاجر نے کسی انصاری کو مارا انصاری نے (مدد کے لئے) پکار کر کہا کہ اے جماعت انصار! اور مہاجر نے بھی پکار کر کہا اے جماعت مہاجرین! تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ (ﷺ) کو یہ سنادیا آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا انصاری نے مدد کے لئے پکارا کہ اے جماعت انصار! اور مہاجر نے بھی مدد کے لئے پکارا کہ اے جماعت مہاجرین! تو آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ اس قسم کی پکار چھوڑ دو یہ برا کلمہ ہے حضرت جابرؓ نے کہا کہ جب آنحضرت (ﷺ) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو اس وقت انصار کی تعداد زیادہ تھی پھر اس کے بعد مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ان مہاجروں نے ایسا کیا ہے۔ اللہ کی قسم اگر اب ہم مدینہ کی طرف دوبارہ لوٹ کر گئے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں نبی (ﷺ) نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ نماز کو لمبا کرنے کی خواہش کے باوجود آپ لوگوں کے حالات یا مجبوری کی وجہ سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»[2]

"میں جب کسی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس نماز کو لمبا کروں پس جب میں کسی بچے کی رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ اس تنگی کو ناپسند کرتے ہوئے جو اس کی ماں پر ہوتی ہے۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ: یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ، رقم الحدیث: 4907

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب من اخو الصلوۃ عند بکاء الصبی، رقم الحدیث: 707

ادائیگی عبادات میں اکثریت کی خواہش کا لحاظ:

رسول اکرم ﷺ نے عبادات میں ان باتوں کو شامل کیا جن کو جہاں تک اکثر لوگ پسند کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے ان چیزوں کا خاتمہ کر دیا جن اشیاء کو لوگوں کی طبع پسند نہیں کرتی۔ آپ ﷺ لوگوں کا خیال فرماتے تھے کہ عبادات کی وجہ سے دل میں تنگی نہ پیدا ہو جہاں کہیں آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ لوگوں کے ہاں یہ بات پسندیدہ نہیں ہے تو آپ ﷺ اس کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو دعوت و تبلیغ کا جو طریقہ بتایا تھا، اس میں بھی آپؐ نے اکثریت کا لحاظ اور خیال رکھنے کی ترغیب دلائی، آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو بغیر وقفہ سے دعوت و تبلیغ کی ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ کی نصیحت کا اثر صحابہ کرامؓ پر اس قدر ہوا کہ وہ لوگوں کے اشتیاق اور خواہش کے باوجود ہر وقت لوگوں کو واعظ و نصیحت کا کام نہیں کرتے تھے کہ کہیں لوگوں کی طبائع ناپسند نہ کریں۔

شیخ شفیق بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نَنْتَظِرُ عَبْدَ اللهِ إِذْ جَاءَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فَقُلْنَا أَلَا تَجْلِسُ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَدْخُلُ فَأُخْرِجُ إِلَيْكُمْ صَاحِبَكُمْ وَإِلَّا جِئْتُ أَنَا فَجَلَسْتُ فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ فَقَامَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَمَا إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ وَلَكِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا»[1]

> "ہم لوگ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے یزید بن معاویہ آئے ہم نے کہا کیا تم نہیں بیٹھو گے، انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں اندر جاتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے ساتھی کو لے کر آتا ہوں۔ پھر میں آؤں گا اور بیٹھ جاؤں گا، چنانچہ عبداللہ بن مسعود نکلے اور وہ یزید بن معاویہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں یہاں تم لوگوں کی موجودگی سے باخبر تھا۔ لیکن مجھے جس چیز نے باہر نکلنے سے روکا وہ صرف یہ خیال تھا کہ نبی (ﷺ) وعظ کہنے میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہمارے اکتانے کا سبب نہ ہو جائے۔"

آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو بھی اس کا حکم فرمادیا کہ عبادات کی ادائیگی میں اکثریت کا خیال رکھیں تاکہ ادائیگی عبادت لوگوں کے لیے بوجھ نہ بن جائے۔ اس لیے اجتماعی عبادات میں آپ ﷺ نے ہمیشہ تخفیف اور سہولت سے کام لینے کا حکم دیا اور خود بھی اس کا اہتمام فرمایا۔

آپ ﷺ سے ایک آدمی نے اپنے امام کی شکایت کی کہ اس کی نماز میں طوالت کی وجہ سے وہ تاخیر سے نماز ادا کرتا ہے تو

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب الموعظۃ ساعۃ بعد ساعۃ، رقم الحدیث: 6411

آپ ﷺ امام کے اس عمل پر انتہائی غضب ناک ہوئے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی ضروریات کا خیال کیوں نہیں رکھتا۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمْ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ»(1)

"ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ؐ اللہ کی قسم میں صبح کی نماز سے صرف فلاں شخص کے باعث رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے پس میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو کبھی نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ آدمیوں کو عبادت سے نفرت دلاتے ہیں لہٰذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے سو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہئے کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے نماز طویل پڑھانے سے منع فرمایا ہے اور کسی امام کے لیے یہ اجازت نہیں کہ اجتماعی عبادات کی ادائیگی میں وہ اپنے مقتدیوں کا خیال رکھے بغیر امامت کے فرائض سر انجام دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ مِنْهُمْ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»(2)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرنے کیونکہ جماعت میں ضعیف بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں لیکن اکیلا پڑھے تو جس قدر جی چاہے طول دے سکتا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ لوگوں کی پسند اور تکلیف کا عبادات میں اتنا خیال فرمایا کرتے تھے کہ ان کی تنگی اور تکلیف کو دیکھ کر اپنی خواہش کو ترک کر دیتے اور لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا فرماتے تھے۔

عبد اللہ بن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ الانصاری اپنے باپ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»(3)

"میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں میرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز لمبی کروں لیکن کسی بچے رونے کی آواز سن کر نماز

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود، رقم الحدیث، 702

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب اذا صلی لنفسہ، فلیطول ماشاء، رقم الحدیث: 703

(3) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، رقم الحدیث: 868

مختصر کر دیتا ہوں کہ مجھے اس کی ماں کو تکلیف دینا برا معلوم ہوتا ہے۔"

آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی یہی نصیحت فرمائی تھی امامت کراتے وقت نماز کو اختصار سے ادا کیا کریں تاکہ لوگوں کے لیے یہ ادائیگی نماز بوجھ اور تکلیف دہ نہ بنے۔ جماعت میں چونکہ مختلف افراد شامل ہوتے ہیں اور ان کی ضروریات اور مصروفیات کا عام طور پر ان کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہوتا اس لیے آپؐ نے باجماعت نماز کو مختصر ادا کرنے پر زور دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالتَّخْفِيفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نماز ہلکی پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور خود سورہ صافات کے ساتھ ہماری امامت فرماتے۔"

مسجد میں بدبودار چیزیں کھاکے آنے کی ممانعت بھی اس لیے فرمائی کیونکہ بو کو انسانوں کی طبائع پسند نہیں کرتیں اور یہ لوگوں کے لیے نفرت پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے اجتماعیت کی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی۔ خوشبو کو لوگوں کی طبائع پسند کرتی ہیں تو آپ ﷺ نے مسجد میں آنے کے لیے یا جہاں لوگ جمع ہوں وہاں جانے کے لیے خوشبو لگانے کو پسند فرمایا۔

اسی طرح دیگر عبادات روزہ، زکوۃ اور حج میں آپ ﷺ نے اکثریت کی چاہت اور پسند کا لحاظ فرمایا تھا۔

رسم ورواج کالحاظ:

دینی امور میں آسانی اور سہولت کا ایک اسلوب رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی اختیار فرمایا تھا کہ آپ ﷺ جس احکام صادر کرتے ہوئے معاشرتی رسم ورواج کو بھی مد نظر رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے عربوں کے ان تمام رسم ورواج کو جاری رکھا جو شریعت اسلامیہ کی تعلیمات سے متصادم نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے ان تمام رسوم ورواج کو قطعاً ناپسند نہیں کیا تھا جن کی اسلام میں ممانعت نہیں کی گئی تھی۔

رسول اکرم ﷺ معاشرتی رسم ورواج کا جو خیال فرماتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ میں گئے تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے کچھ دن اپنے لیے خوشی کے مخصوص کیے ہوئے تھے معاشرتی آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ان دنوں کی تمہارے ہاں کیا اہمیت اور وقعت ہے تو انہوں نے جواباً کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیلتے کودتے اور جشن مناتے تھے۔ انسانی فطرت اس بات کی متقاضی ہے کہ خوشی ومسرت کے کچھ مواقع ہونے چاہیے جن میں لوگ شان وشوکت کا مظاہرہ کریں اور ایسے دلی جذبہ سے خوشی منائیں کہ ان کی طبائع خوش ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے رسوم ورواج کو دیکھتے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دو دن مسرت وشادمانی کے لیے دیئے ہیں۔

---

(1) سنن النسائی، کتاب الامامۃ، باب الرخصۃ للامام فی التطویل، رقم الحدیث: 827

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ لِأَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ يَوْمَانِ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ قَالَ كَانَ لَكُمْ يَوْمَانِ تَلْعَبُونَ فِيهِمَا وَقَدْ أَبْدَلَكُمْ اللهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى»[1]

"دور جاہلیت کے لوگوں کے لیے سال میں دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے لئے دو دن تھے جن میں تم کھیلا کودا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بجائے دو اچھے دن دے دیے ہیں ایک عید الفطر کا دن اور ایک عید الاضحیٰ کا دن۔"

اہل مدینہ خوشی اور مسرت کے مواقع پر قابل فخر باتوں سے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور قابل فخر اور شجاعت و بہادری کی باتوں کو اشعار میں پڑھتے تھے۔ انہی رسوم اور عادات کی بنا پر ایک موقع پر دو باندھیوں نے اشعار وغیرہ پڑھنے شروع کر دیئے تو آپؐ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُغَنِّيَانِ وَتُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى»[2]

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عائشہؓ کے پاس آئے اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو لڑکیاں تھیں جو دف بجا کر گا رہی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدن پر کپڑا اوڑھا نپے ہوئے تھے، تو ابو بکرؓ نے ان دونوں کو ڈانٹا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ان دونوں کو چھوڑ دو اس لئے کہ یہ عید کے دن ہیں اور یہ دن منیٰ کے ہی"

کھیل کود کا تعلق بھی چونکہ رسوم و رواج کے ساتھ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسوم و رواج کا لحاظ رکھتے ہوئے کھیل کود کو بھی ناپسند نہیں کیا بلکہ اس کی اجازت دی تاکہ انسان اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُمْ أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ يَعْنِي مِنْ الْأَمْنِ»[3]

"میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چھپ کر حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ مسجد میں (جنگی کھیل) کھیل رہے

---

(1) سنن النسائی، کتاب صلاۃ العیدین، رقم الحدیث:1557

(2) الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب قصۃ الحبش النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ارغدۃ، رقم الحدیث:3529

(3) الجامع الصحیح، الجمعۃ، باب اِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَذٰلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوتِ وَالْقُرَى، رقم الحدیث:988

تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا توان کو پر امن چھوڑ دے (یعنی کھیلنے دے)"

عربوں میں اشعار پڑھنے اور گانے کا رواج تھا عام طور عرب لوگ کسی کی مدح یا بہادری وغیرہ کی شاعری کرتے اور گاتے تھے۔ آپ ﷺ نے اہم مواقع پر اچھے اشعار کو پڑھنا ناپسند نہیں فرمایا، چونکہ یہ عرب کا رواج تھا آپ ﷺ نے اس کا لحاظ رکھا تاکہ لوگ اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔

حضرت سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں:

«أن امرأة جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال : يا عائشة أتعرفين هذه قالت لا يا نبي الله فقال هذه قينه بني فلان تحبين أن تغنيك قالت نعم قال فأعطاها طبقا فغنتها فقال النبي صلى الله عليه و سلم قد نفخ الشيطان في منخريها »[1]

"ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی آپؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ کیا تو اسے جانتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اے اللہ کے نبی ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بنی فلاں کی مغنیہ ہے کیا تو پسند کرتی ہے کہ وہ تیرے لیے گائے ؟ عائشہؓ نے کہا ہاں ! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو تھال پکڑایا۔ اس نے اس پر گایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تحقیق شیطان نے اس کے نتھنوں میں پھونکا ہے۔"

رسم ورواج وہ طریقے اور عادتیں ہوتیں ہیں جو لوگوں میں یا قوموں میں رائج ہو جاتی ہیں۔ عربوں کے رسم ورواج عام لوگوں سے مختلف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام اور ان کی تعلیم وتربیت کرتے ہوئے ان کے رسوم ورواج کا لحاظ فرمایا تھا تاکہ احکام دین پر عمل پیرا ہونے میں ان کو کوئی حرج یا تنگی نہ ہو۔

اسالیب تیسیر سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے ساتھ کس قدر محبت اور رحمدلی کی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے احوال، مساکن اور استطاعت کا کس قدر خیال فرماتے تھے اور لوگوں کی ضروریات وحاجیات کے ساتھ ساتھ ان کی پسند اور ناپسند کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے جو مختلف طرق سے اپنی امت کے لیے تیسیر، سہولت اور آسانی پیدا فرمائی ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ احکام دین پر عمل پیرا ہونے میں کسی کے لیے مشقت اور تکلیف نہ ہو۔

حافظ ابن قیم نے شریعت اسلامیہ کی آسانی اور سہولت یوں بیان فرمایا:

"فإن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد وهي عدل كلها ورحمة كلها ومصالح كلها وحكمة كلها فكل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور وعن الرحمة إلى ضدها وعن المصلحة إلى المفسدة وعن الحكمة إلى العبث فليست من الشريعة وإن أدخلت فيها بالتأويل فالشريعة عدل الله بين عباده ورحمته بين خلقه وظله في أرضه وحكمته الدالة عليه وعلى صدق رسوله ص – أتم دلالة

---

[1] مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث:15720

وأصدقها وهي نوره الذي به أبصر المبصرون وهداه الذي به اهتدى المهتدون وشفاؤه التام الذي به دواء كل عليل وطريقه المستقيم الذي من استقام عليه فقد استقام على سواء السبيل فهي قرة العيون وحياة القلوب ولذة الأرواح فهي بها الحياة والغذاء والدواء والنور والشفاء والعصمة وكل خير في الوجود فإنما هو مستفاد منها وحاصل بها وكل نقص في الوجود فسببه من إضاعتها ولولا رسوم قد بقيت لخربت الدنيا وطوي العالم وهي العصمة للناس وقوام العالم وبها يمسك الله السماوات والأرض أن تزولا فإذا أراد الله سبحانه وتعالى خراب الدنيا وطي العالم رفع إليه ما بقى من رسومها فالشريعة التي بعث الله بها رسوله هي عمود العالم وقطب الفلاح والسعادة في الدنيا والآخرة"[1]

"شریعت کی اساس و بنیاد حکمت پر اور بندوں کے معاشی و معادی (دنیاوی و اخروی) مفادات پر قائم ہے۔ شریعت کلیۃً عدل، ہمہ تن رحمت اور سراپا حکمت ہے۔ پس جو مسئلہ بھی عدل سے نکل کر ظلم کی طرف یا رحمت سے عدم رحمت کی طرف، یا اصلاح سے فساد کی طرف یا حکمت سے نامعقولیت کی طرف جا رہا ہو وہ شریعت نہیں۔ اگرچہ اسے بدلائل (کھینچ تان کر) داخل شریعت کر لیا گیا ہو۔ شریعت تو اللہ تعالیٰ کا ایک نظام عدل ہے اور نظام رحمت ہے جو اس کے بندوں اور اس کی مخلوق کے درمیان رائج کرنے کو دیا گیا ہے۔ زندگی ہو یا غذا و دوا، نور ہو یا شفا اور تحفظ سب کا سرچمہ شریعت ہی ہے۔ وجود میں جو بھی خیر ہے وہ اسی سرچشمہ سے اور اسی کی بدولت حاصل ہوتی ہے اور وجود میں ہر قسم کا نقصان شریعت ہی کو ضائع کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو شریعت دے کر بھیجا ہے وہی قیام عالم کے لیے ستون ہے اور وہی دنیا و آخرت میں فلاح و سعادت کا مرکز ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے ساتھ جو رحم دلی اور محبت کا مظاہرہ کیا ہے اور جو آپؐ نے امت محمدیہ کے لیے گنجائش اور سہولت پیدا فرمائی ہے وہ اس لیے تھی کہ شریعت اسلامیہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کے مقاصد اور ان کی ضروریات وحاجیات کا خیال رکھا جائے۔ امام الشاطبی فرماتے ہیں:

"أن وضع الشرائع إنما هو لمصالح العباد في العاجل والآجل معا"[2]

"شریعت بنائی ہی اس مقصد کے لیے گئی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں بندوں کے مقاصد کو پورا کرے۔"

شیخ عزالدین بن عبد السلام لکھتے ہیں:

" والشريعة كلها مصالح إما تدرأ مفاسد أو تجلب مصالح "[3]

"شریعت پوری کی پوری مصالح پر مبنی ہے خواہ مفاسد کو دور کر کے ہو یا منفعت کو حاصل کر کے۔"

---

(1) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1991ء، 3/11-12

(2) الموافقات، 1997ء، 2/9

(3) عزالدین بن عبد السلام، ابو محمد، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، مکتبہ الکلیات الازہریہ، القاہرۃ، 1/11

اسالیب تیسیر کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے شریعت اسلامیہ کی تعبیر و تشریح میں لوگوں کے حالات ،مصالح ،رسم و رواج اور تدریج کو مد نظر رکھا ہے تا کہ لوگ مشکلات اور پریشانیوں میں آسانی اور سہولت کے نظر انداز نہ کریں اور اسلام کی دی ہوئی رخصتوں اور تخفیفات سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

3

فصلِ سوم

تیسیرِ نبوی ﷺ کا احکام بائبل سے موازنہ

تیسیر نبوی ﷺ کا بائبل مقدس سے موازنہ

اللہ تعالیٰ رحمان، رحیم اور رؤف بالعباد ہے اور اس نے جو اپنے بندوں کو دین تفویض کیا ہے اس میں اپنے بندوں کی سہولت، آسانی اور تیسیر کو ملحوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں سے تنگی کی بجائے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے اپنے بندوں کو ایسے احکام کا مکلف نہیں ٹھہرایا جو ان کے لئے ناقابلِ تحمل یا باعث مشقت ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ انبیاء کرام اپنی اقوام کی آخرت سنوارنے کے ساتھ ساتھ ان کی دنیاوی مشکلات اور پریشانیوں کا آسان ترین حل پیش کرتے رہے۔ جب انبیاء کرام دنیا سے رخصت ہوگئے تو ان کے جانشینوں نے بد عملی سے کام لیا اور دنیاوی مفاد کی خاطر اپنے لئے آسانیاں اور دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مشکلات کو آسان کرنے لئے اور ان کی رہنمائی کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ آپ ان من گھڑت پابندیوں، ناروا بندشوں اور ہر قسم کی زنجیروں کو توڑیں، جو اس کے بندوں کو اس سے دور کرتی ہیں۔ تیسیر اور آسانی شریعتِ محمدی ﷺ کی تعلیمات کا ایک امتیازی وصف ہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی فطری نرم دلی اور طبعی عادتِ عفو و کرم کی وجہ سے امت کے افراد کے لئے سہولت اور آسانی کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی حکمِ خداوندی کی تبیین اور تشریح کرتے تو اپنی امت کے لئے ایسا راستہ منتخب فرماتے جو سہولت اور آسانی پر مبنی ہوتا۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب کو جب کسی علاقہ میں تعلیم اور تبلیغ کی ذمہ داری سونپتے تو ان کو بھی یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور مشکلات سے اجتناب کرنا۔ اس فصل میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے فرامین اور تعلیماتِ بائبل کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعتِ محمدی ﷺ کی تعلیمات میں بائبل کی نسبت بہت زیادہ آسانی، تیسیر اور سہولت پائی جاتی ہے اور مشکلاتِ انسانی کو رفع کیا گیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ ہر معاملہ انسانی میں تیسیر، آسانی اور سہولت کا خیال رکھا کرتے تھے تاکہ دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لوگ مشکلات اور پریشانیوں میں نہ جکڑے جائیں۔ آپ ﷺ لوگوں کی منفعت اور آسانی کے خواہش مند تھے، لوگوں کا مشکلات اور پریشانیوں میں پڑ جانا آپ ﷺ پر گراں گزرتا تھا۔ قرآنِ مجید میں رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾[1]

"تحقیق تمہارے پاس ایسا رسول آیا ہے جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف کی بات گراں گزرتی ہے۔
جو تمہاری منفعت کا خواہشمند رہتا ہے ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی مہربان اور شفیق ہے۔"

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کو بے جا پابندیوں سے چھٹکارہ دلا کر اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیا جائے۔

---

(1) التوبہ 9: 128

ارشاباری تعالیٰ ہے:

﴿وَ يَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ﴾[1]

”وہ ان سے بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔“

نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے متعلق اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں لوگوں کے لئے آسانی اور سہولت کا راستہ پیدا کروں۔

« إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّفًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا »[2]

”اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلمِ یسیر بنا کر بھیجا ہے۔“

صرف یہی نہیں کہ آپ ﷺ خود افراد کے لئے آسانی اور تیسیر کا خیال رکھتے تھے بلکہ آپ اپنے خلفاء، اصحاب اور ورثاء کو بھی اسکا حکم صادر فرمایا، ان کو افراد کے لئے دین میں تیسیر کو اپنانے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کو دین میں سختی کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ چونکہ تیسیر اور آسانی کو پسند کرنے والے تھے اس لئے آپ نے شریعتِ اسلامیہ کی تعبیر و تشریح اس انداز سے فرمائی کہ افراد کے لئے اس کے احکام ناقابلِ تحمل اور باعث مشقت نہ ہوں آپ ﷺ نے سابقہ امم میں موجود سختیوں اور پابندیوں سے انسانوں کو نجات دلائی جو انسان کے لئے مشکلات اور پریشانیوں کا باعث تھیں۔ آپ ﷺ کے فرامین کا سابقہ کتب سماویہ کے احکام سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے احکام کی بجا آوری میں لوگوں کے لئے انتہائی تیسیر اور آسانی کا راستہ اختیار کیا ہے، اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ شریعت کے احکام سے راہِ فرار اختیار نہ کریں بلکہ وہ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں اپنی افادیت کا پختہ یقین کرلیں۔

شریعت اسلامیہ میں آپ ﷺ کی صفت تیسیر کا لو بائبل مقدس سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

یومِ مقدس کے احکام:

یہودیت کے نزدیک سبت کا دن مقدس مانا جاتا ہے اور اس دن کو عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں جو بائبل کے احکام موجود ہیں وہ اسقدر سخت ہیں کہ ان کی بجا آوری انتہائی مشکل امر ہے اور موجودہ حالات میں ان احکام پر عمل پیرا ہونا انسانی استطاعت اور قدرت میں ناممکن ہے۔

کتاب خروج میں اس دن کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرتے ہوئے اس دن میں کام کاج کی ممانعت کی گئی ہے:

”سبت کے دن کو یاد سے پاک رکھ۔ چھ دن تک تو محنت سے اپنا سارا کام کاج کرنا۔ لیکن ساتویں دن خداوند تیرے خدا کا سبت

---

(1) الاعراف7: 157

(2) مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:14515

ہے، اس دن نہ تو کوئی کام کرنا نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی، نہ تیرا نوکر نہ نوکرانی نہ تیرے چوپائے اور نہ ہی کوئی مسافر جو تیرے یہاں مقیم ہو۔ کیونکہ چھ دن میں خداوند نے آسمانوں کو، زمین کو، سمندر کو اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا، لیکن ساتویں دن آرام کیا اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔"[1]

اس کی مزید وضاحت کتاب خروج میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"پس تم سبت کو ماننا اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ چھ دن کام کاج کیا جائے، لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے۔ جو خداوند کے لئے مقدس ہے۔ جو کوئی سبت کے دن کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے"[2]

اس دن کی فضیلت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اس دن کام کرے اس کو قوم سے خارج کر دیا جائے:

"لہٰذا سبت کو مانو کیونکہ یہ تمہارے لئے مقدس ہے اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے اور جو کوئی اس دن کوئی کام کرے، اپنی قوم سے خارج کیا جائے۔"[3]

امتِ مسلمہ کے نزدیک سب سے اہم اور مقدس دن جمعہ کا دن ہے، یہ دن مسلمانوں کے نزدیک عید کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ ﷺ نے اس دن کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا »[4]

"بہترین دنوں میں جب سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں گئے اور اسی میں وہاں سے نکلے۔"

اس دن کی فضیلت اور عظمت کے بارے میں بہت ساری احادیث زبانِ نبوت سے صادر ہوئی ہیں لیکن کسی حدیث میں تجارت اور کاروبار کی ممانعت وارد نہیں ہوئی صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ امام کے خطبہ کو خاموشی سے سنا جائے۔

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَدْ لَغَوْتَ» [5]

"جمعہ کے دن جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو، تم اپنے ساتھی سے کہو کہ چپ رہو تو تم نے ایک لغو بات کی"

یہودیوں کی تعلیمات کے مطابق سبت کے دن تجارت اور کاروبار کرنا منع ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کے لئے جمعہ کے دن ایسی کوئی قید اور پابندی نہیں لگائی بلکہ آپ ﷺ نے آسانی اور تیسیر پیدا کی کہ جب امام خطبہ دے تو تب تمام

---

(1) بائبل، خروج، باب 20: 11-8، پاکستان بائبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور

(2) خروج، باب 22: 20

(3) خروج، باب 31: 14

(4) صحیح المسلم، کتاب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 854

(5) صحیح المسلم، کتاب الجمعۃ، باب فی الانصات یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 851

لوگ خاموشی سے اس کی واعظ ونصیحت کو سماعت کریں اور جب نماز کی تکمیل ہو جائے تب کاروبار اور تجارت کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔

مخالفین اور معرکہ آرائی کے متعلق احکام:

بائبل نے اپنے مخالفین کے بارے میں بہت سخت رویہ اختیار کیا ہے کہ مخالفین کے ساتھ کسی قسم کے معاہدہ کو اور ان پر رحم کرنے کو بھی جائز قرار نہیں دیا۔ بائبل میں کہا گیا ہے کہ جب تم دشمنوں پر فاتح بن جاؤ تو کسی کو زندہ نہ چھوڑنا اور ان کو نیست ونابود کر دینا۔

کتابِ گنتی میں ہے:

"اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کر دیا۔ ان سب کے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان سب کی چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔"(1)

کتاب گنتی میں دشمنوں کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو۔"(2)

کتاب استثناء میں اعدائے یہودیت کے بارے میں یہ احکام دیئے گئے ہیں:

"جب خداوند تمہارا خدا تمہیں اس ملک میں لے آئے جسے حاصل کرنے کے لئے تم اس میں داخل ہو رہے ہو اور تمہارے سامنے بہت سی قوموں کو نکال دے جیسی کہ حتی، جرجاشی، اموی، کنعانی، فرزی، حوی اور یبوسی یہ سات قومیں ہیں جو تم سے زیادہ بڑی اور زور آور ہیں۔ اور جب خداوند تمہارا خدا انہیں تمہارے حوالے کر دے اور تم انہیں شکست دو تو ان کو بالکل نابود کر دینا۔ ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کرنا اور نہ ان پر رحم کرنا۔"(3)

کتاب استثنا میں دوسری جگہ اس حکم میں مزید سختی کی گئی ہے:

"ان کے شہروں میں جن کو خداوند نے تیرے میراث کے طور پر تجھ کو دیا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔"(4)

مذکورہ بالا وہ تعلیمات ہیں جو یہودیت میں مخالفین اور دشمنوں کے بارے میں دی گئی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دشمنانِ اسلام اور اعدائے اسلام کے بارے میں جو احکام صادر فرمائے ہیں ان میں کمال کی نرمی اور آسانی پائی جاتی ہے جبکہ شرائع من قبلنا میں اس طرح کا نرم اور آسانی والا رویہ اختیار نہیں کیا گیا۔

---

(1) کتاب گنتی، باب 31: 7۔12

(2) کتاب گنتی باب 31: 17

(3) کتاب استثناء، باب 7: 1، 2

(4) کتاب استثناء، باب 20: 16

«أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ »[1]

"نبی کریم ﷺ کے ایک غزوہ (غزوہ فتح) میں عورت مقتول پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت فرمادی۔"

آپ ﷺ نے نہ صرف جنگ میں عورتوں اور بچوں کے قتل کو ناپسند کیا بلکہ جنگ میں ان کے قتل کی حکماً ممانعت بھی فرمائی :

« فَنَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ »[2]

"نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا"

آپ ﷺ نے غیر مسلم جنگی قیدیوں کے ساتھ نرمی اور تیسیر کا جو پہلو رکھا ہے آپ ﷺ کی بعث سے قبل چشمِ فلک نے اس طرح کا منظر نہ دیکھا ہو گا۔

«لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ أُتِيَ بِأُسَارَى، وَأُتِيَ بِالعَبَّاسِ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ قَمِيصًا، فَوَجَدُوا قَمِيصَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ يَقْدُرُ عَلَيْهِ، فَكَسَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُ »[3]

"جب بدر کی لڑائی سے قیدی لائے گئے، جن میں حضرت عباس بھی تھے۔ان کے بدن پر کپڑا نہیں تھا۔نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے قمیص تلاش کروائی (وہ لمبے قد کے تھے)اس لئے عبداللہ بن ابی کی قمیص ہی ان پر آسکی اور آپ نے انہیں وہ قمیص پہنادی"

عورت کے لئے آدابِ عبادت:

بائبل کی تعلیمات کے مطابق کسی عورت کو عبادت گاہ میں بولنے کی اجازت نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ عبادت گاہ میں خاموش رہے۔عورت پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ اگر اس نے کوئی بات یا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو تو وہ اپنے شوہر سے گھر میں جاکر سوال کرے لیکن کلیسا میں گفتگو سے مکمل اجتناب کرے۔

کرنتھیوں میں ہے:

"عورتیں کلیسا کے اجتماع میں خاموش رہیں۔انہیں بولنے کی اجازت نہیں بلکہ تابع رہیں جیسا کہ تورات میں بھی مرقوم ہے۔ہاں اگر کوئی بات پوچھنا چاہیں تو گھر میں اپنے شوہروں سے پوچھیں۔اس لئے کہ یہ شرم کی بات ہے کہ

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب قتل الصبیان فی الحرب، رقم الحدیث:3014

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب قتل النساء فی الحرب۔رقم الحدیث:3015

(3) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب الکسوۃ للاساری، رقم الحدیث:3008

عورت کلیسا کے اجتماع میں بولے۔"[1]

رسولِ اکرم ﷺ کے عہد میں خواتین مسجد میں باجماعت نماز ادا کیا کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ سے مسائل بھی دریافت کیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تو ازواجِ مطہرات آپ سے آکر مسجد میں ملاقات کرتیں، اہم مسائل اور امور کے متعلق سوالات بھی پوچھتی تھیں۔ جس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ شرائع من قبلنا میں عبادت گاہ کے بارے میں عورتوں کے لئے ایک مشکل امر کو آپ نے آسان کر دیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں

«أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ»[2]

"رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ ﷺ اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مسجد میں آپ سے ملنے آئیں، تھوڑی دیر تک باتیں کیں پھر واپس ہونے کے لئے کھڑی ہوئیں"

حضرت صفیہ ؓ کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے آپ ﷺ نے مسجد میں عورت کے بات کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اسی لئے وہ آپ سے مسجد میں ملاقات کے لئے گئیں اور نے ان سے گفتگو بھی فرمائی۔

طلاق دینے اور مطلقہ عورت سے شادی کی ممانعت:

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے ہر شخص اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بہتر فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن انتہائی سعی کے بعد بھی بعض اوقات انسان اپنے کئے ہوئے فیصلہ کو صائب نہیں سمجھتا، اب اس کے لئے کیا راستہ ہے؟ کیا وہ اپنے کئے ہوئے فیصلہ کو ختم کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟۔ دوسری بات یہ ہے کہ پابندیوں اور بندشوں کے باوجود کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو وہ بقیہ زندگی کیسے گزارے؟ بائبل مطلقہ عورت سے شادی کی اجازت نہیں دیتی، بائبل کے مطابق اگر کوئی شخص مطلقہ سے شادی کرے گا تو وہ زنا کا مرتکب ہو گا۔

کتابِ احبار میں مطلقہ عورت سے نکاح کی ممانعت کے بارے میں ہے:

"کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے بیاہ نہ کرنا اور نہ اس عورت سے بیاہ کرنا جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو۔"[3]

کتابِ متی میں ہے:

"یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے، لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی

---

(1) کتاب کرنتھیوں، باب 14: 34، 35

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد، رقم الحدیث: 2035

(3) کتاب احبار، باب 21: 7

اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتا ہے۔"[1]

کتابِ مرقس میں طلاق کو ممنوع قرار دیا گیا ہے:

"فریسی فرقہ کے بعض لوگ اس کے پاس آئے اور اسے آزمانے کی غرض سے پوچھنے لگے کہ کیا آدمی کا اپنی بیوی کو چھوڑ دینا جائز ہے؟ یسوع نے جواب میں کہا اس کے بارے میں موسیٰ نے تمہیں کیا حکم دیا ہے؟ وہ بولے موسیٰ نے تو یہ اجازت دی ہے کہ آدمی طلاق نامہ لکھ کر اسے چھوڑ سکتا ہے۔ یسوع نے ان سے کہا: موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا۔ مگر خلقت کے شروع سے ہی خدا نے انہیں مرد اور عورت بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ دونوں ایک تن ہو جاتے ہیں۔ وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ پس جنہیں خدا نے جوڑا ہے انہیں کوئی انسان جدا نہ کرے۔"[2]

مذکورہ بالا احکام میں اس قدر سختی اور تنگی ہے کہ ان پر عمل کرنا مرد و زن کے لئے ناممکن نظر آتا ہے، کہ اگر کوئی مرد اور عورت ایک مرتبہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں تو وہ کبھی اپنے اس فیصلہ کو قطعاً ختم نہیں کر سکتے، چاہے وہ جس قدر ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہوں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے اس معاملہ انسانی کے بارے میں جو فرامین ہیں وہ بالکل عین فطرت کے مطابق ہیں کیونکہ انسان اپنی زندگی میں بہت سے فیصلے کرتا ہے جن میں غلط اور درست دونوں طرح کے امکان موجود ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اگرچہ طلاق کے عمل کو پسند نہیں کیا لیکن کسی سے طلاق کا حق بھی نہیں چھینا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ تَعَالىٰ الطَّلَاقُ »[3]

"اللہ تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلاق دینا حرام نہیں ہے لیکن طلاق کوئی عام معاملہ بھی نہیں ہے کہ چھوٹی اور معمولی بات پر دے دی جائے، حلال ہونے کے باوجود اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

آپ ﷺ نے مطلقہ عورت سے شادی کو ناپسند نہیں کیا بلکہ اس کے لئے یہاں تک فرمایا کہ اس کی رضامندی سے دوسری جگہ شادی کی جائے اور وہ اپنی رضامندی کا اظہار الفاظ میں کرے:

« لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ »[4]

---

(1) کتاب متی باب 5: 31-32

(2) کتاب مرقس باب 10: 2-9

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب کراھیۃ الطلاق، رقم الحدیث: 2178

(4) الجامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی استئمار البکر والثیب، رقم الحدیث: 1107

"ثیبہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے"

میت کو چھونے سے ناپاکی:

یہودیت کی تعلیمات کے مطابق کوئی شخص لاش کو چھولے تو سات دن تک ناپاک رہتا ہے۔ وہ تیسرے اور ساتویں دن خود کو پانی سے پاک کرلے تو پاک ہوسکتا ہے اگر پاک نہیں کرتا تو خدا کے مسکن کو ناپاک کرتا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں بائبل میں ہے اس کو بنی اسرائیل سے کاٹ دیا جائے۔

کتابِ گنتی میں ہے:

"جو شخص کسی لاش کو چھوئے وہ سات دن تک ناپاک رہے گا۔ وہ شخص اپنے آپ کو تیسرے دن اور ساتویں دن پانی سے پاک کرلے تب وہ پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو تیسرے دن اور ساتویں دن پاک نہ کرے تو وہ ناپاک ہو گا اور جو شخص کسی لاش کو چھوتا ہے اور اپنے آپ کو پاک نہیں کرتا وہ خدا کے مسکن کو ناپاک کرتا ہے۔ وہ شخص اسرائیل میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ ناپاکی دور کرنے کا پانی اس پر نہیں چھڑ کا گیا اس لئے وہ ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی قائم رہے گی۔"[1]

رسولِ اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کے لئے اس مسئلہ میں آسانی اور تیسیر فرمائی آپؐ نے میت کے بارے میں فرمایا:

« لَا تُنَجِّسُوا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا »[2]

"تم اپنے مردوں کو نجس نہ سمجھو، مسلمان مردہ اور زندہ کسی حالت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا"

آپ ﷺ نے نہ صرف میت کو پاک قرار دیا بلکہ آپ نے میت کو بوسہ بھی دیا تا کہ آپ ﷺ کے فعل سے اس بات کی مزید وضاحت ہو جائے کہ میت ناپاک نہیں ہوتی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«قَبَّلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى دُمُوعِهِ تَسِيلُ عَلَى خَدَّيْهِ»[3]

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو ان کی وفات کے بعد بوسہ دیا، گویا میں آپ کے رخساروں پر آنسوں بہتے دیکھ رہی تھی"

اعلیٰ درجات کا حصول:

بائبل میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا شاگرد بننے کے لئے والدین اور بہن بھائیوں سے دشمنی اختیار کرنا ضروری ہے۔

---

(1) کتاب گنتی باب 19: 11-13

(2) سنن الدار قطنی، کتاب الجنائز، باب المسلم لیس بنجس، رقم الحدیث: 1811

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب فی تقبیل المیت، رقم الحدیث: 1956

انجیلِ لوقا میں یسوع مسیح علیہ السلام کی شاگردی کے حصول کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے:

"اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"[1]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی فرد کے ایمان دار ہونے کی نشانی یہ بتائی ہے کہ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

« لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ، وَوَلَدِهِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ »[2]

"تم میں سے کوئی اس وقت مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے"

کفارۂ خطا و نسیان:

بائبل کی تعلیمات کے مطابق اگر کسی فرد سے غیر ارادی طور پر خطا ہو جائے تو وہ مجرم ہے اور اس کو کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ کتابِ احبار میں ہے:

"اگر جماعت کا کوئی فرد غیر ارادی طور پر خطا کرے اور ایسا کام کرے جو خداوند کے احکام کے مطابق ممنوع قرار دیا گیا ہو اور وہ مجرم ہو جائے۔ اور جب اسے اس خطا سے جو اس سے سرزد ہوئی آگاہ کیا جائے تو لازماً اس خطا کے لئے جو اس سے سرزد ہوئی ایک بے عیب بکری لائے۔"[3]

اس کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"یا اگر وہ شخص انسانی نجاست کی کسی ایسی چیز کو چھولے جو اسے ناپاک کر دے تو معلوم ہونے پر وہ مجرم ٹھہرے گا۔ اور جو خطا اس سے سرزد ہوئی اس کی سزا کے طور پر وہ لازماً ریوڑ سے ایک مادہ بھیڑ یا بکری خطا کی قربانی کے طور پر خداوند کے حضور لائے اور کاہن اس کی خطا کا کفارہ دے دے۔"[4]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطا اور نسیان میں انسان کے لئے سہولت اور آسانی پیدا کرتے ہوئے فرمایا:

« تَجَاوَزَ اللهُ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»[5]

"میری امت کی خطا، نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے"

---

(1) کتاب لوقا، باب 14: 24

(2) السنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، رقم الحدیث: 2783

(3) کتاب احبار، باب 4: 27، 28

(4) کتاب احبار، باب 5: 3۔6

(5) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الطلاق، رقم الحدیث: 2801

برے خیال کی سزا:

انسان کا دل وسوسوں اور خیالات کی آماجگاہ، یہ خیالات اچھے اور بعض اوقات برے بھی ہوتے ہیں۔
انجیل متی میں برے خیال کی سزا یہ بیان کی گئی ہے:

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ تم زنا نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی کسی عورت پر بری نظر ڈالتا ہے وہ اپنے دل میں پہلے ہی زنا کر چکا ہے۔ اس لئے اگر تیری دائیں آنکھ گناہ کا باعث بنتی ہے تو اسے نکال کر پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی مفید ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک عضو جاتا رہے بہ نسبت اس کے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈال دیا جائے۔"[1]

انسان کے دل میں جو برے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کے فرامین میں یہ وضاحت موجود ہے کہ وسوسوں اور خیالات کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا نہیں دیتا۔

«إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ »[2]

"اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے میری امت کے دل میں وسوسوں کو معاف کیا ہے جب تک وہ عمل نہ کرے یا اسے زبان سے ادا نہ کرے"

ایک اور حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي كُلَّ شَيْءٍ حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا، مَا لَمْ تَكَلَّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ»

"اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں پیدا ہونے والی ہر چیز کو معاف کر دیا ہے جب وہ اس کے بارے میں بات نہیں کرے یا اس پر عمل نہ کرے"[3]

اولاد کو باپ دادا کے گناہ کی سزا:

بائبل میں ہے کہ اگر باپ داد کسی گناہ میں مجرم ٹھہریں تو ان کی اولادوں کو بھی ان کے گناہ کی سزا دی جاتی ہے۔
کتابِ گنتی میں ہے:

"وہ گناہ اور خطا کو بخش دیتا ہے لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کرے گا کیونکہ وہ باپ داد کے گناہ کی سزا ان کی اولاد کو تیسری اور چھٹی پشت تک دیتا ہے۔"[4]

رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

---

(1) کتاب متی باب 5 :27-29

(2) الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب الخطاوالنسیان فی العتاقۃ والطلاق، رقم الحدیث: 2528

(3) السنن النسائی، کتاب الطلاق، باب من نلق فی نفسہ، رقم الحدیث: 3433

(4) کتاب گنتی، باب 18:18-20

«أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ. لَا يَجْنِي وَالِدٌ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ »[1]

"خبر دار کوئی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی پر جرم نہیں کرتا۔ نہ باپ کے جرم کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہے۔ نہ بیٹے کے جرم کی ذمہ داری اس کے باپ پر ہے"

چھوت، کوڑھی اور جریان کا مرض انسان کو ناپاک کر دیتا ہے:

بائبل میں چھوت کے مریض سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ناپاک ہے۔

کتاب احبار میں ہے:

"اور جو کوئی اس بلا میں مبتلا ہو اس کے کپڑے پھٹے اور سر کے بال بکھرے رہیں اور وہ اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے۔ اور چلا چلا کر کہے ناپاک ناپاک۔"[2]

کوڑھی اور جریان کے مریض کے متعلق کتاب احبار میں کہا گیا ہے:

"ہارون کی نسل میں جو کوڑھی یا جریان کا مریض ہو وہ جب تک پاک نہ ہو جائے پاک چیزوں میں سے کچھ نہ کھائے۔"[3]

رسولِ اکرم ﷺ نے مریض کے بارے میں فرمایا ہے اس سے دعا کرائی جائے کیونکہ اس کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا دَخَلْتَ عَلَى مَرِيضٍ، فَمُرْهُ أَنْ يَدْعُوَ لَكَ؛ فَإِنَّ دُعَاءَهُ كَدُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ »

"جب تو کسی مریض کے پاس جائے تو اسے کہہ کے تیرے لئے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے"[4]

شریعتِ اسلامیہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں کسی انسان کو حکمِ شرعی کا مکلف ٹھہراتے ہوئے اس کی استطاعت، قدرت، احوال اور مساکن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے ساتھ انتہائی شفقت، مہربانی، گنجائش، آسانی اور تیسیر کا رویہ اختیار فرماتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے شریعتِ اسلامیہ کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے مزید تیسیر، آسانی اور گنجائش پیدا کی تاکہ خلقِ خدا کو احکامِ خدا پر عمل کرنے میں تنگی اور مشکل نہ ہو۔

فرامینِ رسول ﷺ کا بائبل سے موازنہ سے یہ بالکل غیر مبہم طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

---

(1) سنن ابن ماجۃ، کتاب الدیات، باب لا یجنی احد علیٰ احد، رقم الحدیث:2669

(2) کتاب احبار، باب 4 :15

(3) کتاب احبار، باب 12 :2

(4) سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب فی عیادۃ المریض، رقم الحدیث: 1414

« إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ »[1]

"بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا (اس کی سختی نہ چل سکے گی)۔"

"الدین یسر" یہ صرف لفظی دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی بیّن شہادتیں بھی موجود ہیں، بائبل میں حقیقتاً ایسے احکام موجود ہیں جن پر عمل کرنا باعث مشقت اور ناقابلِ تحمل تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان تمام ناروا بندشوں کا اپنے فرامین میں خاتمہ فرمادیا ہے جو اعمال کی بجاآوری میں مشکلات پیدا کرتی تھیں۔

(1) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدین یسر، رقم الحدیث:39

ماحاصل

عزائم بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے تیسیر، سہولت اور آسانی بندوں کی مرغوبات ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مہربانی اور رحمت سے عطا ہوئی ہیں۔ تیسیر میں بندوں کے لیے کشادگی کا حصول اور تنگی کا خاتمہ مقصود ہے۔

رسول اکرم ﷺ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے کر ان کے لیے عبادات اور معاملات میں آسانی اور سہولت پیدا فرمایا کرتے تھے۔ جہاں دیکھتے کہ یہ کام بندوں کی استطاعت اور قدرت میں نہیں ہے وہاں آسانی اور سہولت کے پہلو کو ترجیح دیتے تھے۔

باب دوم کو تین فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں ان اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی بنا پر رسول اکرم ﷺ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت اختیار فرماتے تھے۔ ان میں لوگوں کی ضرورت و حاجت کی بنا پر بھی آپ ﷺ آسانی اور تیسیر کا معاملہ فرماتے تھے۔ لوگوں کی ضرورت و حاجت کے پیش نظر عبادات و دیگر معاملات میں کشادگی اور وسعت سے کام لیتے حرج و تنگی کا خاتمہ فرماتے تھے اسی طرح مجبور اور لاچار افراد کے لیے بھی آپ ﷺ نرمی کا پہلو رکھتے تھے۔ اضطراری حالات میں بھی انسانوں کی مجبوری کو مد نظر رکھتے تھے۔ بھول چوک ایسا عارضہ ہے جس کی وجہ سے مکلف اپنے ذمہ احکام کو یاد نہیں رکھ سکتا تو ایسی حالت میں بھی آپ ﷺ نرمی اور درگزر والا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ بیماری اور سفر بھی ان اسباب میں سے ہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ تخفیف و سہولت کو ترجیح دیتے تھے۔ عموم بلویٰ سے مراد وہ کام ہیں جن کو لوگوں کی طبائع پسند نہ کرتی ہوں لیکن ان کاموں سے بچنا دشوار ہو جائے اور لوگ مجبوری کی بنا پر ان کو اختیار کر لیں۔ آپ ﷺ عموم بلویٰ کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔ کئی ایک آسانیاں آپ ﷺ نے عموم بلویٰ کی وجہ سے فرمائی تھیں تاکہ لوگ مشکلات میں نہ پڑیں۔ کسی بھی کام میں حرج اور تنگی کو آپ ﷺ دیکھتے تو اس میں بھی کشادگی، وسعت، نرمی اور تیسیر پیدا فرما دیتے تھے۔ مذکورہ بالا وہ تمام اسباب ہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ سہولت کو اختیار فرماتے تھے۔

دوسری فصل میں آپ ﷺ نے تیسیر کے لیے جن اسالیب کو اختیار کیا تھا ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ عبادات کی ادائیگی میں تیسیر اور آسانی کو ترجیح دیتے تھے جہاں کسی مشکل کو دیکھتے وہاں آسانی اور تیسیر کی طرف راہنمائی فرماتے تھے۔

مشکل اور دشوار امور میں تدریج کے اسلوب کو اختیار کرتے تھے فوراً حکم کو نافذ نہ فرماتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ احکام کا نفاذ ذکر کرتے تھے تاکہ مسلمانوں پر بوجھ نہ پڑے۔ آپ ﷺ کا یہ بھی اسلوب تھا کہ جب لوگوں کے لیے کسی امر کو اختیار کرتے تو آسان کام کو اختیار کرتے تھے تاکہ لوگ آسانی اور سہولت اختیار کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ آپ ﷺ حالات و مصالح کا لحاظ بھی رکھا کرتے تھے بعض اوقات انسان عمل کرنا چاہتا ہے لیکن حالات اس کو اجازت نہیں دیتے یا کسی

مصلحت کی بناپر وہ عمل نہیں کر سکتا۔ رسول اکرم ﷺ بھی ایسے حالات میں آسانی اور تیسیر کو اختیار فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ بھی ایک اسلوب تھاعبادات کی ادائیگی میں اکثریت کا لحاظ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے عبادات میں ان امور کو شامل کیا جن کی اکثریت خواہش مند تھی اور ان اشیاء کو ترک کر دیا جن کو اکثریت ناپسند کرتی تھی۔ اسلوب تیسیر میں سے ایک یہ بھی تھا کہ رسم ورواج کا لحاظ فرمایا کرتے تھے آپ ﷺ نے عربوں کے ان رسم ورواج کو جاری رکھا جو تعلیمات اسلام سے ٹکراتے نہیں تھے، کیونکہ اگر لوگوں پر رسم ورواج کی بے جا پابندیاں نافذ کر دی جائیں تو لوگوں کی مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

تیسری فصل میں آپؐ کی چند ایک آسانیوں اور سہولتوں کا موازنہ بائبل مقدس کی تعلیمات سے کیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ آپؐ نے اپنے بارے میں جو فرمایا تھا کہ مجھے "معلم یسیر" بناکر بھیجا گیا ہے وہ محض ایک دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ بائبل کے احکام اور رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں موازنہ سے اس بات کی باقاعدہ تصدیق ہوتی ہے۔

اس فصل میں عبادات اور معاملات کے کئی ایک پہلوؤں کے جائزہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان من گھڑت پابندیوں، ناروابندشوں اور ہر قسم کی زنجیروں کو توڑ دیا تھا جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں۔ اس موازنہ سے یہ بھی بات واضح ہو جاتی ہے کہ تیسیر اور آسانی شریعت محمدیؐ کی تعلیمات کا امتیازی وصف ہے اور آپ ﷺ احکام الٰہی کی ایسی تبیین و شریح فرماتے تھے کہ امت کے لیے آسانی اور سہولت کا راستہ بند نہ ہو بلکہ یہ راستہ ہمیشہ کھلا رہے اور امت محمدیہ قیامت تک آسانی اور تیسیر سے مستفید ہوتی رہے۔

عبادات میں تیسیر نبوی ﷺ کے بارے میں تفصیلی بحث باب سوم میں کی جائے گی۔

③

بابِ سوم

عبادات میں تیسیر نبویؐ
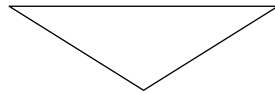
فصل اول: طہارت و نظافت میں تیسیر

فصل دوم: فرض عبادات میں تیسیر

فصل سوم: نفل عبادات میں تیسیر

1

فصلِ اول

طہارت و نظافت میں تیسیر

طہارت و نظافت میں تیسیر

پالیدگی، گندگی اور غلاظت کو شرعی اصولوں اور قاعدوں کے مطابق پاک و صاف کرنے کو طہارت و نظافت کہتے ہیں۔ اسلام میں مسلمانوں کو پاکیزگی اور نظافت پر جو زور دیا گیا ہے وہ اس قدر ہے کہ کسی بھی دوسرے مذہب میں اس شد و مد کے ساتھ زور نہیں دیا گیا۔ صفائی و پاکیزگی کی اہمیت و ضرورت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اولین احکام جو رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئے ان میں سے ایک طہارت و نظافت تھا۔

﴿وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ * وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ * وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[1]

جو لوگ پاکیزگی کو اختیار کرتے ہیں اور خود کو گندگی اور نجاست سے بچاتے ہیں وہ اللہ کے محبوب افراد بن جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[2]

"اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔"

اس بات کو سورۃ التوبہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾[3]

"کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ نے صفائی و ستھرائی کے حصول کی تاکید یوں بیان فرمائی۔

« الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ»[4]

"طہارت نصف ایمان ہے۔"

طہارت و پاکیزگی پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا مقصد ہر گز لوگوں کی زندگی میں تنگی، حرج اور مشکلات پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں صاف ستھرا رکھنا مقصد ہے تاکہ وہ صحت مند اور پاکیزہ زندگی بسر کر سکیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) المدثر74: 3-5

(2) البقرہ2: 222

(3) التوبہ9: 108

(4) مسند احمد، رقم الحدیث: 22902

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[1]

"اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔"

پاکیزگی اور طہارت کے حصول کے لیے مسلمانوں کو درپیش مشکلات اور تنگیوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس میں آسانی اور تیسیر کے پہلو کو نمایاں رکھا ہے۔ طہارت و پاکیزگی کے باب میں اصل چیز پانی ہے، اگر پانی دستیاب نہ ہو یا کسی عذر کی بنا پر استعمال نہ کیا جا سکے تو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے سہولت، آسانی اور تیسیر پیدا کرتے ہوئے اس کا قائم مقام مٹی کو بنایا ہے کہ پاکی وصفائی کے لیے مٹی کو استعمال کیا جا سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے کام لو، بس اُس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔"

اسلام دین آسان ہے زندگی کے تمام شعبوں میں آسانی اور تیسیر کا پہلو رکھتا ہے۔ بطور خاص رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کے لیے انتہائی نرمی، آسانی اور تیسیر کو مد نظر رکھتے تھے۔ طہارت وپاکیزگی کے حصول میں رسول اکرم ﷺ نے جو نرمی، سہولت، آسانی اور رخصت دی ہے اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پانی کے استعمال میں آسانی:

پانی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ اکثر اوقات دور دراز کے اسفار میں صاف پانی کا میسر ہونا ایک مشکل امر ہوتا ہے۔ بعض اوقات کھال، تالاب اور کنویں انسانوں اور جانوروں کی ضرورت پوری کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے تالاب اور کنویں کے پانی کے استعمال میں رسول اکرم ﷺ نے آسانی اور سہولت کو اختیار فرمایا ہے تاکہ اس سے لوگ اپنی ضرورتوں کو

---

(1) المائدہ 5: 6

(2) المائدہ 5: 6

پورا کر سکیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم سئل عن الماء يكون بالفلاة من الأرض وما ينوبه من الدواب والسباع ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم (إذا بلغ الماء قلتين لم ينجسه شيء» [1]

"میں نے نبی ﷺ سے سنا کسی نے آپ سے پوچھا کہ پانی کھلے میدان میں ہو اور چوپائے اور درندے پانی پر آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب پانی دو مٹکے ہو تو اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔"

اس کی مزید وضاحت میں یہ بھی الفاظ بیان ہوئے ہیں:

«إذا كان الماء قلتين أو ثلاثا لم ينجسه شيء»[2]

"جب پانی دو قلے یا تین ہوں تو اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔"

شیخ عبد الرحمان مبارکپوری اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الْحَدِيثُ بِمَنْطُوقِهِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَاءَ إِذَا بَلَغَ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجَّسْ بِمُلَاقَاةِ النَّجَاسَةِ فَإِنَّ مَعْنَى لَمْ يَحْمِلْ لَمْ يَقْبَلْ النَّجَاسَةَكَمَا يُقَالُ فُلَانٌ لَا يَقْبَلُ ضَيْمًا إِذَا امْتَنَعَ عَنْ قَبُولِهِ وَذَلِكَ إِذَا لَمْ يَتَغَيَّرْ فَإِنْ تَغَيَّرَ نُجِّسَ وَيَدُلُّ بِمَفْهُومِهِ عَلَى أَنَّهُ إِذَا كَانَ أَقَلَّ يُنَجَّسُ بِالْمُلَاقَاةِ وَهَذَا الْمَفْهُومُ يُخَصِّصُ حَدِيثَ خُلِقَ الْمَاءُ طَهُورًا عِنْدَ مَنْ قَالَ بِالْمَفْهُومِ وَمَنْ لَمْ يَقُلْ به أجراه على عمومه كما لك فَإِنَّ الْمَاءَ قَلَّ أَوْ كَثُرَ لَا يُنَجَّسُ عِنْدَهُ إِلَّا بِالتَّغَيُّرِ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيصِ قَوْلُهُ لَمْ يَحْمِلْ الْخَبَثَ مَعْنَاهُ لَمْ يُنَجَّسْ بِوُقُوعِ النَّجَاسَةِ فِيهِ كَمَا فَسَّرَهُ فِي الرِّوَايَةِ الأخرى التي رواها أبو داود وبن حِبَّانَ وَغَيْرُهُمَا إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجَّسْ وَالتَّقْدِيرُ لَا يَقْبَلُ النَّجَاسَةَ بَلْ يَدْفَعُهَا عَنْ نَفْسِهِ وَلَوْ كَانَ الْمَعْنَى يَضْعُفُ عَنْ حَمْلِهِ لَمْ يَكُنْ لِلتَّقْيِيدِ مَعْنًى فَإِنَّ مَا دُونَهَا أَوْلَى بِذَلِكَ وَقِيلَ مَعْنَاهُ لَا يَقْبَلُ حُكْمَ النَّجَاسَةِ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الحمار يحمل أسفارا أَيْ لَمْ يَقْبَلُوا حُكْمَهَا"[3]

"حدیث کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکوں کے بقدر ہو تو وہ نجاست کے ملنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ (اوصافِ ثلثہ: رنگ، مزا اور بُو میں سے) کوئی وصف تبدیل نہ ہو۔ وگرنہ وہ ناپاک ہو جائے گا۔(حدیث میں "لم یحمل" "لم یقبل" کے معنی میں ہے۔ جیسے جب کوئی شخص ظلم برداشت نہ کرتا ہو تو

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب مقدار الماء الذی لا ینجس، رقم الحدیث: 517

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 518

(3) تحفۃ الاحوذی، 1/180

اس کے لیے اس موقع پر "لایقبل ضیما" کہا جاتا ہے۔) مفہومِ مخالف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھی جارہی ہے کہ اگر پانی دو مٹکوں سے کم ہو تو وہ نجاست کے ملنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ چنانچہ جو حضرات مفہومِ مخالف کے قائل ہیں اُن کے نزدیک (خُلِقَ الْمَاءُ طَهُورًا) والی حدیث اپنے عموم پر برقرار نہیں رہے گی بلکہ اس میں تخصیص کی جائے گی۔ اور جو مفہومِ مخالف کے قائل نہیں اُن کے نزدیک پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر کسی بھی صورت میں ناپاک نہیں ہوتا۔ صرف ایک صورت میں ناپاک ہوتا ہے جبکہ اُس کا کوئی وصف بدل جائے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ "تلخیص" میں لکھتے ہیں کہ حدیثِ مبارکہ میں "لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ" "لَمْ يُنَجَّسْ بِوُقُوعِ النَّجَاسَةِ فِيهِ" کے معنی میں ہے۔ کہ دو مٹکوں کے بقدر پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ ایک اور روایت جس کو امام ابوداود اور ابنِ حبان اور دیگر محدّثین رحمھم اللہ نے نقل کیا ہے (إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجَّسْ) اس سے بھی وہ یہی مراد لیتے ہیں کہ دو مٹکوں کے بقدر پانی نجاست کو قبول ہی نہیں کرتا بلکہ نجاست کو اپنی ذات سے دور کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ اتنا پانی نجاست کا بوجھ اُٹھانے سے عاجز ہے تو پھر "دو مٹکوں" کی قید اتفاقی ہو گی احترازی نہ ہو گی۔ کیونکہ جب دو مٹکے نجاست کا بوجھ اُٹھانے سے عاجز ہیں تو اس مقدار سے کم پانی تو بطریق اولیٰ عاجز ہو گا۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا پانی نجاست کا حکم قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا) میں " ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا" سے مراد "لَمْ يَقْبَلُوا حُكْمَهَا" کہ تورات کے احکامات قبول نہیں کرتے۔ "

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی مسلمانوں کے لیے سہولت اور آسانی پر مبنی ہے۔ اس میں لوگوں کی ضروریات اور فوائد کا خیال رکھا ہے تاکہ لوگ مشکلات اور حرج میں نہ پڑ جائیں اور ضرورت کے وقت پانی استعمال اور اس سے طہارت و پاکیزگی حاصل کر سکیں۔

ناقابل استعمال پانی کی پہچان میں آسان قاعدہ:

بعض اوقات پانی کے استعمال کے وقت انسان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ پانی طہارت وصفائی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں اور کیا اس سے دوسری ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں یا نہیں تو رسول اکرم ﷺ نے اس کے لیے بڑا آسان قاعدہ بتایا کہ اگر گندگی سے پانی کا رنگ، بو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے تو اس کو استعمال میں نہ لایا جائے اور ہاں اگر یہ تینوں چیزوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

«قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أن الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی الاّ یہ کہ پانی کے رنگ، ذائقہ یا بو پر غالب آجائے۔"

جب تک کسی پانی میں یہ تبدیلیاں واقع نہ ہوں اور وہ مقدار میں دو قلوں سے زیادہ ہو تو وہ پانی پینے اور طہارت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ عہد نبویؐ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان تالاب تھے ان میں طرح طرح کے جانور وغیرہ پانی پیتے تھے۔ اور ان میں بارش کے موقع پر گندگی وغیر بھی گر جاتی تھی،ان تالابوں کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان سے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أن النبي صلى الله عليه و سلم سئل عن الحياض التي بين مكة والمدينة . تردها السباع والكلاب والحمر . وعن الطهارة منها ؟ فقال (لها ما حملت في بطونها . ولنا ما غبر . طهور »[2]

"نبی ﷺ سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہیں، ان پر درندے کتے اور گدھے آتے ہیں کہ ان سے طہارت کرنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں اٹھا لیا وہ ان کا اور جو بچ گیا وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔"

سمندر کے پانی کے استعال میں آسانی:

دریا اور سمندر میں ہر طرح کے جانور زندگی گزارتے ہیں،اس میں گندگی اور غلاظت وغیرہ بھی شامل ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات ان کے پانی کی خوشبو اور ذائقہ وغیرہ بھی عام پانی سے مختلف ہوتا ہے۔دریا اور سمندر کے پانی کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اس پانی کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں تو رسول اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کو طہارت اور پینے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«سأل رجل النبي صلى الله عليه وسلم فقال : يا رسول الله ، إنا نركب البحر ، ونحمل معنا القليل من الماء ، فإن توضأنا به عطشنا ،أفنتوضأ بماء البحر ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هوالطهور ماؤه ، الحل ميتته»[3]

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب مقدر الماء الذی لا ینجس، رقم الحدیث: 521

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 519

(3) سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بماء البحر، رقم الحدیث: 83

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پینے کے لئے پانی محفوظ بہت کم ہوتا ہے اگر ہم اس سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے، تو کیا ہم ایسی صورت میں سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے۔"

شیخ حمد بن محمد اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"في هذا الحديث أنواع من العلم منها أن المعقول من الطهور والغسول المضمنين في قوله تعالى {إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم} [المائدة: 6] الآية إنما كان عند السامعين له والمخاطبين به الماء المفطور على خلقته السليم في نفسه الخلي من الأعراض المؤثرة فيه ألا تراهم كيف ارتابوا بماء البحر لما رأوا تغيره في اللون وملوحة الطعم حتى سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم واستفتوه عن جواز التطهير به " (1)

"یہ حدیث مبارکہ بہت سے علمی نکات پر مشتمل ہے۔

1۔ آیتِ وضو {إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم} [المائدۃ:6] میں پانی کے استعمال کو طہارت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس سے وہ پانی مراد لیتے تھے جو اپنی اصلی خلقت پر برقرار ہو اور اس میں کسی وصفِ خارج کا اضافہ نہ ہو۔ چنانچہ جب انہوں نے سمندر کے پانی کی رنگت اور ذائقے کو تبدیل پایا تو اس کے سببِ طہارت ہونے میں اسقدر تردّد کا شکار ہوئے کہ آپ ﷺ سے اس کے سببِ طہارت ہونے سے متعلق سوال کیے بغیر نہ رہ سکے۔"

پانی کی عدم دستیابی یا عذر کی بنا پر مٹی کا استعمال:

پانی کا قائم مقام مٹی ہے اگر کسی جگہ یا علاقہ میں پانی نہ مل سکے تو اس کی جگہ پر مٹی کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس وقت تک پاک مٹی کو طہارت کا ذریعہ قرار دیا ہے جب تک پانی نہ ملے۔

حضرا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ ابْدُ فِيهَا» . فَبَدَوْتُ إِلَى الرَّبَذَةِ فَكَانَتْ تُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأَمْكُثُ الْخَمْسَ وَالسِّتَّ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «أَبُو ذَرٍّ» . فَسَكَتُّ فَقَالَ: «ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا ذَرٍّ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ» . فَدَعَا لِي بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ فِيهِ مَاءٌ فَسَتَرَتْنِي بِثَوْبٍ وَاسْتَتَرْتُ بِالرَّاحِلَةِ، وَاغْتَسَلْتُ فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عَنِّي جَبَلًا فَقَالَ «الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ

---

(1) معالم السنن، 1/ 43-44

سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ»[1]

"رسول اللہ ﷺ کے پاس چند بکریاں جمع ہو گئیں آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر ان کو جنگل میں لے جاؤ تو میں ان کو جنگل لے گیا بذہ (نامی گاؤں) کی طرف وہاں مجھے غسل کی ضرورت پیش آتی اور میں پانچ پانچ اور چھ چھ دن یوں ہی رہا کرتا (یعنی پانی کافی نہ ہونے کی بنا پر میں غسل نہ کرتا اور یوں ہی نماز پڑھ لیا کرتا) جب میں آپ ﷺ کے پاس واپس آیا (اور اپنا واقعہ بیان کیا) تو آپ ﷺ نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا ابوذر! میں خاموش رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں روئے اور تیری ماں کے لئے خرابی ہو، پھر آپ ﷺ نے ایک کالی رنگ والی باندی کو بلایا جو ایک برتن میں پانی لے کر آئی ایک طرف سے کپڑا پکڑ کر اس نے آڑھ کی اور دوسری طرف سے میں نے اونٹ کی آڑھ لی اور میں نے غسل کیا (میں نے محسوس کیا) گویا میرے سر سے پہاڑ کا بوجھ اتر گیا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے پاک مٹی وضو کا ذریعہ ہے اگرچہ دس سال تک بھی پانی نہ ملے اور جب پانی ملے تو اس کو اپنے بدن پر لگالے (غسل کرلے) یہ بہتر ہے۔"

شیخ ملا علی القاریؒ نے اس حدیث کی تشریح میں مفصل گفتگو کی ہے مسئلہ کی وضاحت کے لیے ضروری ہے محسوس ہوتا ہے کہ ان کی وضاحت کو بالتفصیل لکھا جائے وہ لکھتے ہیں:

"(وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ) : إِنْ لِلْوَصْلِ (عَشْرَ سِنِينَ) بِسُكُونِ الشِّينِ، وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْكَثْرَةُ لَا الْمُدَّةُ الْمُقَدَّرَةُ، فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ خُرُوجَ الْوَقْتِ غَيْرُ نَاقِضٍ لِلتَّيَمُّمِ، بَلْ حُكْمُهُ حُكْمُ الْوُضُوءِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُنَا، وَمَا صَحَّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ لَمْ يُحْدِثْ، مَحْمُولٌ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ، وَلَا يُنَافِيهِ قَوْلُ الْبَيْهَقِيِّ، وَلَا يُعْرَفُ لَهُ مُخَالِفٌ مِنَ الصَّحَابَةِ، بَلْ يُعَضِّدُهُ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ - وَإِنَّ ضَعُفَ سَنَدُهُ -: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا يُصَلَّى بِتَيَمُّمٍ وَاحِدٍ إِلَّا فَرِيضَةٌ وَاحِدَةٌ، ثُمَّ يُجَدِّدُ لِلثَّانِيَةِ تَيَمُّمًا، وَمَا قِيلَ: إِنَّ قَوْلَ الصَّحَابَةِ مِنَ السُّنَّةِ كَذَا فِي حُكْمِ الْمَرْفُوعِ عَلَى الصَّحِيحِ، مَحَلُّهُ أَنَّهُ لَا مَجَالَ لِلرَّأْيِ فِيهِ مَعَ أَنَّهُ مَعَ رَفْعِهِ يَدُلُّ عَلَى السُّنِّيَّةِ لَا عَلَى الْفَرْضِيَّةِ، وَإِلَّا يَلْزَمُ أَنَّ الْحَدَثَ الْوَاحِدَ أَوْجَبَ طَهَارَتَيْنِ. وَقَوْلُ صَاحِبِ الْإِفْصَاحِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ، وَيَلْزَمُ عَلَى مَنْ جَوَّزَ فَرْضَيْنِ بِتَيَمُّمٍ كَأَبِي حَنِيفَةَ وَأَحْمَدَ، وَاخْتَارَهُ الْمُتَوَلِّي وَالرُّويَانِيُّ أَنَّهُ يَجُوزُ التَّيَمُّمُ قَبْلَ الْوَقْتِ ; لِأَنَّ التَّيَمُّمَ بِالنِّسْبَةِ لِلثَّانِيَةِ وَقَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ - وَهُوَ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ - مَرْدُودٌ عَلَيْهِ ; لِأَنَّ التَّيَمُّمَ قَبْلَ دُخُولِ الْوَقْتِ جَائِزٌ عِنْدَنَا، فَإِنَّ حُكْمَهُ حُكْمُ الْوُضُوءِ "[2]

"(وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ) تیمم کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ پانی دستیاب نہ ہو یا پانی تو دستیاب ہو لیکن استعمال

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الجنب یتیمم، رقم الحدیث: 332

(2) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 2/483

کرنے پر قدرت نہ ہو۔(عَشْرَ سِنِینَ)اس عبارت سے کوئی عددِ معین(10)مراد نہیں ہے بلکہ کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی نماز کے وقت کے اختتام سے تیمم نہیں ٹوٹتا،ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔باقی رہا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لیے نیا تیمم کرنا تو یہ استحباب پر محمول ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس کے مخالف نہیں اور نہ ہی صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی۔بلکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے تو اس بات کی تائید منقول ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔فرماتے ہیں سنت یہی ہے کہ ایک تیمم سے ایک فریضہ ادا کیا جائے اور نئے فریضے کے لیے نیا تیمم کیا جائے۔بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی صحابی کسی عمل کو سنت قرار دے تو یہ موقوف روایت صحیح قول کے مطابق مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔کیونکہ اس قسم کے احکامات میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔حدیث کے مرفوع ہونے کے باوجود بھی اس سے تجدّد تیمم کی صرف سنّیّت ثابت ہوتی ہے نہ کہ فرضیّت۔اگر فرضیت کو ثابت کیا جائے تو ایک حدث پر دو طہارتوں کو واجب کرنا لازم آئے گا،جو کہ درست نہیں۔متولّی اور رویانی رحمہا اللہ کے نزدیک قبل از وقت بھی تیمم کرنا جائز ہے۔اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کیونکہ یہ حکم میں وضو کے مثل ہے۔"

غسل کے فرض ہونے پر اگر آدمی کے پاس پانی میسر نہ ہو تو وہ مٹی کے ساتھ تیمم کرلے اور شرعی فرائض کی ادائیگی کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی تو سلام کے بعد دیکھا کہ ایک آدمی الگ کھڑا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ پڑھنے کی وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ مجھ پر غسل فرض تھا لیکن پانی دستیاب نہیں ہو سکا اس لیے میں نے نماز نہیں پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تیمم کرلیتے نماز کی ادائیگی کے لیے یہی کافی تھا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّا أَسْرَيْنَا حَتَّى كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ، وَقَعْنَا وَقْعَةً، وَلاَ وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ المُسَافِرِ مِنْهَا، فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلاَنٌ، ثُمَّ فُلاَنٌ، ثُمَّ فُلاَنٌ - يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ الرَّابِعُ - وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ لَمْ يُوقَظْ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ، لِأَنَّا لاَ نَدْرِي مَا يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ، قَالَ: «لاَ ضَيْرَ - أَوْ لاَ يَضِيرُ - ارْتَحِلُوا» ، فَارْتَحَلَ، فَسَارَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالوَضُوءِ، فَتَوَضَّأَ، وَنُودِيَ بِالصَّلاَةِ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلاَتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ القَوْمِ، قَالَ: «مَا مَنَعَكَ يَا فُلاَنُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ القَوْمِ؟» قَالَ: أَصَابَتْنِي

جَنَابَةٌ وَلاَ مَاءَ، قَالَ: «عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ، فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ» [1]

”ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، ہم رات کو چلتے رہے، جب اخیر رات ہوئی، تو اس وقت میں ہم ایک جگہ ٹھہر گئے اور (آپ جانتے ہیں) مسافر کے نزدیک نیند سے زیادہ کوئی چیز شیریں نہیں ہوتی، ابھی ہم تھوڑا وقت سوئے تھے کہ ہمیں آفتاب کی گرمی نے بیدار کر دیا، سب سے پہلے جو بیدار ہوا، فلاں شخص تھا، پھر فلاں شخص، پھر فلاں شخص، ابو رجاء نے ان سب کے نام لئے تھے، مگر عوف بھول گئے۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جاگنے والوں میں چوتھے شخص تھے اور نبی ﷺ جب آرام فرماتے، تو آپ ﷺ کو کوئی بیدار نہ کرتا تھا، جب تک کہ آپ ﷺ خود بیدار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ہم نہیں سمجھ سکتے تھے کہ آپ ﷺ کے لئے آپ کے خواب میں کیا امور پیش آنے والے ہیں، مگر جب عمر بیدار ہوئے، انہوں نے وہ حالت دیکھی، جو لوگوں پر طاری تھی اور وہ سخت مزاج آدمی تھے۔ تو انہوں نے تکبیر کہی اور تکبیر کے ساتھ اپنے آواز بلند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی آواز کے وجہ سے نبی ﷺ بیدار ہوئے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو جو مصیبت لوگوں پر گذری تھی، اس کی شکایت آپ سے کی گئی۔ آپ نے فرمایا کچھ نقصان نہیں، یا (یہ فرمایا کہ) کچھ نقصان نہ کرے گا، پھر ہم لوگ وہاں سے چلے اور تھوڑی دور جا کر اتر پڑے، وضو کا پانی منگوایا، پھر وضو کیا، اور نماز کے لئے اذان کہی گئی آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، یکایک ایک ایسے شخص پر آپ کی نظر پڑی، جو گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں کے ساتھ اس نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا اے فلاں تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا چیز مانع آگئی؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہوگئی تھی اور پانی نہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لئے مٹی سے تیمم کرنا کافی ہے۔“

طریقہ تیمم میں سہولت:

مٹی طہارت حاصل کرنے میں پانی کے قائم مقام ہے۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو اس کی جگہ مٹی کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان مٹی کو اپنے جسم پر مل لے اور اپنے جسم و لباس کو پراگندا کر لے۔ رسول اکرم ﷺ نے تیمم کا جو طریقہ کار بیان فرمایا ہے وہ انتہائی تیسیر اور سہولت پر مبنی ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ المَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي، فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي سُورَةِ المَائِدَةِ: {فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا} [النساء: 43] فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ المَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ. قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ

---

[1] الجامع الصحیح، کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء، رقم الحدیث: 344

قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ المَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا، فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ» فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ؟ وَزَادَ يَعْلَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ، فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيدِ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا. وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً»[1]

"اگر کوئی شخص جنبی ہو جائے اور ایک مہینہ تک پانی نہ پائے کیا وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے گا؟ شقیق (راوی کا نام ہے) کہتے ہیں کہ عبداللہؓ نے کہا کہ تیمم نہ کرے، اگرچہ مہینہ تک پانی نہ ملے، تو ان سے ابو موسیٰؓ نے کہا کہ تم سورت مائدہ کی اس آیت کو نظر انداز کر دو گے؟(فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا)، تو عبداللہؓ نے کہا کہ لوگوں کو اس بارے میں اجازت دے دی جائے گی، تو جب انہیں پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا تو مٹی سے تیمم کر لیں گے، سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے شقیق سے کہا کہ تم نے تیمم کی اجازت صرف اسی خیال سے نہ دی؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر ابو موسیٰؓ نے کہا کہ کیا تم نے عمارؓ کا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا نہیں سنا؟ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے (باہر) بھیجا (راستے میں) مجھے غسل کی ضرورت ہو گئی اور میں نے پانی نہ پایا، تو میں (تیمم کے لئے) زمین میں جانور کی طرح لیٹ گیا، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں صرف اس طرح کر لینا کافی تھا اور آپؐ نے اپنی ہتھیلی سے ایک ضرب زمین پر ماری، پھر اسے جھاڑ دیا، اس کے بعد آپؐ نے ہاتھ کی پشت پر بائیں ہاتھ سے مسح فرمایا: یا (یہ کہا کہ) اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر ہاتھ سے مسح فرمایا: پھر ان سے اپنے چہرہ پر مسح کر لیا، عبداللہ نے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قول پر بھروسہ نہیں کیا، یعلی نے اعمش سے، انہوں نے شقیق سے اتنی زیادہ روایت کی کہ شقیق نے کہا میں عبداللہؓ اور ابو موسیٰؓ کے ہمراہ تھا، تو ابو موسیٰؓ نے (عبداللہؓ) سے کہا کہ کیا تم نے عمار رضی اللہ عنہ کا کہنا عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور تمہیں (کہیں باہر) بھیجا تھا، اثنائے سفر میں ،میں جنبی ہو گیا، تو میں (بغیر تیمم) زمین پر لیٹنے لگا، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں صرف اتنا کر لینا کافی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ اور ہاتھوں پر ایک مرتبہ مسح فرمایا۔"

شیخ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

" قَوْلُهُ "فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ " كَأَنَّهُ اسْتِعْمَالٌ لِقِيَاسٍ لَا بُدَّ فِيهِ مِنْ تَقَدُّمِ الْعِلْمِ بِمَشْرُوعِيَّةِ

[1] الجامع الصحیح، کتاب التیمم، باب التیمم ضربة، رقم الحدیث: 347

التَّيَمُّمِ، وَكَأَنَّهُ لَمَّا رَأَى أَنَّ الْوُضُوءَ خَاصٌّ بِبَعْضِ الْأَعْضَاءِ وَكَانَ بَدَلَهُ - وَهُوَ التَّيَمُّمُ - خَاصًّا، وَجَبَ أَنْ يَكُونَ بَدَلَ الْغُسْلِ الَّذِي يَعُمُّ جَمِيعَ الْبَدَنِ عَامًّا لِجَمِيعِ الْبَدَنِ"[1]

"عمارؓ کا یہ کہنا کہ: میں نے مٹی میں ایسے پلٹیاں کھائیں جیسے کوئی چوپایہ پلٹیاں کھاتا ہے، گویا انہوں نے تیمم جنابت کو غسل جنابت پر قیاس کیا۔ یہ قیاس کرنا تب ہی ممکن ہے جبکہ انہیں تیمم کی مشروعیت کا پہلے سے علم ہو۔ جب عمارؓ نے دیکھا کہ وضو میں چند مخصوص اعضاء کو دھویا جاتا ہے تو وضو کا بدل تیمم بھی بعض اعضاء کے ساتھ خاص ہو گا۔ جبکہ غسل تمام اعضاء کو شامل ہے تو غسل کا بدل تیمم بھی تمام اعضاء کو شامل ہو گا۔

زخمی کے لیے طہارت کے حصول میں رخصت:

زخمی کے لیے اسلام میں بہت ساری آسانیاں اور سہولیات رکھی گئی ہیں ۔طہارت و پاکیزگی کے باب میں رسول اکرم ﷺ نے زخمی کے لیے مزید یسر و آسانی پیدا کر دی تا کہ کوئی فرد زخمی حالت میں دقت اور دشواری میں نہ پڑ جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ: «قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ - أَوْ» يَعْصِبَ «شَكَّ مُوسَى -عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ»[2]

"ہم سفر کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں ایک شخص کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا ۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا اور اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم مجھے تیمم کی اجازت دیتے ہو؟۔انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لئے تیمم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے کیونکہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے لہذا اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ جب ہم رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا اللہ ان کو ہلاک کرے۔ جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیئے تھا کیونکہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے۔ اس شخص کے لئے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو لیتا۔"

اس حدیث سے دین اسلام کی آسانیوں اور سہولتوں کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے اور ساتھ ہی دین میں تنگی ، حرج اور

---

(1) العید، ابن دقیق، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، 1/147، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی المجروح یتیمم، رقم الحدیث: 336

تکلیف پیدا کرنے کی ناپسندیدگی کا بھی علم ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے زخمی کے لیے سہولت و آسانی کا پہلو چھوڑا ان کی آپ نے سخت مذمت فرمائی۔

دین اسلام میں طہارت و پاکیزگی کے حصول میں آسانی اور تیسیر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔

"مَنْ كَانَ لَهُ جُرْحٌ مَعْصُوبٌ عَلَيْهِ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْعَصَائِبِ وَيَغْسِلُ مَا حَوْلَ الْعَصَائِبِ"[1]

"جس کو زخم پہنچے وہ غسل اور وضو میں زخم والی جگہ پر مسح کرے اور اس کے ارد گرد والی جگہ کو دھولے۔"

اس باب میں دیگر احادیث بھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اگر کسی فرد کو ایسا زخم لگ جائے جس کی وجہ سے وہ پانی سے وضو یا غسل نہیں کر سکتا تو وہ تیمم پر اکتفاء کرے گا ہاں اگر زخم ایسا ہے کہ وضو اور غسل کے دوران اس زخم کو پانی سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے، تو اس صورت میں باقی جسم پر پانی بہا لیا جائے اور زخم والے حصے پر مسح کر لیا تاکہ زخم کے خراب ہونے اور نقصان سے بچا جا سکے۔

ہلاکت کے خوف کے باعث طہارت میں تیسیر:

اگر کسی آدمی کو طہارت و پاکیزگی کے لیے پانی کے استعمال کی وجہ سے یہ خطرہ لاحق ہو کہ وہ موسم کی شدت کی وجہ سے نقصان اٹھائے گا یا اس کی جان کو خطرہ ہے کہ کہیں پانی کے استعمال سے وہ کسی بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے تو ایسے خطرے سے بچنے کے لیے بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السُّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي الصُّبْحَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟» فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي مَنَعَنِي مِنَ الِاغْتِسَالِ وَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ اللهَ يَقُولُ: {وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا} [النساء: 29] فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا»[2]

"مجھے سردی کے زمانہ میں ایک رات غزوہ ذات السلاسل میں احتلام ہو گیا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا۔ اس لئے میں نے تیمم کر کے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی بعد میں میرے ساتھیوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل مت کرو اور اللہ تم پر رحم

---

(1) السنن الکبری للبیہقی، ابواب التیمم، باب المسح علی العصائب والجبار، رقم الحدیث: 1079

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب اذا خاف الجنب البرد یتیمم، رقم الحدیث: 334

کرنے والا ہے، یہ سن کر ﷺ مسکرا دیئے اور کچھ نہ کہا۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ جہاں اس حدیث میں پانی کے استعمال کی ہلاکت کی وجہ سے تیمم کرنے کا جواز ہے وہاں اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اصحابؓ جن چیزوں کے بارے میں ان کو علم نہ ہوتا تھا وہاں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

وہ لکھتے ہیں:

"وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ جَوَازُ التَّيَمُّمِ لِمَنْ يَتَوَقَّعُ مِنِ اسْتِعْمَالِ الْمَاءِ الْهَلَاكَ سَوَاءٌ كَانَ لِأَجْلِ بَرْدٍ أَوْ غَيْرِهِ وَجَوَازُ صَلَاةِ الْمُتَيَمِّمِ بِالْمُتَوَضِّئِينَ وَجَوَازُ الِاجْتِهَادِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[1]

"اس حدیث میں ہر اس آدمی کے لیے تیمم کا جواز ہے جس کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اگر وہ پانی کا استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ خواہ یہ خطرہ موسم کے سرد ہونے کی وجہ سے ہو یا کوئی اور وجہ ہو، اور اس میں یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ تیمم کرنے والا آدمی وضو والوں کو نماز پڑھا سکتا ہے اور اس حدیث میں عہد نبویؐ میں بھی اجتہاد کا جواز نکلتا ہے۔"

شیخ حمزہ محمد قاسم لکھتے ہیں:

"ويستفاد من الحديث ما يأتي: أولاً: أنه يجوز للجنب التيمم مع وجود الماء عند الخوف من حدوث المرض أو زيادته لأن عمراً تيمم بدلاً عن الغسل بسبب شدة البرد، خوفاً على نفسه من الهلاك، وأقره النبي ﷺ على فعله هذا، ولم يعنفه. ثانياً: جواز الاجتهاد في زمنه ﷺ"[2]

"اس روایت سے درجہ ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

1۔ اگر جنبی آدمی کو مرض لاحق ہو جانے یا اس کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، تو پانی پر قدرت کے باوجود بھی اس کے لیے تیمم کر لینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ کو سخت سردی کے موسم میں جب غسل کی حاجت پیش ہوئی تو انہوں نے غسل کی بجائے تیمم کیا۔ کیونکہ انہیں ایسے موسم میں اپنی ہلاکت کا ڈر تھا۔ جب یہ امر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اس فعل پر ثابت رکھا اور کچھ سخت سست نہیں کہا۔

2۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی اجتہاد جائز تھا۔"

سردی کی شدت میں طہارت میں آسانی :

سردی کی شدت میں یہ بھی سہولت دی گئی ہے کہ اگر وضو کر کے موزے پہن لیے جائیں تو آئندہ وضو کرتے ہوئے

---

(1) فتح الباری، 1/454

(2) منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، 1/366

موزے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان پر مسح کر لیناہی کافی ہے۔ مقیم کے لیے یہ سہولت ایک دن اور ایک رات کی ہے اور جبکہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتوں کی سہولت دی گئی ہے۔

شریح بن ھانی بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقَالَتْ: عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَسَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: «جَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ»[1]

"میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اس کے بارے میں علی بن ابی طالبؓ سے سوال کرو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور رات مدت مقرر فرمائی۔"

رسول اکرم ﷺ مسلمانوں مشکلات کے پیش نظر ان کے لیے آسانی اور تیسیر کے پہلو کو ہر جگہ مد نظر رکھتے تھے اور آپ کی کوشش یہی ہوا کرتی تھی کہ لوگوں کے لیے تکلیف کم سے کم ہو اور پیش آمدہ مسئلہ کا کوئی ایسا حل نکالا جائے کہ دین پر عمل بھی ہو جائے اور تنگی و حرج کا خاتمہ بھی ممکن ہو۔

آپ ﷺ نے طہارت میں جہاں موزوں پر مسح کرنے کی سہولت پیدا فرمائی وہاں جرابوں اور جوتوں پر بھی مسح کی اجازت دے دی تا کہ جرابیں اور جوتے پہنے والے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔:

«تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ»[2]

"نبی ﷺ نے وضو کیا اور جوربین اور نعلین پر مسح کیا۔"

اس طرح رسول اکرم ﷺ نے پگڑی پر بھی مسح کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ پگڑی پہننے والا اس کے اتارنے کی مشقت سے بچ سکے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

«تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الخُفَّيْنِ وَالعِمَامَةِ»[3]

"نبی ﷺ نے وضو کیا، موزوں اور عمامہ پر مسح فرمایا۔"

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، رقم الحدیث: 276

(2) جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین، رقم الحدیث:99

(3) جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فی المسح علی العمامۃ، رقم الحدیث:100

مذکورہ بالا احادیث سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ موزوں، جرابوں اور عمامہ (پگڑی) پر مسح کیا جا سکتا ہے، ان پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لباس اور کپڑا پاک کرنے میں آسانی:

منی اور مذی وغیرہ اگر کپڑے یا لباس پر لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے اسلام میں اس قدر سہولت اور آسانی کے پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ اس کی صفائی میں بالکل وقت اور حرج نہیں نظر آتا بلکہ اس میں تیسیر ہی تیسیر نظر آتی ہے۔

حضرت سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:۔

كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً، وَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنَ الِاغْتِسَالِ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءُ» ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَكَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ؟ قَالَ: «يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ، فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ، حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَهُ»[1]

"میں کثرت مذی کی شکایت پر تکلیف میں مبتلاء رہتا تھا کیونکہ میں اکثر اس کی وجہ سے غسل کیا کرتا تھا۔ آخر کار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مذی نکلنے پر) صرف وضو کرنا کافی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مذی کپڑے پر لگ جائے تو کیا کروں؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چلو پانی لے کر اس مقام پر چھڑک دو جہاں تمہیں محسوس ہو مذی لگی ہے۔"

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:۔

«كُنْتُ أَغْسِلُ الجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلاَةِ، وَإِنَّ بُقَعَ المَاءِ فِي ثَوْبِهِ»[2]

"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے جنابت کو دھو دیتی تھی، آپ (اسی کپڑے کو پہن کر) نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے، حالانکہ کپڑے میں پانی (کی تری) باقی ہوتی تھی۔"

لباس اور کپڑے وغیرہ کو صاف کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سہولت اور آسانی پیدا کر دی ہے کہ اگر منی وغیرہ تر ہو تو اس کو دھو لیا جائے اور خشک ہو تو اس کو کھرچ لیا جائے تو یہی کافی ہے۔

عبد اللہ بن شھاب الخولانی بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ نَازِلًا عَلَى عَائِشَةَ فَاحْتَلَمْتُ فِي ثَوْبَيَّ فَغَمَسْتُهُمَا فِي الْمَاءِ، فَرَأَتْنِي جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا فَبَعَثَتْ إِلَيَّ عَائِشَةُ فَقَالَتْ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ بِثَوْبَيْكَ؟ قَالَ قُلْتُ: رَأَيْتُ مَا يَرَى النَّائِمُ فِي مَنَامِهِ، قَالَتْ: هَلْ رَأَيْتَ فِيهِمَا شَيْئًا؟ قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: «فَلَوْ رَأَيْتَ شَيْئًا غَسَلْتَهُ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَحُكُّهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب المذی، رقم الحدیث: 210

(2) الجامع الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب غسل المنی وفرکہ وغسل مایصیب من المراۃ، رقم الحدیث: 229

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَابِسًا بِظُفُرِي»[1]

"میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس مہمان تھا مجھے کپڑوں میں احتلام ہو گیا تو میں نے ان کو پانی میں ڈبو دیا۔ پس مجھے حضرت عائشہؓ کی باندی نے دیکھا اور حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر دی۔ حضرت عائشہؓ نے مجھے بلوایا اور فرمایا کہ تو نے اپنے کپڑوں کو ایسا کیوں کیا؟۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے خواب میں وہ دیکھا جو سونے والا اپنے خواب میں دیکھتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ کیا تو نے ان میں کوئی چیز دیکھی میں نے کہاں ہاں۔ فرمایا اگر تو کوئی چیز دیکھتا تو اس کو دھوتا اور میں تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے اس کو اگر خشک ہوتی تو اپنے ناخنوں سے کھرچ دیا کرتی تھی۔"

خواتین کے لیے حصول طہارت میں مزید آسانیاں:

دین اسلام میں جس طرح مردوں کے لیے طہارت کے حصول میں تیسیر اور آسانی کا پہلو غالب رکھا گیا ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی طہارت کے حصول میں آسانیوں اور سہولتوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

غسل جنابت کے وقت اگر کوئی عورت اپنے سر کی مینڈھیاں نہیں کھولتی اور اسی طرح اپنے سر میں پانی بہا لیتی ہے تو اس کا غسل ہو جائے گا۔ شریعت نے عورت پر لازم نہیں کیا کہ وہ غسل جنابت کے وقت اپنے سر کے بال کھول کر ان میں پانی بہائے بلکہ اس کے لیے آسانی، سہولت اور تیسیر فرماتے ہوئے اس کو رخصت دی ہے کہ وہ صرف سر پر پانی بہا لے اس کے لیے پانی بہانا ہی کفایت کر جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي فَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ قَالَ: «لَا. إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ»[2]

"میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے سر پر سختی کے ساتھ مینڈھیاں باندھتی ہوں کیا میں ان کو غسل جنابت کے لئے کھولوں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں تیرے لئے تین چلو بھر کر اپنے سر پر ڈال لینا کافی ہے پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہا لے اس سے تو پاک ہو جائے گی۔"

یہ سہولت خواتین کی دشواری اور مشکل کو مد نظر رکھتے ہوئے دی گئی ہے مرد کے لیے تو یہی حکم ہے کہ وہ پانی اپنے سر کے بالوں کی جڑوں تک پہنچائے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ نے ایک بار مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بال کھول کر ان کی جڑوں تک پانی پہنچانے کا فتویٰ دیا تو حضرت عائشہؓ نے سختی سے اس کا نوٹس لیا اور فرمایا:

---

(1) صحیح المسلم، کتاب الطہارۃ، باب حکم المنی، رقم الحدیث: 290

(2) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلہ، رقم الحدیث: 330

يَا عَجَبًا لِابْنِ عَمْرٍو هَذَا يَأْمُرُ النِّسَاءَ إِذَا اغْتَسَلْنَ أَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ. أَفَلَا يَأْمُرُهُنَّ أَنْ يَحْلِقْنَ رُءُوسَهُنَّ، «لَقَدْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ. وَلَا أَزِيدُ عَلَى أَنْ أُفْرِغَ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثَ إِفْرَاغَاتٍ»[1]

"ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لئے تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو غسل کے وقت اپنے سروں کو کھولنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو سروں کے منڈانے ہی کا حکم کیوں نہیں کر دیتے حالانکہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے اور میں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالنے سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتی تھی۔"

امام شوکانی اس حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں:

"الْحَدِيثُ يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ وُجُوبِ نَقْضِ الشَّعْرِ عَلَى النِّسَاءِ، وَقَدْ تَقَدَّمَ الْكَلَامُ فِيهِ. وَأَمَّا أَمْرُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو بِالنَّقْضِ فَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ أَرَادَ إيجَابَ ذَلِكَ عَلَيْهِنَّ وَيَكُونُ ذَلِكَ فِي شُعُور لَا يَصِلُ إلَيْهَا الْمَاءُ، أَوْ يَكُونُ مَذْهَبًا لَهُ أَنَّهُ يَجِبُ النَّقْضُ بِكُلِّ حَالٍ، كَمَا حُكِيَ عَنْ غَيْرِهِ، وَلَمْ يَبْلُغْهُ حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ وَعَائِشَةَ، وَيُحْتَمَلُ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُهُنَّ بِذَلِكَ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ وَالِاحْتِيَاطِ لِلْإِيجَابِ قَالَهُ النَّوَوِيُّ"[2]

ایام خاص میں اگر خون عورت کے کپڑوں کو لگ جائے اور وہ ان کپڑوں میں نماز ادا کرنا چاہتی ہو تو شریعت میں خواتین کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ ان کپڑوں میں نماز ادا کر سکتی ہیں، البتہ جہاں خون کے داغ لگے ہوں ان کو دھونا ضروری ہے اور اگر دھونے کے باوجود ان میں نشانات باقی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت خولہ بنت یسارؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو عرض کیا۔

يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَأَنَا أَحِيضُ فِيهِ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: «إِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيهِ، ثُمَّ صَلِّي فِيهِ» . فَقَالَتْ: فَإِنْ لَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: «يَكْفِيكِ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُه»[3]

"یا رسول اللہؐ! میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے اور اس میں مجھ پر ناپاکی کے ایام بھی آتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم پاک ہو جایا کرو تو جہاں خون لگا ہو، وہ دھو کر اس میں ہی نماز پڑھ لیا کرو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر خون کے دھبے کا نشان ختم نہ ہو؟ فرمایا پانی کافی ہے، اس کا نشان ختم نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

حائضہ عورت کے لیے شریعت اسلامیہ میں ایک یہ بھی رخصت اور آسانی پائی جاتی ہے کہ عورت ان مخصوص ایام میں ذکر و اذکار کر سکتی ہے۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضغائر المغتسلة، رقم الحدیث: 331

(2) نیل الاوطار، 1/311

(3) سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب المراۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا، رقم الحدیث: 365

امام بخاریؒ نے اپنی ''الجامع الصحیح''میں ایک باب باندھا ہے۔''باب قراءة الرجل فی حجر امراءته وھی حائض''امام بخاریؒ کے باب باندھنے کا مقصد یہ بات ثابت کرنا ہے کہ عورت مخصوص ایام میں بھی تلاوت سن سکتی ہے رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے پاس تلاوت فرمائی تھی جبکہ وہ اس وقت حائضہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:-

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ القُرْآنَ» [1]

''نبی ﷺ میری گود میں تکیہ لگالیتے تھے حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی، پھر آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔''

امام بخاریؒ نے حائضہ عورت کے ذکر و اذکار کرنے کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ قرات وغیرہ کر سکتی ہے اور اس موقف کی تائید میں وہ لکھتے ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: «لاَ بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الآيَةَ» ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ «بِالقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا» وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ " وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: «كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الحُيَّضُ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ» [2]

''ابراہیم نے کہا کہ تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ابن عباسؓ بھی جنبی کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ اگر حیض آجائے تو ہم اپنی تکبیرات کہیں اور دعا مانگیں۔''

حافظ عبد المنان نوری پوریؒ حائضہ اور جنبی کی تلاوت قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق دو مسئلے ہیں:

(1) جنبی و حائضہ کا قرآن پڑھنا

(2) جنبی اور حائضہ کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور چھونا۔

پہلے مسئلے میں درست اور صحیح بات یہی ہے کہ جنبی اور حائضہ قرآن پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ ان کے لیے قرات قرآن سے ممانعت والی کوئی ایک روایت بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ اور دوسرے مسئلے میں صحیح اور درست قول ہے کہ جنبی اور حائضہ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی چھو سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿لا یمس القرآن الا طاھر﴾ اور معلوم ہے کہ جنبی اور حائضہ طاہر نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿و ان کنتم جنبا فا طھروا﴾

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب قراۃ الرجل فی حجرۃ، رقم الحدیث: 297

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت، 1/68

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن﴾[1]

حلال جانوروں کے گوبر اور پیشاب کے بارے میں آسانی:

مویشی پالنے والے افراد کے لیے رسول اکرم ﷺ نے یہ آسانی بیان فرمائی ہے کہ وہ نماز وغیرہ بھیڑ اور بکریوں کے باڑے میں ہی ادا کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے خود بھی بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کی تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ حلال جانوروں کا پیشاب اور گوبر ناپاک نہیں ہوتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:۔

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الغَنَمِ»[2]

"نبی ﷺ بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز پڑھتے تھے۔"

رسول اکرم ﷺ نے جانوروں کے پیشاب کے بارے میں آسانی اور تیسیر کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا أُكِلَ لَحْمُهُ»[3]

"جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے بول میں کوئی حرج نہیں۔"

حلال جانوروں کا گوبر اور پیشاب ناپاک نہیں ہے اگر یہ جسم اور لباس پر لگ جاتا ہے تو انسان کو اپنے جسم اور لباس کو ناپاک نہیں سمجھنا چاہیے۔

جوتا وغیرہ پاک کرنے میں آسانی:

بازاروں، گلیوں اور راستوں میں گزرتے ہوئے جوتا وغیرہ کو گندگی سے بچانا ایک مشکل امر ہے اکثر اوقات راستوں میں لگے گندگی کے ڈھیر اور گٹر وغیرہ کا پانی جوتے کو لگ جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جوتوں کو پاک وصاف کرنے کا رسول اکرمؐ نے انتہائی آسان عمل بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى، فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ»[4]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہن کر نجاست پر چلے گا تو مٹی اس کو پاک کر دے گی۔"

---

(1) نور پوری، عبد المنان، احکام و مسائل، مکتبہ کریمیہ، لاہور 2/144

(2) الجامع الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی صلوٰۃ فی مرابض الغنم والمطان الابل، رقم الحدیث: 350

(3) سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب نجاسۃ والامر بالتنزیر منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ، رقم الحدیث: 460

(4) سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب فی الاذیٰ یصیب النعل، رقم الحدیث: 385

آپ ﷺ نے مزید اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی:

"إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ: فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا "[1]

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لے۔ اگر جوتوں میں گندگی یا نجاست لگی ہو تو ان کو زمین پر رگڑ دے اس کے بعد (ان کو پہن کر) نماز پڑھے۔"

ان ہدایات سے اسلام کی آسانیوں، سہولتوں اور رخصتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی قدر مسلمانوں کے لیے سہولیات اور وسعت پائی جاتی ہے۔

خشک مٹی سے پاکیزگی کا حصول:

حضرت ام ولد عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں۔

أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي، فَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ، فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»[2]

"انہوں نے امّ المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا کہ میں اپنا دامن لمبار کھتی ہوں اور (بسا اوقات) گندگی میں بھی چلنا پڑ جاتا ہے۔ تو فرمانے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعد والی زمین اس کو پاک کر دے گی۔"

اس حدیث کی وضاحت ایک اور حدیث سے یوں ملتی ہے۔

عبد اللہ بن یزید بن عبد الاشہل ایک عورت سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مُطِرْنَا؟ قَالَ: «أَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيقٌ هِيَ أَطْيَبُ مِنْهَا؟» قَالَتْ: قُلْتُ: بَلَى. قَالَ: «فَهَذِهِ بِهَذِهِ»[3]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارا مسجد میں جانے کا راستہ گندہ ہے پس جب بارش ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس گندے راستے کے بعد کوئی صاف راستہ بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا پس یہ (دوسرا راستہ پہلے راستہ کا) بدل ہے۔"

ناپاک جانور جگہ کو ناپاک نہیں کرتا:

مسجد، عبادت گاہ یا گھر وغیرہ میں اگر کوئی حرام اور پلید جانور داخل ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس جگہ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی نعل، رقم الحدیث: 650

(2) سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ، باب الارض یطھرہ بعضھا بعضاً، رقم الحدیث: 531

(3) سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب فی الاذیٰ یصیب النعل، رقم الحدیث: 384

حضرت حمزہ بن عبد اللہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں:

كَانَتِ الكِلاَبُ تَبُولُ، وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي المَسْجِدِ، فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ»[1]

"رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اور بول و براز بھی کر جاتے تھے لیکن لوگ ان جگہوں پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔"

اس وقت چونکہ مسجد نبوی کچی تھیں اور جانوروں کا پیشاب مٹی میں جذب ہو جاتا تھا اس لیے آپ ﷺ دھونے کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ اس میں فقہاء نے یہ اصول و قوانین بیان کیے ہیں کہ اگر نجاست پانی کی طرح کی ہے تو اس پر پانی بہا دینے سے وہ پاک ہو جائے گی اور اگر ٹھوس ہے تو اس اُٹھا دیا جائے گا۔ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ»[2]

"اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا بھرا ہوا ڈول یا کچھ کم بھرا ہوا ڈول بہا دو۔ کیونکہ تم نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو، سختی کے لیے نہیں۔"

اس آدمی نے پیشاب کیا تھا اور اس کی وجہ سے جگہ بھی گیلی ہو گئی تھی آپ ﷺ نے اس پر پانی بہانے کا حکم فرمایا تھا تاکہ وہ پاک ہو جائے۔

بلی کا جوٹھا ناپاک نہیں ہے:

بلی کسی چیز میں منہ لگا دیتی ہے تو طبع ناپسند نہ کرے تو وہ کھائی اور پی جا سکتی ہے اور اس پانی سے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے رسول اکرم ﷺ نے اس کے جوٹھے کو ناپاک قرار نہیں دیا۔

حضرت کبشہ بنت کعبہ بن مالکؓ بیان کرتی ہیں:

أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا - ثُمَّ ذَكَرَتْ كَلِمَةً مَعْنَاهَا - فَسَكَبْتُ لَهُ وَضُوءًا، فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ، فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ. قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ»[3]

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، پھر کبشہ نے ایسے الفاظ کہے جن کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کے

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، رقم الحدیث: 174

(2) الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب حب الماء علی البول فی المسجد، رقم الحدیث: 220

(3) سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب سور الھرۃ، رقم الحدیث: 68

لیے برتن میں وضو کا پانی ڈالا۔ چنانچہ ایک بلی آئی اور اس سے پانی پینا شروع کر دیا۔ انھوں نے بلی کے لیے برتن جھکا دیا (تاکہ وہ آسانی سے پی لے) بلی نے پانی پی لیا۔ کبشہ نے کہا کہ انھوں نے مجھے دیکھا کہ میں (حیرانی سے) ان کی طرف دیکھ رہی ہوں تو کہنے لگے: اے بھتیجی! کیا تجھے اس پر تعجب ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: "بلاشبہ بلی پلید نہیں کیونکہ یہ تم پر آنے جانے والے نوکروں اور نوکرانیوں (یاسائلین) کی طرح ہے۔"

مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہ بات غیر مبہم انداز میں واضح ہو جاتی ہے کہ طہارت و پاکیزگی کے حصول میں رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے لیے کس قدر نرمی، آسانی، تیسیر، سہولت اور گنجائش کے پہلو کو مد نظر رکھا ہے۔

2

فصلِ دوم

فرض عبادات میں تیسیر

فرض عبادات میں تیسیر

اسلامی تعلیمات کے دو بنیادی شعبے ہیں جن کا نام عقائد اور اعمال ہے۔

عقائد سے مراد وہ پختہ اور اٹل نظریات و حقائق ہیں جن پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے غیر متزلزل ایمان و یقین رکھنا اسلام کی شرط اول ہے۔ اسلامی تعلیمات کا دوسرا اہم شعبہ اعمال سے تعلق رکھتا ہے جسے عام اصطلاح میں عبادات سے جانا جاتا ہے۔ عبادات سے مراد ایسے امور ہیں جن کی خشوع و خضوع کے ساتھ ادائیگی ہر ایک مسلم پر حسب استطاعت اور بقدر طاقت فرض اور لازم ہے۔

لغوی اعتبار سے لفظ عبادات جس کی واحد عبادت ہے کے بارے میں ائمہ لغت کے ہاں یہ قول مسلمہ ہے کہ اس کے حروف اصلیہ ع، ب اور د تین ہیں اور یہ لفظ "عبد" سے ماخوذ ہے۔[1]

عربی لغت میں عبودیۃ اور عبدیۃ کے اصلی معنی انتہائی خضوع اور تذلل کے ہیں۔ مکمل عاجزی و فروتنی اور کامل انقیاد کے ہیں۔[2]

بالفاظ دیگر عبادت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

ہر وہ خضوع جس سے بڑھ کر کوئی خضوع نہ ہو، وہی عبادت ہے۔ اسلام میں چند ایک عبادات فرض کا درجہ رکھتی ہیں جن کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ وہ چار عبادات ہیں۔

نماز روزہ زکوٰۃ اور حج

اسلام نے بندگی، عاجزی اور انکساری کے اظہار کو صرف انہی عبادات میں محصور نہیں کیا بلکہ ان کے ذریعے عبادات کا ایک مزاج تشکیل دیا ہے جس سے پوری زندگی حسن عمل میں ڈھل جاتی ہے۔ اس سے یہ شبہ ذہن میں نہیں رہنا چاہیے کہ ان چار فرائض کی تخصیص نے عبادات کے وسیع تر مفہوم کو محدود کر دیا ہے بلکہ ان چار عبادات کو فرض کہنے سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ انسان کے اچھے اور نیک اعمال کے چار اصول ہیں، جن کے ذریعے بندے کا خدا اور اس کی مخلوق سے رابطہ استوار ہوتا ہے۔ یہ وہ چار اعمال ہیں جو کسی فرد کا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان فاصلہ ختم کرتے ہیں۔ ان چار فرض عبادات کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ان چار عبادات کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے انتہائی نرمی، آسانی اور سہولت سے کام لیا ہے۔ یہ عبادات چونکہ مسلمانوں پر فرض ہیں اور ہر ایک مسلم ان کی ادائیگی میں مختلف مسائل اور حالات سے دوچار ہوتا ہے، اس لیے رسول اکرم ﷺ نے ان عبادات میں آسانی اور تیسیر کے پہلو کو نمایاں رکھا ہے تاکہ ان کی ادائیگی میں کوئی بھی مسلم ناقابل

---

(1) لسان العرب، 3/270-271

(2) ایضاً

تحمل مشکلات اور مصائب کا شکار نہ ہو۔

فرض عبادات میں رسول اکرم ﷺ نے ہر طرح کی مشکلات، تنگیوں اور دشواریوں کا خاتمہ فرمایا ہے اور ایسی سہولتیں اور آسانیاں پیدا فرمائی ہیں کہ حکم الٰہی کی ادائیگی بھی ہو جائے اور مشقت اور تنگی بھی کم سے کم ہو۔

درج ذیل میں فرض عبادات کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی پیدا کردہ تیسیر، آسانی، سہولت، گنجائش، رخصت اور وسعت کا ہر عبادت کے عنوان میں ذکر کیا جائے گا تاکہ عصر حاضر میں ان عبادات کی ادائیگی میں آسانی اور تیسیر سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

نماز میں تیسیر

نماز کی ادائیگی کرنادن اور رات میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ قرآن وحدیث میں پابندی نماز کے بارے میں کثیر دلائل ہیں اور اس کے تارک کے لیے قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں موجود ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے جہاں کہیں مسلمانوں کے لیے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی دقت، دشواری، تنگی اور مشکل دیکھی وہاں ان کے لیے آسانیاں اور سہولتیں پیدا فرمادی ہیں تاکہ ہر مسلم بااحسن طریق سے اللہ کی خوشنودی اور رضا کو حاصل کرسکے۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر یہ احسان خاص فرمایا ہے کہ جو فرد پانچ نمازیں ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے پچاس نمازوں کی ادائیگی کا ثواب دیا جاتا ہے۔ نمازوں کی تعداد میں تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے پہلی آسانی اور تیسیر تھی۔ پانچ نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اچھے طریقے سے وضو کرنے کے بعد خشوع وخضوع کے ساتھ وقت پر نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ بخشش کا وعدہ ہے اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے وہ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمادے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ» [1]

> ”پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں، جو ان کا وضو عمدہ بنائے اور انہیں ان کے اوقات پر ادا کرے، ان کے رکوع اور خشوع کامل رکھے، تو ایسے شخص کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا، اور جو یہ نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے۔“

شیخ ابن قیم لکھتے ہیں:

" فَتَأمل هَذِه الْحِكْمَة الْبَالِغَة وَالنعْمَة السابغة فَإِنَّهُ لما اقْتَضَت الْمصلحَة أَن تكون خمسين تكميلا للثَّواب وسوقا لَهُم بهَا إِلَى أعلا الْمنَازل واقتضت أَيْضا أَن تكون خمْسا لعجز الْأمة وضعفهم وَعدم احتمالهم الْخمسين جعلهَا خمْسا من وَجه وَخمسين من وَجه جمعا بَين الْمَصَالح وتكميلا لَهَا وَلَو لم نطلع من حكمته فِي شَرعه وَأمره ولطفه بعباده ومراعاة مصالحهم وتحصيلها لَهُم على أتم الْوُجُوه إِلَّا على هَذِه الثَّلَاثَة وَحدهَا لكفى بهَا دَلِيلا على مَا رَاءها فسبحان من لَهُ فِي كل مَا خلق وَأمر حِكْمَة بَالِغَة شاهدة لَهُ بِأَنَّهُ أحكم الْحَاكِمين وأرحم

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوٰۃ، رقم الحدیث : 425

الرَّاحِمِينَ"[1]

"اس بلیغ حکمت اور عظیم نعمت میں غور کریں! اگر اجر و ثواب کو دیکھیں تو مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ پچاس نمازیں کامل برقرار رہتیں، تاکہ یہ اس امت کے اعلیٰ درجے پر پہنچنے کا سبب ہوتا۔ لیکن اس امت کے عجز و کمزوری کو دیکھتے ہوئے کہ یہ پچاس نمازوں کی متحمّل نہیں ہے تو مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ پانچ نمازیں باقی رہتیں۔ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت رکھتے ہوئے نمازیں تو پانچ کر دیں لیکن وعدہ پچاس نمازوں کے اجر و ثواب کا کیا۔ اگرچہ ہم اس رحیم و کریم ذات کے اوامر میں حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کے اپنے بندوں کے ساتھ لطف و کرم اور فضل و احسان کو ان تین وجوہ کے علاوہ مکمل طریقے سے بیان کر سکتے ہیں۔ ان میں سے یہ ایک ہی بطورِ دلیل کے کافی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہر کام اور امر میں حکمتِ بلیغ ہے جو اس کے احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہونے پر شاہد ہے۔"

ابتداً پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی اور تخفیف کرتے ہوئے وہ پانچ کر دیں لیکن وعدہ پچاس نمازوں کے ثواب کا کیا۔

شیخ ملا علی القاری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" (كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ) : أَيْ: وَعْدٌ، وَالْعَهْدُ: حِفْظُ الشَّيْءِ وَمُرَاعَاتُهُ حَالًا فَحَالًا، سَمَّى مَا كَانَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى طَرِيقَةِ الْمُجَازَاةِ لِعِبَادِهِ عَهْدًا عَلَى جِهَةِ مُقَابَلَةِ عَهْدِهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَلِأَنَّهُ وَعَدَ الْقَائِمِينَ بِحِفْظِ عَهْدِهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ، وَوَعْدُهُ حَقِيقٌ بِأَنْ لَا يُخْلِفَهُ، فَسُمِّيَ وَعْدُهُ عَهْدًا ; لِأَنَّهُ أَوْثَقُ مِنْ كُلِّ وَعْدٍ (أَنْ يَغْفِرَ لَهُ) : إِمَّا جُمْلَةٌ مَحْذُوفَةُ الْمُبْتَدَأِ صِفَةُ عَهْدٍ، وَإِمَّا بَدَلٌ عَنْ عَهْدٍ، وَهُوَ الْعَقْدُ وَالْأَمَانُ وَالْمِيثَاقُ، وَالْمُرَادُ غُفْرَانُ الصَّغَائِرِ (وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ: أَيْ: مُطْلَقًا أَوْ تَرَكَ الْإِحْسَانَ (فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ) : فَضْلًا (وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ) : عَدْلًا، وَقَدَّمَ مَشِيئَةَ الْغُفْرَانِ إِيمَاءً إِلَى أَنَّ رَحْمَتَهُ سَبَقَتْ غَضَبَهُ، وَوَكَّلَ أَمْرَ التَّارِكِ إِلَى مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى تَجْوِيزًا لِعَفْوِهِ، وَمِنْ عَادَةِ الْكِرَامِ الْمُحَافَظَةُ عَلَى الْوَعْدِ وَالْمُسَامَحَةُ فِي الْوَعِيدِ"[2]

"(كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ)" یہاں "عہد" وعدہ کے معنی میں ہے۔ کسی کے لیے عہد کے ہونے سے مراد ہے اس کی نگہبانی، رعایت اور ذمّہ داری میں آجانا۔ یہ عبارت مجازات کے طریقے پر ہے بندے کے عہد کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے ذمہ میں عہد کا لینا۔ کیونکہ جو بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو نبھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اُن سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ وہ اپنے

---

[1] ابن القیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیہ، مفتاح دار السعادۃ و منشور ولایۃ العلم والارادۃ، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، 2/33

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 2/511

وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ چنانچہ یہاں وعدے کی بجائے عہد کا ذکر ہے جو سب سے پختہ ترین وعدے کو کہتے ہیں۔

(أَنْ يَغْفِرَ لَهُ) یہ عبارت مبتداء محذوف کی خبر ہے اور عہد کے لیے صفت بن رہی ہے یا عہد سے بدل ہے۔ مغفرت سے صغیرہ گناہوں کی معافی مراد ہے۔(وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ) جس شخص نے بالکل نماز نہ پڑھی یا نماز تو پڑھی لیکن صفتِ احسان کی رعایت نہ رکھی۔ تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ چاہے اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں یا عدل کرتے ہوئے عذاب دیں۔ یہاں معاف کرنے کی مشیت کو عذاب دینے کی مشیت پر یہ بتلانے کے لیے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ نماز کے تارک کے معاملے کو اپنی مشیت کے سپرد کیا، اپنی عفو ودر گزر کی اباحت کے لیے مقدّم کیا۔ کریم لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ وعدے کی پاسداری کرتے ہیں جبکہ وعید میں در گزر سے کام لیتے ہیں۔۔"

درج ذیل میں نماز کی ادائیگی میں دی گئی سہولتوں اور رخصتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مسافر کے لیے رخصت:

اسلام میں مسافر کے لیے کئی ایک سہولتیں موجود ہیں تاکہ وہ سفر کے دوران تنگی، مشقت اور دشواری سے بچ سکے اور اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے نماز کی ادائیگی بھی کر سکے۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے اس سہولت اور رخصت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾[1]

"اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلاّ تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔"

مسافر کے لیے نماز میں جو سہولت اور آسانی دی گئی ہے اس کے بارے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اس سہولت اور آسانی کی وضاحت یوں فرمائی:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»[2]

"(یہ) صدقہ (رعایت) ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے اس لئے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔"

مسافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے قصر کی سہولت عطا کی ہے کہ وہ دوران سفر پوری نماز کی بجائے فرائض کا صرف نصف ادا

(1) النساء4: 101

(2) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم الحدیث: 686

کر لے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ حِينَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا فِي الْحَضَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى»[1]

"جب اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی تو وہ دو رکعت فرض کی، پھر حضر کی صورت میں اسے مکمل کر دیا اور سفر کی نماز کو پہلے فریضے پر قائم رکھا گیا۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس رخصت کی وضاحت یوں فرمائی:

«فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً»[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نماز فرض کی، مسافر پر دو رکعتیں، مقیم پر چار اور (جنگ کے) خوف کے عالم میں (امام کی اقتداء میں) ایک رکعت (اور اقتدا کے بغیر ایک رکعت)۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سفری نماز کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا خَرَجَ مِنْ أَهْلِهِ مُسَافِرًا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ»[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے سفر کے لیے نکلتے تو واپس پلٹنے تک دو رکعت ہی نماز ادا کرتے تھے۔"

جب کوئی فرد اپنے گاؤں، شہر یا علاقہ سے نکل جائے تو وہ نماز قصر ادا کر سکتا ہے اب سوال یہ ہے کہ وہ فاصلہ کتنا ہونا چاہیے جس پر اسلام کی اس دی ہوئی رخصت اور آسانی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ، أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ - شُعْبَةُ الشَّاكُّ - صَلَّى رَكْعَتَيْنِ»[4]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر نکلتے۔ (مسافت کے بارے میں شک کرنے والے شعبہ ہیں)۔ تو دو رکعت نماز پڑھتے۔"

---

(1) ایضاً، رقم الحدیث: 685

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 687

(3) المعجم للطبرانی، باب العین، رقم الحدیث: 12712

(4) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم الحدیث: 691

جمع صلوٰتین کی سہولت:

اسلام میں جہاں مسافر کے لیے نماز قصر کی سہولت اور رخصت موجود ہے وہاں اس کے لیے دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کی بھی سہولت اور آسانی رکھی گئی ہے تاکہ وہ دقت اور مشقت سے بچ سکے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى أَنْ يَجْمَعَهَا إِلَى العَصْرِ فَيُصَلِّيَهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ عَجَّلَ العَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ، وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ المَغْرِبِ أَخَّرَ المَغْرِبَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ العِشَاءِ، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ المَغْرِبِ عَجَّلَ العِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ المَغْرِبِ»[1]

> "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کے لیے روانہ ہوتے تو ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے عصر کے ساتھ ملا دیتے اور دونوں کو ایک ساتھ پڑھتے، اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کے لیے روانہ ہوتے تو عصر کو پہلے کر کے ظہر سے ملا دیتے اور ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھتے پھر روانہ ہوتے۔ اور جب مغرب سے پہلے سفر کے لیے روانہ ہوتے تو مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھتے، اور جب مغرب کے بعد سفر کے لیے روانہ ہوتے تو عشاء کو پہلے کر کے مغرب کے ساتھ ملا کر پڑھتے۔"

مسافر اگر دو نمازوں کو اکٹھا کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو نمازوں کو جمع کر لیتے تھے۔

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ يَوْمَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ. وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ لَيْلَهُ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ»[2]

> "جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت سفر کا ارادہ فرماتے تو ظہر اور عصر کو جمع کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سفر کا ارادہ فرماتے تو مغرب اور عشاء کو اکٹھا کر لیتے تھے۔"

خوف اور جنگ کی حالت میں رخصت:

حالت خوف یا جنگ میں جتنا وقت مل جائے اور جس حالت میں مل جائے نماز ادا کرنی چاہئے کیونکہ دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر خوف یا جنگ کے حالات ہوں تو نماز کم کر لی جائے اور جس حالت میں ہوں اسی حالت میں ہی ادا کر لی جائے۔

---

(1) الجامع الترمذی، ابواب السفر، باب ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین، رقم الحدیث: 553

(2) مؤطا امام مالک، کتاب السھو، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر، رقم الحدیث: 483

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾[1]

"اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔"

سورۃ البقرہ میں ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

"بدامنی کی حالت ہو تو خواہ پیدل ہو، خواہ سوار، جس طرح ممکن ہو، نماز پڑھو۔ اور جب امن میسّر آجائے، تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو، جو اس نے تمہیں سکھادیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔"

یعنی جس حالت میں موقع مل جائے نماز ادا کر لی جائے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صلاۃ الخوف کی ادائیگی کے طریقہ کار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

«يَتَقَدَّمُ الإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ، فَيُصَلِّي بِهِمُ الإِمَامُ رَكْعَةً، وَتَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ العَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوا، فَإِذَا صَلَّى الَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، اسْتَأْخَرُوا مَكَانَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا، وَلاَ يُسَلِّمُونَ، وَيَتَقَدَّمُ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا فَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ يَنْصَرِفُ الإِمَامُ وَقَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَيَقُومُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً بَعْدَ أَنْ يَنْصَرِفَ الإِمَامُ، فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدَّ مِنْ ذَلِكَ، صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلَى أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَانًا، مُسْتَقْبِلِي القِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا »[3]

"امام مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر خود آگے بڑھے اور انہیں ایک رکعت نماز پڑھائے۔ اس دوران میں مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان میں رہے۔ یہ لوگ نماز میں ابھی شریک نہ ہوں، پھر جب امام ان لوگوں کو ایک رکعت پڑھا چکے جو پہلے اس کے ساتھ تھے تو اب یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور ان کی جگہ لے لیں، جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے، لیکن یہ لوگ سلام نہ پھیریں۔ اب وہ لوگ آگے بڑھیں جنہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے اور امام انہیں بھی ایک رکعت نماز پڑھائے، اب امام دو رکعت پڑھ چکنے کے بعد نماز سے فارغ ہو چکا۔ پھر دونوں جماعتیں (جنہوں نے الگ الگ امام کے ساتھ ایک ایک رکعت نماز پڑھی تھی) اپنی باقی ایک ایک رکعت ادا کر لیں۔ جبکہ امام اپنی نماز سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس طرح دونوں جماعتوں کی دو

---

(1) النساء4: 101

(2) البقرہ2: 239

(3) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل: فان خفتم فرجالاً...، رقم الحدیث: 4535

دو رکعت پوری ہو جائیں گی۔ لیکن اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہے تو ہر شخص تنہا نماز پڑھ لے، پیدل ہو یا سوار، قبلہ کی طرف رخ ہو یا نہ ہو۔"

صلوۃ الخوف کے کئی ایک طریقے احادیث میں بیان ہوئے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حالات کی مناسبت سے کوئی بھی طریقہ اپنایا جا سکتا ہے لیکن اس سے ایک بات کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ صلوٰۃ الخوف سے اللہ کی منشاء یہی تھی کہ اس کے بندوں کی مشکل کا خاتمہ ہو سکے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام کی اس رخصت کی وضاحت یوں فرمائی:

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَى الْمُسَافِرِ رَكْعَتَيْنِ، وَعَلَى الْمُقِيمِ أَرْبَعًا، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً»[1]

"اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نماز فرض کی، حضر (جب مقیم ہوں) میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور خوف (جنگ) میں (امام کے ساتھ) ایک رکعت (پھر اس کی امامت کے بغیر ایک رکعت)۔"

بیمار اور کمزور کے لیے سہولت:

بیماری یا کمزوری لاحق ہو جانے کی صورت میں شریعت اسلامیہ میں مسلمانوں کے لیے نماز میں سہولت اور آسانی کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ بیمار آدمی نماز بھی ادا کر لے اور مشقت اور تنگی سے بھی بچ جائے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی بیماری تھی میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کی ادائیگی کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ»[2]

"کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔"

بیماری کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے اس قدر آسانی اور سہولت کو ترجیح دیتے تھے کہ جہاں لوگوں کو عبادات کے معاملہ میں تھوڑی سی بھی مشکل میں مبتلا دیکھتے تو فوراً اس میں آسانی اور تیسیر کے پہلو بیان کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے سجدہ کرنے کے لیے لکڑی کو رکھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم زمین پر سجدہ نہیں کر سکتے تو صرف اشارہ کر دیا کرو کوئی چیز رکھنے کی ضرورت نہیں ہے یہ خوامخواہ خود کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب ماصلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم الحدیث: 687

(2) الجامع الصحیح، ابواب تقصیر الصلوٰۃ، باب اذالم یطلق قاعداً صلی علی جنب، رقم الحدیث: 1117

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«عَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ مَرِيضًا، وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى عُودٍ فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْعُودِ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَطَرَحَ الْعُودَ وَأَخَذَ وِسَادَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعْهَا عَنْكَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ، وَإِلَّا فَأَوْمِئْ إِيمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكِ»[1]

”رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپؐ اس کے ہاں گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ لکڑی پر نماز پڑھ رہا تھا اور سجدہ بھی اسی پر کر رہا تھا تو آپؐ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور لکڑی کو پھینک دیا تو انہوں نے تکیہ پکڑ لیا آپؐ نے فرمایا اس کو ہٹا دو اگر تمہیں زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت ہے تو ٹھیک ورنہ اشاروں سے نماز پڑھو اور سجدوں کے لیے رکوع کی نسبت زیادہ جھکو۔“

رسول اکرم ﷺ نماز کی امامت کراتے وقت بیمار، کمزور اور لاغر افراد کا خود بھی خیال فرماتے تھے اور اپنے اصحابؓ کو بھی ان لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم دیتے تھے اور جماعت کو لمبا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے کہ کہیں کوئی بیمار، کمزور اور لاغر آدمی تنگی میں نہ پڑ جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ ہدایت اور نصیحت فرمائی:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»[2]

”جب کوئی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے کیوں کہ جماعت میں ضعیف بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں، لیکن اکیلا پڑھے تو جس قدر جی چاہے طول دے سکتا ہے۔“

نماز میں اختصار:

رسول اکرم ﷺ افراد معاشرہ کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ لوگوں کے وقت کی اہمیت کا آپ ﷺ کو بہت اچھی طرح اندازہ تھا دوران نماز کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ اس کی والدہ کی بے چینی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے یہی حکم اپنے اصحابؓ کو دیا تھا کہ وہ لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز میں ان کی طوالت کی وجہ سے لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے امام کی نماز میں طوالت کی

---

(1) المعجم اللطبرانی، باب العین، رقم الحدیث : 13082

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، رقم الحدیث: 703

شکایت کی آپ ﷺ نے امامت کرانے والے کو سختی سے اس عمل سے منع فرمایا:

أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلاَةِ الغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلاَنٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالكَبِيرَ وَذَا الحَاجَةِ»[1]

"ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے دیر میں جاتا ہوں، کیوں کہ وہ نماز کو بہت لمبا کر دیتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ (کبھی بھی) غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ (عوام کو عبادت سے یا دین سے) نفرت دلا دیں، خبر دار تم میں جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے۔ کیوں کہ نمازیوں میں کمزور اور ضرورت والے سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ کے ہاں حضرت معاذؓ کے بارے میں یہ شکایت کی گئی کہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کو سختی سے لوگوں کی ضروریات اور وقت کا خیال رکھنے کا حکم دیا:

أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ البَقَرَةِ - أَوِ النِّسَاءِ - فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ» - أَوْ «أَفَاتِنٌ» - ثَلاَثَ مِرَارٍ: «فَلَوْلاَ صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الحَاجَةِ»[2]

"ایک شخص پانی اٹھانے والا دو اونٹ لئے ہوئے آیا، رات تاریک ہو چکی تھی۔ اس نے معاذؓ کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ اس لیے اپنے اونٹوں کو بٹھا کر (نماز میں شریک ہونے کے لیے) معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورہ بقرہ یا سورہ نساء شروع کی۔ چنانچہ وہ شخص نیت توڑ کر چل دیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو برا بھلا کہا ہے۔ اس لیے وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاذؓ کی شکایت کی، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا، معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ آپ نے تین مرتبہ (فتان یا فاتن) فرمایا، سبح اسم ربک الاعلی و الشمس و ضحٰها، والليل اذا يغشى (سورتیں) تم نے کیوں نہ پڑھیں، کیونکہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور حاجت مند نماز پڑھتے ہیں۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب تخفیف فی القیام والرکوع والسجود، رقم الحدیث: 702

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب من شکا امامہ اذا طول، رقم الحدی: 705

الغرض ان احادیث سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ امام وقت کو امامت کراتے ہوئے لوگوں کے وقت کی اہمیت اور ان کی حاجتوں وضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

نسیان کی صورت میں رخصت:

بھول چوک ایک ایسا عارضہ ہے جس کی وجہ سے مکلف کو اپنے ذمے کام یاد نہیں رہتے اور بہت سارے کام جو اس کے ذمے ہوتے ہیں وہ پورے نہیں کر سکتا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ آسانی اور سہولت رکھی ہے کہ اگر کوئی فرد بھول کر نماز میں کمی وبیشی کر بیٹھتا ہے تو اس کا مواخذہ نہیں ہو گا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَّ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ» [1]

”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی، بھول اور وہ گناہ معاف کر دیے ہیں جن پر انہیں زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔“

اللہ تعالیٰ بھول چوک ہو جانے کی وجہ سے گناہ کی سزا نہیں دیتا بلکہ آسانی، نرمی، گنجائش اور وسعت کا معاملہ فرماتا ہے۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے اس آدمی کے بارے میں جو وقت پر نماز ادا کرنا بھول جاتا ہے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا» [2]

”جو شخص کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب اسے یاد آئے، پڑھ لے۔“

نسیان اور خطا کی صورت میں اگر کوئی آدمی نماز پڑھنا بھول جاتا ہے تو جب اس کو یاد آجائے وہ اسی وقت ادا کر لے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ: ذَكَرُوا تَفْرِيطَهُمْ فِي النَّوْمِ فَقَالَ: نَامُوا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ، فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً، أَوْ نَامَ عَنْهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، وَلِوَقْتِهَا مِنَ الْغَدِ» [3]

”انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نیند میں اپنی کوتاہی کا ذکر کیا، یعنی یہ کوتاہی کہ وہ سورج نکلنے تک سوئے رہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سوتے ہوئے (تاخیر ہو جانے میں) کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی (گناہ) تو جاگتے ہوئے (تاخیر کر دینے میں) ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سویا رہ جائے تو جب اسے

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکروہ والناس، رقم الحدیث : 2045

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب من نام عن صلاۃ ونسیھا، رقم الحدیث: 696

(3) ایضاً، رقم الحدیث: 698

یاد آئے (یا جب بیدار ہو) اسی وقت نماز پڑھ لے اور اگلے دن اس کے وقت پر ادا کرے۔"

امام ابو داؤد اپنی "سنن" میں ایک حدیث لائے ہیں جس میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر کسی کو نماز ادا کرنے کا یاد نہ رہا ہو تو ایسے فرد پر نماز کی تاخیر کا کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ»[1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص نماز کو بھول جائے تو وہ اسے اسی وقت ادا کرے جب یاد آ جائے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔"

قبلہ کی تعیین میں وسعت:

بیت اللہ تمام مسلمانوں کے لیے قبلہ قرار دیا گیا ہے اور امت مسلمہ پر لازم ہے کہ جہاں بھی وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں گے۔ تاہم کسی اجنبی یا مسافر کے لیے قبلہ کی تعیین میں مشکل پیش آ رہی ہو تو اس کے لیے اسلام میں یہ آسانی اور سہولت پیدا کر دی گئی کہ جس طرف اس کا دل مطمئن ہو وہ اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لے۔

حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ القِبْلَةُ، فَصَلَّى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلَى حِيَالِهِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ: " {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ} [البقرة: 115] "»[2]

"ہم ایک تاریک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ تو ہم نہیں جان سکے کہ قبلہ کس طرف ہے، ہم میں سے ہر شخص نے اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی جس طرف پہلے سے اس کا رخ تھا۔ جب ہم نے صبح کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا چنانچہ اس وقت آیت کریمہ {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ} (تم جس طرف رخ کر لو اللہ کا منہ اسی طرف ہے) نازل ہوئی۔"

نماز کے اوقات میں وسعت:

اسلام میں نماز کی اول وقت میں ادائیگی کو پسند کیا گیا ہے اور اول وقت کی نماز پر زیادہ اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر نماز کا اول اور آخری وقت متعین کر دیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے لیے نماز کی ادائیگی میں آسانی او رسہولت بر قرار رہے اور وہ مشقت اور تنگی سے بچ سکیں۔

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن الصلوۃ او نسیھا، رقم الحدیث: 442

(2) الجامع الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم، رقم الحدیث: 345

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ قَرْنُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ، ثُمَّ إِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الْعَصْرُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْمَغْرِبَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَسْقُطَ الشَّفَقُ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ»[1]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم فجر کی نماز پڑھو تو سورج کا پہلا کنارہ نمودار ہونے تک اس کا وقت ہے، پھر جب تم ظہر پڑھو تو عصر ہونے تک اس کا وقت ہے اور جب تم عصر پڑھو تو سورج کے زرد ہونے تک اس کا وقت ہے اور جب تم مغرب پڑھو تو شفق (سرخی) کے ختم ہونے تک اس کا وقت ہے اور جب تم عشاء پڑھو تو آدھی رات ہونے تک اس کا وقت ہے۔"

اس کی مزید وضاحت ایک اور حدیث میں یوں ملتی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ»[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ظہر کا وقت (شروع ہوتا ہے) جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو (جانے تک)، جب تک عصر کا وقت نہیں ہو جاتا (رہتا ہے) اور عصر کا وقت (ہے) جب تک سورج زرد نہ ہو جائے اور مغرب کا وقت (ہے) جب تک سرخی غائب نہ ہو جائے اور عشاء کی نماز کا وقت رات کے پہلے نصف تک ہے اور صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک (ہے) جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا، جب سورج طلوع ہونے لگے تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔"

نمازوں کے اوقات کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف چند اوقات (زوال کے وقت، طلوع اور غروب آفتاب کے وقت) میں نماز کی ادائیگی سے منع کیا گیا، باقی تمام اوقات میں نماز کی ادائیگی کی اجازت ہے۔

بارش کی صورت میں آسانی:

اسلام میں نماز باجماعت اور مسجد میں ادا کرنے کی بہت اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ مرد مسجد میں باجماعت نماز ادا کرے۔ تاہم موسم کی خرابی کی وجہ سے اس کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کر دی گئی ہے کہ مسجد

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب اوقات الصلوات الخمس، رقم الحدیث: 612

(2) ایضاً، رقم الحدیث:612

کی بجائے اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لے۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، أَذَّنَ بِالصَّلاَةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ، ثُمَّ قَالَ: أَلاَ صَلُّوا فِي الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ المُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ، يَقُولُ: «أَلاَ صَلُّوا فِي الرِّحَالِ»[1]

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک ٹھنڈی اور برسات کی رات میں اذان دی، پھر یوں پکار کر کہہ دیا کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔ پھر فرمایا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سردی و بارش کی راتوں میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔"

ایک اور حدیث جس کو عبد اللہ بن الحارث بیان کرتے ہیں:

خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ، فَأَمَرَ المُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، قَالَ: قُلْ: «الصَّلاَةُ فِي الرِّحَالِ»، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هَذَا، «إِنَّ هَذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي»[2]

"ہمیں ایک دن ابن عباسؓ نے خطبہ دیا جب بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو رہی تھی۔ پھر مؤذن کو حکم دیا اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ آج یوں پکار دو کہ نماز اپنی قیام گاہوں پر پڑھ لو۔ لوگ ایک دوسرے کو (حیرت کی وجہ سے) دیکھنے لگے۔ جیسے اس کو انھوں نے ناجائز سمجھا۔ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے شاید اس کو برا جانا ہے۔ ایسا تو مجھ سے بہتر ذات یعنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی کیا تھا۔"

اسی طرح بارش کی صورت میں نمازی کے لیے یہ بھی رخصت اور آسانی موجود ہے کہ وہ نمازوں کو جمع کر کے ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں:

«صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ " ا قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: أَرَى ذَلِكَ كَانَ فِي الْمَطَرِ»[3]

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خوف اور سفر کے بغیر ظہر وعصر کو جمع کیا اور مغرب وعشاء کو اکٹھا کیا حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تب بارش کا دن تھا۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحلہ، رقم الحدیث: 666

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب ھل یصلی الامام بمن حضر وھل یخطب یوم الجمعة فی المطر، رقم الحدیث: 668

(3) المزنی، اسماعیل بن یحییٰ "السنن الماثور للشافعی"، باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین فی المطر، رقم الحدیث: 22، دار المعرفة، بیروت، 1406ھ

گرمی کی شدت میں آسانی:

گرمی کے موسم میں جب شدت آجاتی ہے تو اس وقت اول وقت میں ظہر کی نماز کی ادائیگی میں مشکل ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی تنگی اور حرج کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اس کو ٹھنڈا کر لیا کرو تا کہ نماز کی ادائیگی میں آسانی اور سہولت رہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ، فَقَالَ: «أَبْرِدْ أَبْرِدْ» أَوْ قَالَ: «انْتَظِرِ انْتَظِرْ» وَقَالَ: «شِدَّةُ الحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلاَةِ» حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ»[1]

"نبی ﷺ کے مؤذن (بلال) نے ظہر کی اذان دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا یہ فرمایا کہ انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا کہ گرمی کی تیزی جہنم کی آگ کی بھاپ سے ہے۔ اس لیے جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، پھر ظہر کی اذان اس وقت کہی گئی جب ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھ لیے۔"

شیخ عمر عبد اللہ کامل اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"فهذا الحديث يدل على مشروعية هذا التاخير وعلى انه رخصة الى حين الا براد فان لم يخرج الوقت"[2]

"یہ حدیث نماز کی تاخیر کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس میں ہے موسم کے ٹھنڈے ہونے اور گرمی کے نکل جانے تک کی رخصت ہے۔"

بغیر عذر کے جمع صلوٰتین کی سہولت:

سفر اور مجبوری میں تو دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے تاہم حضر میں بھی دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی رسول اکرم ﷺ نے سہولت دی ہے کہ ضرورت کے پیش نظر دو نمازوں کو بھی جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ، وَلَا سَفَرٍ» قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ: فَسَأَلْتُ سَعِيدًا، لِمَ فَعَلَ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَمَا سَأَلْتَنِي، فَقَالَ: «أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ»[3]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، رقم الحدیث: 535

(2) کامل، عمر عبد اللہ، الرخصۃ الشرعیۃ فی الاصول والقویٰ الفقھیۃ، ص:70، دار الکتب، طبع دوم، 2000ء

(3) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، رقم الحدیث: 705

"رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کو مدینہ میں کسی خوف اور سفر کے بغیر جمع کر کے پڑھا۔ ابو زبیر نے کہا: میں نے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) سعید سے پوچھا: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا جیسے تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو انھوں نے کہا: آپ نے چاہا کہ اپنی امت کے کسی فرد کو تنگی اور دشواری میں نہ ڈالیں۔"

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "في غير خوف ولاسفر" یعنی بغیر کسی خوف اور سفر کے رسول اکرم ﷺ نے دو نمازوں کو جمع کیا دوسری حدیث میں الفاظ ہیں کہ "في غير خوف و لامطر" یعنی بغیر خوف اور بارش کے نمازوں کو جمع کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاةِ فِي سَفْرَةٍ سَافَرَهَا فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ» قَالَ سَعِيدٌ: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ، قَالَ: «أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے دوران ایک سفر میں نمازوں کو جمع کیا، ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا۔ سعید نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ انھوں نے کہا: آپ نے چاہا اپنی امت کو حرج (اور تنگی) میں نہ ڈالیں۔"

بھوک اور بول وبراز کی حاجت میں تاخیر:

انسان کو بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا بھی تیار ہو اگر اس دوران نماز کا وقت ہو جائے تو نماز ادا کرنے کی بجائے وہ کھانا کھالے جب کھانے سے فارغ ہو جائے تب نماز ادا کرلے۔ کھانا کھانے کے دوران اگر جماعت کھڑی ہو جائے تب بھی انسان کو جلدی سے کام نہیں لینا چاہئے جب اس کی حاجت پوری ہو جائے تب نماز ادا کرلے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کی ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو بھی پورا کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر بھی عمل پیرا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِالعَشَاءِ وَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ» وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ: «يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ، وَتُقَامُ الصَّلاَةُ، فَلاَ يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الإِمَامِ»[2]

"جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا تیار ہو چکا ہو اور تکبیر بھی کہی جاچکی ہو تو پہلے کھانا کھالو اور نماز کے لیے جلدی

---

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، رقم الحدیث: 705یا 54

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ، رقم الحدیث: 673

نہ کرو، کھانے سے فراغت کر لو۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا، ادھر اقامت بھی ہو جاتی لیکن آپؓ کھانے سے فارغ ہونے تک نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آپ امام کی قرآت برابر سنتے رہتے تھے۔"

اس حدیث کے مفہوم کی مزید وضاحت میں ایک اور حدیث بھی ہے اس کے راوی بھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ، وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ»[1]

"اگر تم میں سے کوئی کھانا کھا رہا ہو تو جلدی نہ کرے، بلکہ پوری طرح کھالے گو (اگرچہ) نماز کھڑی کیوں نہ ہو گئی ہو۔"

شیخ ابن بطالؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وحجة الذين قالوا يبدأ بالصلاة، أنهم حملوا قوله عليه السلام: (فابدءوا بالعشاء) على الندب لما يخشى من شغل باله بالأكل فيفارقه الخشوع، وربما نقص من حدود الصلاة، أو سها فيها، وقد بين هذا المعنى أبو الدرداء فى قوله: (من فقه المرء إقباله على طعامه حتى يقبل على صلاته وقبله فارغ) ، ولو كان إقباله على طعامه هو الفرض عليه لم يقل فيه: من فقه المرء أن يبدأ به، بل كان يقول: منالواجب عليه اللازم له أن يبدأ به "[2]

"جو حضرات نماز کی تقدیم کے قائل ہیں وہ آپ کے اس فرمان (فابدءوا بالعشاء) کو ندب اور استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ کہ اگر اس شخص نے کھانے کے بغیر نماز کو شروع کر لیا تو اس کا ذہن کھانے میں ہی مصروف رہے گا اور نماز کا خشوع و خضوع اس سے جاتا رہے گا۔ بسا اوقات نماز کی حدود میں بھی کوئی کمی رہ جائی گی یا اس سے نماز میں کوئی سہو سرزد ہو جائے گا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اسی معنی کی عکاسی اپنے اس قول میں کی ہے: "یہ بات آدمی کی فقاہت میں سے ہے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف ایسے متوجہ ہو کہ جب نماز کے لیے آئے تو اُس کا دل اس امر سے بالکل فارغ ہو"۔ اگر ایسے موقع پر کھانے کی تقدیم نماز پر فرض ہوتی تو ابو درداء رضی اللہ عنہ اسے انسان کی فقاہت سے تعبیر نہ کرتے بلکہ یوں کہتے کہ آدمی پر کھانے کو شروع کرنا فرض اور لازم ہے۔"

اسی طرح اگر نماز کے وقت کسی کو بول و براز کی حاجت ہو جائے تو اس فرد کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رخصت پیدا کر دی ہے کہ وہ پہلے اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اس کے بعد نماز ادا کر لے اگر کوئی اپنی حاجت پر نماز کو ترجیح دیتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو پسند نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

---

(1) ایضاً، رقم الحدیث: 674

(2) شرح صحیح البخاری لابن بطال، 2/294-295

«إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "کھانا سامنے آجائے تو نماز نہیں۔ اور نہ وہ (شخص نماز پڑھے) جس پر پیشاب پاخانہ کی ضرورت غالب آرہی ہو۔"[1]

شدت کا بھوکا اور بول و براز کی حاجت والا فرد چونکہ اس خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتا جو نماز تقاضا کرتی ہے، اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ایسی حالت میں ادا کی جانے والی نماز کی نفی کر دی کہ ایسی حالت میں ادا کی جانے والی نماز درجہ قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔

بچوں کے لیے رخصت:

چھوٹے بچوں نماز کی عادت ڈالنے کے لیے سات سال کی عمر میں نماز کا کہا جائے گا اور جب بچے دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تب ان کو نماز کی پابندی کا حکم دیا جائے گا۔ اگر دس سال کی عمر کو پہنچ جانے کے باوجود وہ نماز ادا نہ کریں تو ان کے ساتھ سختی کی جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»[2]

"اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نہ پڑھیں) تو انہیں اس پر مارو اور ان کے بستر جدا جدا کر دو۔"

شیخ ملا علی القاری نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

" وَقَالَ الطِّيبِيُّ: لِأَنَّ بُلُوغَ الْعَشْرِ مَظَنَّةُ الشَّهْوَةِ، وَإِنْ كُنَّ أَخَوَاتٍ، وَإِنَّمَا جَمَعَ الْأَمْرَيْنِ فِي الصَّلَاةِ وَالْفَرْقِ بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ فِي الطُّفُولِيَّةِ تَأْدِيبًا وَمُحَافَظَةً لِأَمْرِ اللهِ تَعَالَى ; لِأَنَّ الصَّلَاةَ أَصْلُ الْعِبَادَاتِ، وَتَعْلِيمًا لَهُمُ الْمُعَاشَرَةَ بَيْنَ الْخَلْقِ، وَأَنْ لَا يَقِفُوا مَوَاقِفَ التُّهَمِ فَيَجْتَنِبُوا مَحَارِمَ اللهِ تَعَالَى كُلَّهَا"[3]

"علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: دس سال کی عمر وجودِ شہوت کی وجہ سے موضع تہمت ہے۔ چاہے (اکٹھے لیٹنے والی) بہنیں ہی کیوں نہ ہو۔ روایت میں نماز اور بستروں کے درمیان جدائی کو اکٹھا بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب کراھیۃ الصلوۃ بحضرۃ الطعام... الاخبثین، رقم الحدیث: 560

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب متی یومر الغلام بالصلاۃ، رقم الحدیث: 495

(3) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 2/512

رعایت رکھتے ہوئے کیونکہ نماز تمام عبادات کی بنیاد ہے۔اور آپس میں خلقِ خدا کے ساتھ رہن سہن کا طریقہ بھی سکھلایا۔تاکہ موضع تہمت سے دور رہتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تمام حرام کردہ چیزوں سے بچایا جائے۔"

خواتین کے لیے رخصت:

مستحاضہ عورت کے لیے رسول اکرم ﷺ نے نماز میں رخصت دی کہ وہ ایک غسل کے ساتھ دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھ لے۔

حضرت حمنہ بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں:

إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَمَا تَرَى فِيهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَالصَّوْمَ. فَقَالَ: «أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ، فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ» . قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: «فَاتَّخِذِي ثَوْبًا» . فَقَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ أَيَّهُمَا فَعَلْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الْآخَرِ، وَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ» . قَالَ لَهَا: «إِنَّمَا هَذِهِ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللَّهِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي حَتَّى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ، وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُومِي، فَإِنَّ ذَلِكَ يَجْزِيكِ، وَكَذَلِكَ فَافْعَلِي فِي كُلِّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتُ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ، وَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي، وَصُومِي إِنْ قَدِرْتِ عَلَى ذَلِكَ»[1]

"مجھے بہت زیادہ اور بڑا سخت استحاضہ ہوتا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی کہ آپ سے مسئلہ پوچھوں اور آپ کو اپنی حالت بتاؤں تو میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحشؓ کے گھر میں پایا۔ میں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول! میں ایسی عورت ہوں جسے بہت سخت، شدید استحاضہ ہوتا ہے، آپ کا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟ اس نے مجھے نماز اور روزے سے بھی روک رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا " میرا خیال ہے کہ تم روئی رکھ لیا کرو، اس سے خون رک جائے گا۔" اس (حمنہ) نے کہا: یہ اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا " تو پھر کپڑا باندھ لیا کرو۔" میں نے کہا، یہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، میری تو تللی (دھار) بہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " میں تمہیں دو باتیں بتاتا ہوں ان میں سے جو بھی اختیار کر لو کافی ہے۔ اگر دونوں کی ہمت ہو تو یہ تمہیں معلوم ہو گا۔" آپ ﷺ نے اس سے فرمایا " یہ دراصل شیطانی کچوکا ہے۔ پس تم (ہر مہینے)

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلوۃ، رقم الحدیث: 287

اللہ کے علم کے مطابق چھ یا سات دن حیض کے شمار کرو، پھر غسل کرلو حتٰی کہ جب تم اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھو تو تیئیس یا چوبیس دن رات نماز پڑھتی رہو اور روزے رکھو۔ تمہیں یہ کافی ہے اور ہر مہینے ویسے ہی کیا کرو جیسے کہ عام عورتیں اپنے حیض اور طہر کے دنوں میں کرتی ہیں۔(دوسری صورت) اور اگر ہمت ہو تو ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی کر کے ان دونوں کو جمع کرلو اور ان کے لیے ایک غسل کرو۔ پھر مغرب کو مؤخر اور عشاء کو جلدی کرتے ہوئے ایک غسل کرلو اور ان نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لو۔ اور فجر کی نماز کے لیے (بھی) غسل کرلو۔ اگر تم یہ کر سکتی ہو تو کرلیا کرو اور روزے بھی رکھتی جاؤ۔"

یہ مستحاضہ کے لیے رسول اکرم ﷺ نے اس لیے آسانی اور رخصت دی کہ وہ دقت اور دشواری سے بچ سکے۔

اسی طرح وہ عورتیں جن کو حیض کا خون آجائے ان کے لیے بھی اسلام میں اس دوران نماز کی رخصت ہے وہ نماز نہ ادا کریں اور جب خون بند ہو جائے تو وہ غسل کر کے نماز ادا کریں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللهِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللهِّ، إِنِّي لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي»[1]

"فاطمہ ابی حبش کی بیٹی نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! میں تو پاک ہی نہیں ہوتی، تو کیا میں نماز بالکل چھوڑ دوں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں اس لیے جب حیض کے دن (جس میں کبھی پہلے تمہیں عادتاً آیا کرتا تھا) آئیں تو نماز چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ دن گزر جائیں، تو خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔"

نماز جمعہ کی رخصت:

نماز جمعہ کے لیے مسلمانوں کو خصوصی اہتمام کرنے کی تعلیمات دی گئی ہے اس دن کے کئی ایک فضائل رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جمعہ کی نماز کے لئے سعی و کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب الاستحاضۃ، رقم الحدیث: 306

(2) الجمعہ 62: 9

فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔"

آپؐ نے چار بندوں کے عذر اور ان کی دشواری کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے ان پر جمعہ لازم نہیں ہے۔

«الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ»[1]

"جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ لازماً فرض ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے۔ غلام مملوک، عورت، بچہ اور مریض۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے عید کے دن بھی جمعہ کی نماز کی رخصت دے دی تاکہ مسلمان عید کے دن عید کی خوشیاں بانٹ سکیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَشَهِدْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيدَيْنِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ صَنَعَ؟ قَالَ: صَلَّى الْعِيدَ، ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: «مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَلْيُصَلِّ»[2]

"رسول اللہ ﷺ کے دور میں کبھی دو عیدیں (جمعہ اور عید) ایک ہی دن میں اکھٹی ہوئی ہیں انہوں نے کہا. ہاں! پوچھا کہ تب آپ نے کیسے کیا؟ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے عید کی نماز پڑھی پھر جمعہ کے بارے میں رخصت دے دی اور فرمایا "جو پڑھنا چاہے پڑھ لے۔"

نماز کے دوران دی گئی سہولتیں اور آسانیاں:

جب کوئی فرد نماز ادا کر رہا ہو تو اس دوران بھی اس کے لیے رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک آسانیاں اور سہولتیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

نماز میں ضروری کام کے لیے ہاتھ وغیرہ کا اشارہ کر کے کسی کی راہنمائی جا سکتی ہے کسی کام سے منع کیا جا سکتا ہے یا کسی کام کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلاَيَ، فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي، فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا» ، قَالَتْ: وَالبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ»[3]

"میں رسول اللہ ﷺ کے آگے لیٹی ہوئی تھی اور میرے دونوں پیر آپ کے قبلہ (کی جانب) میں ہوتے تھے،

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب اذا وافق یوم الجمعۃ للملوک المراۃ، رقم الحدیث: 1067

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب اذا وافق یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 1070

(3) الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلاۃ علی الفراش، رقم الحدیث : 382

جب آپ سجدہ کرتے تھے، تو مجھے دبا دیتے تھے، میں اپنے پیر اکٹھے کر لیتی تھی، جب آپ کھڑے ہو جاتے تھے، میں انہیں پھیلا دیتی تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت تک گھروں میں چراغ نہ تھے۔"

اسی مضمون سے متعلق اور روایات بھی موجود ہیں علماء نے ان روایات سے کئی ایک مسائل اخذ کیے ہیں۔ شیخ ابن بطال فرماتے ہیں:

"وفيه من الفقه: أن المرأة لا تبطل صلاة من صلى إليها ولا من مرت بين يديه، وهو قول جمهور الفقهاء ومعلوم أن اعتراضها بين يديه أشدّ من مرورها. وقولها: (ورجلاى فى قبلته فإذا سجد غمزنى) ، فيه دليل على أن الملامسة باليد لا تنقض الطهارة؛ لأن الأصل فى الرِّجْل أن تكون بلا حائل، وكذلك اليد حتى يثبت الحائل، وزعم الشافعى أن غمز رسول الله لها كان على ثوب وهو بعيد؛ لأنه يقول: إن الملامسة تنقض الوضوء وإن لم تكن معها لذة إذا أفضى بيده إلى جسم امرأته"[1]

"فقہ کا مسئلہ ہے کہ عورت اگر نمازی کے سامنے بیٹھی ہو یا اُس کے آگے سے گزر جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یہی جمہور فقہاءؒ کا قول ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ عورت کا نمازی کے سامنے لیٹے ہونا اُس کے آگے سے گزرنے زیادہ سخت ہے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ "میرے پاؤں آپ ﷺ کے قبلے میں ہوتے جب آپ ﷺ سجدے میں جانے لگتے تو مجھے ہاتھ سے دباتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ پاؤں عموماً ننگے ہی ہوتے ہیں ایسے ہی ہاتھ بھی، لہذا درمیان میں کوئی چیز حائل بھی نہیں تھی چنانچہ امام شافعیؒ کا یہ فرمانا! کہ یہ دبانا کپڑے کے اوپر سے تھا یہ بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ کا یہ دعوی ہے کہ عورت کے جسم کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ چھونا بغیر لذّت ہی کے کیوں نہ ہو۔"

دوران نماز ضرورت کے وقت آگے پیچھے ہوا جاسکتا ہے رسول اکرم ﷺ کے عمل سے اس کی اجازت ملتی ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ أَحْمَدُ – يُصَلِّي وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ، فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ – قَالَ أَحْمَدُ: – فَمَشَى فَفَتَحَ لِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُصَلَّاهُ، وَذَكَرَ أَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے، میں آتی اور دروازہ کھلواتی تو آپ ﷺ چل کر دروازہ کھول دیتے اور پھر اپنے مصلے پر لوٹ آتے۔ اور (عروہ نے) ذکر کیا کہ دروازہ قبلہ رخ تھا۔"

شیخ ملا علی قاری نے اس حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے:

"قَالَ الطِّيبِيُّ: فِي هَذَا الْقَيْدِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ أَمْرَ التَّطَوُّعِ سَهْلٌ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: لَيْسَ كَذَلِكَ لِأَنَّ الْفَرْضَ

---

(1) شرح صحیح البخاری لابن بطال، 2/45-46

(2) سنن ابی داؤد، باب تفریع، ابواب الرکوع والسجود، باب العمل فی الصلوۃ، رقم الحدیث: 922

وَالنَّفْل لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ بِافْتِرَاقِهِمَا فِيمَا نَحْنُ فِيهِ فَهُوَ بَيَانُ الْوَاقِعِ فَحَسْبُ [وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ] أَيْ: طَلَبْتُ فَتْحَ الْبَابِ وَالظَّاهِرُ: أَنَّهَا ظَنَّتْ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّلَاةِ وَإِلَّا لَمْ تَطْلُبْهُ مِنْهُ كَمَا هُوَ اللَّائِقُ بِأَدَبِهَا وَعِلْمِهَا [فَمَشِيَ فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُصَلَّاهُ] قَالَ ابْنُ الْمَلَكِ: مَشْيُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - وَفَتْحُهُ الْبَابَ ثُمَّ رُجُوعُهُ إِلَى مُصَلَّاهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْأَفْعَالَ الْكَثِيرَةَ إِذَا تَتَوَالَى لَا تُبْطِلُ الصَّلَاةَ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ. اهـ، وَهُوَ لَيْسَ. بِمُعْتَمَدٍ فِي الْمَذْهَبِ"[1]

"علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں !اس تقیید سے معلوم ہوا کہ نفلوں کے معاملے میں کچھ سہولت ہے۔ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام شافعیؒ فرض اور نفل کے درمیان افتراق کے قائل نہیں ہیں۔لہٰذا یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔بلکہ یہ قید صرف اس حالت کا بیان ہے۔حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا!دروازہ بند تھا،میں آئی اور میں نے دروازہ کھولنے کا کہا۔اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے آپؓ کے گمان میں آپ ﷺ نماز کی حالت میں نہ تھے اگر انہیں معلوم ہوتا تو وہ کبھی بھی دروازہ کھولنے کا مطالبہ نہ کرتی،کیونکہ آپؓ کی شان اور آداب کے یہی لائق تھا۔ [فَمَشِيَ فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُصَلَّاهُ](آپ ﷺ چل کر دروازہ کھول کر اپنے مصلے پر لوٹ آئے)۔ابنِ ملکؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا نماز میں چلنا،دروازہ کھولنا پھر اپنے مصلّی پر واپس لوٹ آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ پے درپے افعالِ کثیرہ نماز کو باطل نہیں کرتے۔بعض علماء کا یہی قول ہے۔لیکن کسی بھی مذہب میں اس قول پر اعتماد نہیں کیا گیا۔"

چھوٹے بچے کو گود میں اٹھا کر یا کندھوں پر بٹھا کر نماز ادا کی جا سکتی،اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

«بَيْنَمَا نَحْنُ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ فِي الظُّهْرِ، أَوِ الْعَصْرِ، وَقَدْ دَعَاهُ بِلَالٌ لِلصَّلَاةِ، إِذْ خَرَجَ إِلَيْنَا وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ بِنْتُ ابْنَتِهِ عَلَى عُنُقِهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُصَلَّاهُ وَقُمْنَا خَلْفَهُ، وَهِيَ فِي مَكَانِهَا الَّذِي هِيَ فِيهِ» ، قَالَ: «فَكَبَّرَ فَكَبَّرْنَا» ، قَالَ: «حَتَّى إِذَا أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْكَعَ، أَخَذَهَا فَوَضَعَهَا، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ سُجُودِهِ، ثُمَّ قَامَ، أَخَذَهَا فَرَدَّهَا فِي مَكَانِهَا، فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ بِهَا ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »[2]

"ایک بار ہم نماز کے لیے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے،نماز ظہر کی تھی یا عصر کی۔اور حضرت بلال

---

(1) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،2/ 793

(2) سنن ابی داوٗد،باب تفریع ابواب الرکوع والسجود،باب العمل فی الصلاۃ،رقم الحدیث: 920

رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے بلایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو امامہ بنت ابی العاص یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کی بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلے پر کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے جب کہ وہ بچی اپنی اسی جگہ پر تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرنا چاہا تو اسے پکڑ کر بٹھادیا، پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے سے فارغ ہوئے اور کھڑے ہوئے تو اسے پھر گردن (کندھے) پر بٹھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں ایسے ہی کرتے رہے، حتیٰ کہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔"

گرمی اور دھوپ کی وجہ سے اگر فرش وغیرہ گرم ہو تو سجدہ کی جگہ کوئی کپڑا وغیرہ رکھا جاسکتا ہے تاکہ چہرہ گرمی کی شدت سے بچ سکے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ»[1]

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر سخت گرمی کی وجہ سے کوئی ہم میں سے اپنے کپڑے کا کنارہ سجدے کی جگہ رکھ لیتا۔"

نماز کے دوران اگر کوئی موذی جانور نظر آجائے جو مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کو نماز کے دوران مارا جاسکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ: الْحَيَّةَ، وَالْعَقْرَبَ»[2]

"نماز پڑھتے ہوئے بھی دو کالے جانوروں کو قتل کر دو یعنی سانپ اور بچھو۔"

مذکورہ بالا تمام دلائل کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی مشکلات، تنگیوں اور دشواریوں کو محسوس کیا۔ وہاں ان کے لیے نماز میں آسانی اور سہولت پیدا فرمادی تاکہ مسلمانوں کے لیے نماز جیسے عظیم عمل کی ادائیگی میں مشکل اور تنگی باقی نہ رہے۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر، رقم الحدیث: 385

(2) سنن ابی داؤد، باب تفریع ابواب الرکوع والسجود، باب العمل فی الصلوٰۃ، رقم الحدیث: 921

روزہ میں تیسیر

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک روزہ ہے رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔ یہ مہینہ اپنی برکتوں، سعادتوں اور عظمتوں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کی فرضیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[1]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے پیرووں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ ان احکام شرعیہ میں سے ہے جو سابقہ اقوام پر بھی فرض تھے۔ سابقہ آسمانی ادیان کے افراد بھی روزہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے روزہ کے احکام میں سختی پائی جاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر یہ احسان فرمایا کہ روزہ کے احکام میں نرمی، آسانی اور تیسیر فرمادی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

”چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اور جو لوگ طاقت رکھتے ہوں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے، تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو، تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ تم روزہ رکھو۔“

روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے، روزہ انسان کو ایسی قوت برداشت سکھاتا ہے جس کی بنا پر انسان اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے۔ روزہ کی وجہ سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو اعمال سیئہ اور عادات شنیعہ سے بچا سکتا ہے۔ روزہ اللہ کے ہاں بہت ہی پسندیدہ عمل ہے اس کا اجر بھی تمام اعمال سے زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَة ضِعْفٍ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي»[3]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے۔ نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک (بڑھا دی جاتی

---

(1) البقرہ2: 183

(2) البقرہ2: 184

(3) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، رقم الحدیث: 1151

ہے)اللہ تعالیٰ نے فرمایا:سوائے روزے کے (کیونکہ)وہ(خالصتاً) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔وہ میری خاطر اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔"

روزہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عبادت ہے اس لیے اس کے بندے بھی اس عبادت کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور رمضان کے ایام میں اپنے آپ کو عبادت کے لیے خاص کر لیتے ہیں۔رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے روزہ کے معاملہ میں مسلمانوں کی راہنمائی کرتے ہوئے سہولت، آسانی اور تیسر کو مدنظر رکھا ہے تاکہ مسلمان اس عظیم عبادت کی ادائیگی اور ثواب کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اتنی مشکلات میں نہ ڈال لیں جن کی وجہ سے ان کے لیے روزہ رکھنا مشکل امر دکھائی دینے لگے۔آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے روزہ دار کے لیے جو آسانیاں اور رخصتیں دی ہیں درج ذیل میں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ ان سہولتوں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

سحری میں تاخیر:

سحری کھانے کے دوران اگر اذان شروع ہو جائے تو روزہ دار کے لیے یہ سہولت اور آسانی رکھی ہے روزہ دار کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کر لے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ، فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ»[1]

"تم میں سے جب کوئی اذان (فجر) سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے رکھے نہیں بلکہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔"

شیخ عبد اللہ مبارکپوری نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

"وفيه إباحة الأكل والشرب من الإناء الذي في يده عند سماع الأذان للفجر وأن لا يضعه حتى يقضي حاجته"[2]

"اس حدیث میں فجر کی اذان سنتے وقت اس برتن سے کھانے اور پینے کی اباحت معلوم ہوتی ہے کہ جو اس (روزہ دار) کے ہاتھ میں ہے وہ برتن اپنی حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے۔"

رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا عمل بھی یہی ملتا ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خود بھی سحری میں تاخیر کرنا پسند کرتے تھے اور اس کا حکم بھی اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو دیتے کہ وہ سحری میں تاخیر کیا کریں۔اس عمل کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ سحری تاخیر سے کرنا نہ صرف مجھے پسند ہے بلکہ اس کا حکم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا گیا تھا۔

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب فی الرجال یسمع النداء والانام علی یدہ، رقم الحدیث: 2350

(2) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 6/469

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُؤَخِّرَ سُحُورَنَا، وَنُعَجِّل فِطْرَنَا، وَأَنْ نُمْسِكَ بِأَيْمَانِنَا عَلَى شَمَائِلِنَا فِي صَلَاتِنَا»[1]

"یقیناً ہم انبیاء کا گروہ ہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی سحری میں تاخیر کریں اور افطاری میں جلدی کریں اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھیں۔"

افطاری میں جلدی:

افطاری جلدی کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے اور اس میں تاخیر سے کام لینا ناپسند کیا گیا ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی افطاری کرنا مستحب اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افطاری میں جلدی کرنے کے عمل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَ يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطْرَ»[2]

"میری امت کے لوگوں میں اس وقت تک خیر باقی رہے گی، جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افطاری میں جلدی کرنے والے کو خوشخبری دی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى سنتي مَا لم تنْتَظر بفطرها النُّجُوم»[3]

"میری امت ہمیشہ میری سنت پر رہے گی جب تک روزہ کی افطاری کے لیے ستاروں کا انتظار نہیں کرے گی۔"

مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ افطاری میں تاخیر سے کام لیں بلکہ یہ یہود و نصاریٰ کا عمل ہے کہ وہ افطاری میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ، لِأَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ»[4]

"دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔"

---

(1) صحیح ابن حبان (مخرجاً)، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب ذکر الاخبار عما یستحب للمرء من وضع الیمین علی الیسار فی صلاتہ، رقم الحدیث: 1770

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار، رقم الحدیث: 1957

(3) العیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، ابو الحسن، موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان، کتاب الصیام، باب تاخیر السحور و تعجیل الفطر، رقم الحدیث: 891، دار الکتب العملیہ

(4) سنن ابی داوٗد، کتاب الصوم، باب مایستحب من تعجیل الفطر، رقم الحدیث: 2353

حضرت عائشہؓ نے بھی اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا بھی یہی عمل تھا کہ وہ افطاری میں جلدی کرنا پسند کرتے تھے۔

ابو عطیہ بیان کرتے ہیں:

«دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَا وَمَسْرُوقٌ، فَقُلْنَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ، وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ، وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ، وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، قَالَتْ: أَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ، وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ؟ قُلْنَا: عَبْدُ اللهِ، قَالَتْ: «كَذَلِكَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»[1]

”میں اور مسروق ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے کہا: اے ام المؤمنین! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو حضرات کا عمل کچھ اس طرح ہے کہ ان میں سے ایک افطار کرنے اور نماز (مغرب) پڑھنے میں جلدی کرتا ہے اور دوسرا افطار اور نماز میں (قدرے) تاخیر کرتا ہے۔ انہوں نے پوچھا افطار اور نماز میں جلدی کون کرتا ہے؟ ہم نے کہا: وہ عبداللہ (عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔“

عمر رسیدہ کے لیے رخصت:

عمر رسیدہ جو روزہ رکھنے کی طاقت اور قوت نہ رکھتا ہو یا اسے خطرہ ہو کہ روزہ کی حالت میں اس کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے تو ایسے فرد کے لیے رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور اپنی جگہ پر کسی کو کھانا کھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«رُخِّصَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيرِ أَنْ يُفْطِرَ، وَيُطْعِمَ عَلَى كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ»[2]

”بڑی عمر کے بوڑھے کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی گئی ہے وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اس پر قضا نہیں ہے۔“

مسافر کے لیے رخصت:

مسافر کے لیے روزہ رکھنے اور چھوڑنے دونوں میں رخصت ہے اگر حالات و واقعات ایسے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا سفری مشکلات بھی نہ ہوں اور وہ سفر کی تھکاوٹ بھی اس قدر محسوس نہ کرتا ہو یا اس کے پاس سفر کرنے کی ایسی سہولت موجود ہو کہ وہ بآسانی روزہ بھی رکھ سکتا ہو اور سفر بھی کر سکتا ہو تو رسول اکرم ﷺ نے ایسے آدمی کو سفر میں

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب ما يستحب من تعجيل الفطر، رقم الحدیث: 2353

(2) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصوم، حدیث شعبہ، رقم الحدیث: 1607

روزہ رکھنے کی اجازت دی ہے کہ وہ روزہ رکھ لے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ کثرت سے روزے رکھتے تھے تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھ لوں؟ تو آپؐ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ»(1)

"اگر تو چاہے تو روزہ رکھ اور اگر تو چاہے نہ رکھ۔"

اگر موسم میں شدت پائی جاتی ہو یا مسافر کے لیے روزہ میں مشکلات پیدا ہو جائیں تو ایسی صورت میں روزہ رکھنے کی بجائے چھوڑنا زیادہ اچھا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» ، فَقَالُوا: صَائِمٌ، فَقَالَ: «لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ»(2)

"رسول اللہ ﷺ ایک سفر (غزوہ فتح) میں تھے آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ روزہ دار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا کام نہیں ہے۔"

ان دونوں آحادیث میں تطبیق یہ ہو گی کہ آپؐ نے یہ اس آدمی کے لیے فرمایا ہے جو سفر کی مشکلات اور تنگیوں کو برداشت نہیں کر سکتا اس کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے اس کا روزہ نیکی میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد تھی کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ روزہ کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ مشکل کا سامنا ہے تو آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر دیا صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو دیکھتے روزہ افطار کر لیا اور بعض نے افطار نہ کیا تو آپؐ نے ان کو سختی سے فرمایا کہ روزہ افطار کر لیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الفَتْحِ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الغَمِيمِ، وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ، وَإِنَّ النَّاسَ يَنْظُرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ العَصْرِ، فَشَرِبَ، وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ، وَصَامَ بَعْضُهُمْ، فَبَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا، فَقَالَ:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب الصوم فی السفر والافطار، رقم الحدیث: 1943

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیہ واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر، رقم الحدیث: 1946

«أُولَئِكَ العُصَاةُ»[1]

”رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف نکلے تو آپ نے روزہ رکھا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی روزہ رکھا، یہاں تک کہ آپ کراع غمیم پر پہنچے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ رکھنا گراں ہو رہا ہے اور لوگ آپ کے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ (یعنی منتظر ہیں کہ آپ کچھ کریں) تو آپ نے عصر کے بعد ایک پیالہ پانی منگا کر پیا، لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے، تو ان میں سے بعض نے روزہ توڑ دیا اور بعض رکھے رہے۔ آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ (اب بھی) روزہ سے ہیں، آپ نے فرمایا: 'یہی لوگ نافرمان ہیں۔“

امام ترمذی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ، فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الفِطْرَ فِي السَّفَرِ أَفْضَلُ، حَتَّى رَأَى بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الإِعَادَةَ إِذَا صَامَ فِي السَّفَرِ، وَاخْتَارَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ الفِطْرَ فِي السَّفَرِ " وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: إِنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ أَفْضَلُ، وَإِنْ أَفْطَرَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ "، وقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ» ، وَقَوْلِهِ حِينَ بَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا، فَقَالَ: «أُولَئِكَ العُصَاةُ» ، فَوَجْهُ هَذَا إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ قَلْبُهُ قَبُولَ رُخْصَةِ اللَّهِ، فَأَمَّا مَنْ رَأَى الفِطْرَ مُبَاحًا وَصَامَ، وَقَوِيَ عَلَى ذَلِكَ، فَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيَّ"[2]

”دوران سفر روزہ کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض اہل علم جن میں صحابہ کرامؓ اور دیگر شامل ہیں کے نزدیک سفر میں روزہ چھوڑنا افضل ہے۔ ان اہل علم میں بعض کا تو یہ خیال ہے کہ اگر کوئی سفر کے دوران روزہ رکھ لیتا ہے پھر بھی اس کو دہرایا جائے گا۔ احمد اور اسحاق نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ سفر میں روزہ چھوڑ دیا جائے گا۔ اور بعض اہل علم جن میں صحابہ کرامؓ اور دیگر افراد شامل ہیں کے نزدیک اگر کسی فرد میں روزہ رکھنے کی ہمت و طاقت ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے اور چھوڑ دے تو حسن ہے۔ اس قول کو اختیار کرنے والے سفیان ثوری، مالک بن انس اور عبد اللہ بن مبارک ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ”سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔“ اور جب آپ ﷺ کو علم ہوا کہ لوگوں میں سے بعض روزہ دار ہیں تو آپ ﷺ کا فرمان ”یہی نافرمان ہیں“ پس اس کی توجیح یہ ہے کہ جب اس کا دل اللہ کی رخصت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اور جس کا خیال ہے کہ روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں مباح ہیں اور اس مسئلہ میں اس کی بات قوی ہے اور مجھے یہ زیادہ اچھی لگی ہے۔“

---

(1) الجامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی کراہیۃ الصوم فی السفر، رقم الحدیث: 710

(2) الجامع الترمذی، 82/2

جس میں قوت اور طاقت ہو یا سفر کی آسانیاں موجود ہوں اس کے لیے روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ کی حالت میں سفر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ حَارٍّ حَتَّى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الحَرِّ، وَمَا فِينَا صَائِمٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَابْنِ رَوَاحَةَ»(1)

”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر کر رہے تھے۔ دن انتہائی گرم تھا۔ گرمی کا یہ عالم تھا کہ گرمی کی سختی سے لوگ اپنے سروں کو پکڑ لیتے تھے، نبی کریم ﷺ اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص روزہ سے نہیں تھا۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سفر میں روزہ رکھنے والے یا چھوڑنے والے پر کسی قسم کا حکم نہیں لگاتے تھے یعنی دونوں پر ہی حالات یا قوت و استطاعت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلاَ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ»(2)

”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (رمضان میں) سفر کیا کرتے تھے۔ (سفر میں بہت سے روزے سے ہوتے اور بہت سے بے روزہ ہوتے) لیکن روزے دار بے روزہ دار پر اور بے روزہ دار روزے دار پر کسی قسم کی عیب جوئی نہیں کیا کرتے تھے۔“

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اکرم ﷺ نے جو تربیت فرمائی تھی ان کے ہاں بھی یہ دونوں رخصتوں پر عمل کیا جاتا تھا کہ دوران سفر روزہ رکھتے بھی تھے اور روزہ چھوڑتے بھی تھے۔

حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں طاقت رکھتا ہوں کہ سفر کے دوران روزہ رکھوں، اگر میں روزہ رکھ لیتا ہوں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا، فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ»(3)

”یہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت ہے جس نے اس رخصت پر عمل کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے روزہ رکھنا پسند کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں“

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب اذا صام ایام من رمضان ثم سافر، رقم الحدیث: 1945

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب لم یعب اصحاب النبی ﷺ بعضھم بعضاً فی الصوم والافطار، رقم الحدیث: 1947

(3) صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر، رقم الحدیث: 1121

مریض اور کمزور کے لیے رخصت:

ایسے افراد جو کسی مرض میں مبتلا ہوں یا جسمانی کمزوری کی بنا پر روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں ان کے لیے اسلام میں رخصت دی گئی ہے کہ جب وہ تندرست ہو جائیں تب روزہ کی قضا دے دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾(1)

”اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔“

اگر کسی فرد میں عمر کی وجہ سے کمزوری آ چکی ہو اور وہ روزہ کی قوت نہ رکھتا ہو تو اس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رُخِّصَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيرِ أَنْ يُفْطِرَ، وَيُطْعِمَ عَلَى كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ»(2)

”بڑی عمر کے بوڑھے کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی گئی ہے وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اس پر قضا نہیں ہے۔“

نسیان میں معافی:

روزہ دار، روزہ کی حالت میں کوئی چیز بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹتا نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہے اس کا روزہ برقرار رہے گا اور اسے روزہ پورا کرنا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ»(3)

”جب کوئی بھول گیا اور کچھ کھا پی لیا تو اسے چاہئے کہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیوں کہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا۔“

حالت جنابت میں سحری:

وقت کی کمی کی وجہ سے اگر کوئی فرد سحری سے پہلے جنابت کا غسل نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے کہ وہ پہلے روزہ رکھ لے اور سحری کرنے کے بعد غسل کر لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَ لَيُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ، ثُمَّ يَصُومُهُ»(4)

---

(1) البقرہ2: 184

(2) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصوم، حدیث شعبہ، رقم الحدیث: 1607

(3) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب الصائم اذا اکل وشرب ناسیا، رقم الحدیث: 1933

(4) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، رقم الحدیث: 1931

”نبی کریم ﷺ صبح جنبی ہونے کی حالت میں کرتے۔ احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ جماع کی وجہ سے! پھر آپ روزے سے رہتے۔“

اس میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی فرد غسل کرنے سے پہلے سحری کھانا چاہتا ہے تو وہ ضو کر کے سحری کھائے اور سحری کے بعد غسل کر لے۔

حاملہ اور مرضعہ کے لیے رخصت:

حاملہ اور دودھ پلانی والی عورت کے لیے بھی آسانی اور سہولت رکھی گئی ہے کہ اگر اس کی طبیعت اجازت نہ دے تو وہ رمضان میں روزہ چھوڑ سکتی ہے اور بعد میں اسے روزوں کی قضا دینا ہو گی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَعَالَى وَضَعَ شَطْرَ الصَّلَاةِ، أَوْ نِصْفَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ، وَعَنِ الْمُرْضِعِ، أَوِ الْحُبْلَى»(1)

”اللہ نے مسافر سے آدھی نماز اور روزہ معاف فرما دیا ہے اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت سے بھی روزہ معاف کر دیا ہے۔“

حیض اور نفاس میں رخصت:

عورتوں کے مخصوص ایام میں ان کو روزوں میں رخصت دی گئی ہے کہ وہ یہ روزے بعد میں رکھ لیں اور ان دنوں میں وہ روزہ نہ رکھیں۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ، فَذَلِكَ نُقْصَانُ دِينِهَا»(2)

”کیا جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نماز اور روزے نہیں چھوڑ دیتی؟ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔“

حیضہ اور نفاس والی عورت رمضان کے جو روزے چھوڑ دے گی بعد میں اس کی قضا دے گی۔

ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قضاء کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«كَانَ يُصِيبُنَا ذَلِكَ، فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ»(3)

”ہمیں بھی حیض آتا تھا تو ہمیں روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔“

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب اختیار الفطر، رقم الحدیث: 2408

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب الحائض تترک الصوم والصلوۃ، رقم الحدیث: 1951

(3) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلاۃ، رقم الحدیث: 335

صیام رمضان کی قضاء میں سہولت:

مرض، سفر، نفاس، حیض یا دودھ پلانے کی وجہ سے اگر کسی کے روزے رہ جائیں تو ان کی قضاء میں بھی سہولت اور آسانی رکھی گئی ہے کہ وہ جب چاہے روزوں کی قضاء دے دے لیکن ایک بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ قضا آنے والے ماہ رمضان سے پہلے پہلے ہونی چاہیے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ»[1]

"رمضان کا روزہ مجھ سے چھوٹ جاتا۔ شعبان سے پہلے اس کی قضا کی توفیق نہ ہوتی۔"

یعنی قضاء کسی بھی وقت دی جاسکتی ہے اس میں شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی کہ وہ رمضان کے فوراً بعد قضاء دے اور یہ بھی بات یاد رہنی چاہیے کہ قضاء کے معاملہ میں شریعت نے ایک اور آسانی فرمائی ہے کہ قضاء کے روزے مسلسل (پے درپے) رکھنا بھی ضروری نہیں ہیں الگ الگ روزے رکھ کر بھی قضاء دینے کی اجازت ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے رمضان کے روزوں کی قضاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

«أَحْصِ الْعِدَّةَ وَصُمْ كَيْفَ شِئْتَ»[2]

"عدت کو شمار کرو اور جیسے چاہو روزے رکھو۔"

روزہ کے کفارہ میں سہولت:

اگر کوئی فرد جان بوجھ کر روزہ توڑ دیتا ہے تو شریعت اسلامیہ میں اس کا کفارہ بیان کرتے ہوئے تین چیزیں بتائی گئی ہیں کہ جو اس کے لیے آسان ہو اس کو اختیار کرلے۔ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے یا ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلے۔ ان آسانیوں اور سہولتوں کے باوجود اگر کوئی شخص ان تینوں اشیاء کی طاقت نہیں رکھتا تو آپؐ نے اس کے لیے مزید آسانی اور سہولت پیدا فرمادی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ. قَالَ: «مَا لَكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟» قَالَ: لاَ، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ» ، قَالَ: لاَ، فَقَالَ: «فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا» .

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب متی یقضی قضاء رمضان، رقم الحدیث: 1950

(2) السنن الصغیر للبیہقی، جماع ابواب الصیام، باب قضاء صوم رمضان، رقم الحدیث: 1365

قَالَ: لاَ، قَالَ: فَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالعَرَقُ المِكْتَلُ - قَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ؟» فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: «خُذْهَا، فَتَصَدَّقْ بِهِ» فَقَالَ الرَّجُلُ: أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا - يُرِيدُ الحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ»[1]

"جب ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوتے تھے اس دوران ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں ہلاک ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے اس نے کہا میں رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ایک غلام آزاد کر سکو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کیا تم پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اندر اتنی طاقت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اب بھی اس کا جواب نفی میں تھا۔ راوی نے بیان کیا پھر نبی ﷺ کی خدمت میں ایک تھیلا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں " عرق زنبیل کو کہتے ہیں " آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسے لے جا اور اپنی طرف سے (محتاجوں کو) کھلا دے۔ اس شخص نے کہا میں اپنے سے بھی زیادہ محتاج کو حالانکہ دو میدانوں کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر جا اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دے۔"

یعنی آپ ﷺ نے اس آدمی کے حالات کو دیکھ کر اس کے لیے مزید معاملہ آسان فرمادیا کہ وہ تنگی اور حرج میں مبتلا نہ ہو۔

مذکورہ بالا تمام ادلّہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں روزہ کا مقصد قطعاً لوگوں پر بوجھ ڈالنا نہیں ہے بلکہ لوگوں کی اصلاح مقصود ہے۔ اس لیے جہاں کہیں لوگوں کے لیے مشکلات پیدا ہوں گی وہاں شریعت کے اصول یسر سے کام لیا جائے گا۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان...، رقم الحدیث: 1936

زکوٰۃ میں تیسیر

زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال پاک وصاف ہو جاتا ہے، اور اس سے بے شمار برکتیں مال میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ زکوٰۃ ایک طرف حقوق العباد ہے تو دوسری طرف یہ حقوق اللہ بھی ہے کیونکہ اس کی عدم ادائیگی سے جہاں بندوں کی حق تلفی ہوتی ہے وہاں خالق کے حق کی عدم ادائیگی کا بھی پہلو نکلتا ہے۔ شریعت میں دونوں افراد زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے آسانی اور تیسیر کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ یہ کسی کے لیے بوجھ اور پریشانی کا باعث نہ بنے۔ زکوٰۃ لینے والے کے لیے یہ سہولت اور آسانی ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کے لیے شریعت میں جو آسانی اور تیسیر کا پہلو ہے وہ یہ ہے کہ اس کے لیے نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ دے گا۔ اسی طرح شریعت نے صاحب مال کے انفرادی حالات کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی کئی ایک سہولتیں دی گئی ہیں تاکہ وہ زکوٰۃ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرے اور خلق خدا سے خیر خواہی اور نیکی کے جذبہ کے ساتھ تعاون کرے۔

درج ذیل میں ادائیگی زکوٰۃ میں دی گئی سہولتوں اور آسانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ضرورت مندوں کے لیے سہولت:

اسلام نے فقر و فاقہ کے خاتمہ کے لیے کئی ایک تدابیر اختیار کی ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے کے ہر اس فرد کو مناسب اور معیاری زندگی میسر آسکے جو فرائض کی ادائیگی اور دیگر ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونے میں اس کے لیے ممد و معاون ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے غربت کے خاتمہ کے لیے جو اصول و قوانین بتائے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اہل ثروت سے زکوٰۃ لے کر غرباء کو دی جائے تاکہ ان کو ضروریات زندگی میسر آسکیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى اليَمَنِ، قَالَ: «إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللَّهَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا، فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ» [1]

"جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ دیکھو! تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب (عیسائی، یہودی) ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دن اور رات میں پانچ نمازیں

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب لا توخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ، رقم الحدیث: 1458

فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی ادا کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی (جو صاحب نصاب ہوں گے) اور انہیں کے فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرو۔ البتہ ان کی عمدہ چیزیں (زکوٰۃ کے طور پر لینے سے) پرہیز کرنا۔“

ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

”اسلام کی نظر میں زکوٰۃ در اصل مالداروں کے مال میں غریبوں کا ایسا حق ہے جسے مال کے اصلی مالک یعنی اللہ سبحانہ نے، اس مال میں اپنے نائب بندوں پر لازم کیا ہے اس لیے در حقیقت زکوٰۃ میں ایسا کوئی مفہوم موجود نہیں ہے کہ کوئی مالدار شخص کسی غریب پر کوئی احسان کر رہا ہو، اس لیے اگر خود مال کا مالک حقیقی اپنے خزانچی کو یہ حکم دے کہ اس کے مال میں سے اتنا حصہ اس کے عیال پر خرچ کر دو تو اس میں احسان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ زکوٰۃ ایک ”حق معلوم“ ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس کے نصاب، مقادیر، حدود اور شرائط اور اس کی ادائیگی کا وقت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ بتلا دیا ہے تا کہ ایک مسلمان بخوبی آگاہ ہو جائے۔ کہ اس پر کیا لازم ہے؟ کتنا لازم ہے؟ اور کب لازم ہے؟“ [1]

سونا اور چاندی کی زکوٰۃ:

شریعت اسلامیہ میں مالداروں کے لیے یہ آسانی اور سہولت رکھی گئی ہے کہ سونا اور چاندی کی تھوڑی سی مقدار پر زکوٰۃ لازم نہیں فرمائی بلکہ ایک بڑی مقدار پر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے تا کہ لوگوں کے لیے مشکلات نہ ہوں اور زکوٰۃ دینے میں تنگی اور حرج نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ میں جو آسانی اور سہولت پیدا فرمائی ہیں اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے رسول اکرم ﷺ سے یوں بیان فرمایا ہے:

«قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ وَالرَّقِيقِ، فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ: مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ»[2]

”میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے تو اب تم چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو، ہر چالیس درہم پر ایک درہم، ایک سو نوے درہم میں کچھ نہیں ہے، جب دو سو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔“

مزید حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ - يَعْنِي - فِي الذَّهَبِ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا نِصْفُ

---

(1) القرضاوی، یوسف، ڈاکٹر، فقہ الزکوٰۃ، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ص: 123

(2) سنن الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ الذھب والورق، رقم الحدیث: 620

دِينَارٍ، فَمَا زَادَ، فَبِحِسَابِ ذَلِكَ»[1]

"جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم (زکوٰۃ) ہے۔ اور سونے میں تم پر کچھ نہیں حتیٰ کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوں، پس جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر آدھا دینار (زکوٰۃ) ہے اور جو زیادہ ہو تو وہ اسی حساب سے ہو گا۔"

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ مِنَ الإِبِلِ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»[2]

"پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) میں زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح پانچ وسق سے کم (غلہ) میں زکوٰۃ نہیں۔"

حافظ صلاح الدین یوسف اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی حدیث میں اوقیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو چاندی کا ایک سکہ تھا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے یوں پانچ اوقیہ، دو سو درہم ہو گئے۔ ان دونوں حدیثوں سے چاندی کا نصاب دو سو درہم ثابت ہوا جس کا وزن ساڑھے باون تولہ ہوا۔ آج کل کے حساب سے 618 گرام 182 ملی گرام۔ اس میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) ہے۔ یعنی دو سو درہم میں پانچ درھم، آج کل کے حساب سے 15 گرام ½454 ملی گرام (اگر چاندی ہی زکوٰۃ میں دینی ہو) لیکن اگر زکوٰۃ چاندی کی بجائے نقدی میں دینی ہو تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی جتنی رقم بنتی ہو (مثلاً اتنی چاندی 6 ہزار روپے میں آتی ہو تو) ڈھائی فیصد کے حساب سے 6 ہزار میں ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ بنے گی۔

یہ کم از کم نصاب ہے یعنی اس سے کم میں زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی اس سے زیادہ جتنی چاندی ہو گی مذکورہ حساب میں اس کی رقم بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔[3]

سونے کے نصاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس میں چالیسواں حصہ (ربع العشر) زکوٰۃ ہے، یعنی 20 دینار میں نصف دینار (2 ماشہ 2 رتی، یا دو گرام 187 ملی گرام) چالیس دینار میں ایک دینار۔ دوسرا طریقہ زکوٰۃ نکالنے کا یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ دیتے وقت فی تولہ سونے کی قیمت معلوم کر لی جائے اور جتنی رقم بنے اس میں سے ڈھائی فیصد (فی ہزار 25 روپے) کے حساب سے زکوٰۃ ادا

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب زکاۃ السائمۃ، رقم الحدیث: 1573

(2) الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب زکاۃ الورق، رقم الحدیث: 1447

(3) یوسف، صلاح الدین، حافظ، "زکوٰۃ، عشر اور صدقۃ الفطر فضائل، احکام و مسائل"، دار السلام، لاہور، ص: 88

کرے۔[1]

زمین کے پیدوار پر زکوٰۃ (عشر) میں سہولت:

جس زمین سے پیداوار لی جاتی ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک بارانی اور دوسری غیر بارانی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں یہ سہولت اور آسانی رکھی گئی ہے کہ اگر زمین غیر بارانی ہے یعنی اس کو خود سیراب کرنا پڑتا ہے تو اس کی فصل (پیداوار) سے نصف العشر یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ (عشر) ہوگی اور اگر زمین بارانی ہے تو اس کی پیداوار میں سے عشر (دسواں حصہ) ہوگا یہ فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ غیر بارانی زمین پر خرچ زیادہ آتا ہے اور اس کے برعکس بارانی زمین میں خرچ کم ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

«فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا العُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ»[2]

"وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو۔ یا وہ خود بخود نمی سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے اور وہ زمین جسے کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے۔"

نفع کا ذریعہ بننے والے آلات میں زکوٰۃ کی رخصت:

ایسے آلات یا جانور جن کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے یا جو نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اس میں وہ تمام آلات یا جانور آجائیں گے جو کاروبار کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے کرائے کی دکان، مکان، گاڑیاں، فیکٹریاں ،کارخانے، ملوں کی زمین وغیرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ »

"ایسے جانور جن سے کام لیا جاتا ہے ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔"[3]

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليس فى الابل العوامل صدقة»[4]

"کام کرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

---

(1) زکوٰۃ، عشر اور صدقۃ الفطر فضائل، احکام ومسائل، ص:89

(2) الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری، رقم الحدیث: 1483

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، رقم الحدیث:1572

(4) السنن الکبری للبیہقی، کتاب الزکوٰۃ، باب مایسقط الصدقۃ عن الماشیۃ، رقم الحدیث: 7319

شیخ عبد اللہ مبار کپوری عاملہ جانوروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وهي جمع عاملة وهي التي يستقي عليها ويحرث وتستعمل في الاشتغال. وفيه دليل على أنه لا يجب في البقر العوامل شيء ولو بلغت نصاباً "[1]

"اور وہ (عوامل) عاملہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے ذریعے پانی حاصل کیا جاتا ہے، کھیتی باڑی کی جاتی ہے یا انہیں دیگر کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔"

سال گزرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی:

اسلام میں مالداروں کے لیے یہ سہولت اور آسانی پائی جاتی ہے کہ جب تک ان کے پاس موجود نصاب پر سال مکمل نہیں ہو جاتا ہے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ ادھر ان کے پاس نصابِ زکوٰۃ آیا اور فوراً ان پر زکوٰۃ فرض ہو، اسلام میں یہ سہولت اور آسانی دی گئی ہے کہ پیداوار (غلہ) کے علاوہ اشیاء پر زکوٰۃ تب لی جائے گی جب ایک سال پورا ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

سَمِعْتُ رَسُول اللهَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ»[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: کسی مال میں زکاۃ نہیں حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے۔"

وقت سے پہلے ادائیگی زکوٰۃ میں سہولت:

اگر کوئی مالدار آدمی کسی غریب آدمی کو دیکھ کر اس کی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہو اس کے لیے اسلام میں اجازت دی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت سے قبل ہی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ»[3]

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ جلدی کرتے ہوئے واجب ہونے سے پہلے زکاۃ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔"

---

(1) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 6/141

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب من استفاد مالاً، رقم الحدیث: 1792

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب تعجیل الزکاۃ قبل محلھا، رقم الحدیث: 1795

مالدار کے لیے زکوٰۃ کے حلال ہونے کی صورتیں:

کسی صاحب نصاب کے لیے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے کھا سکے تاہم پانچ صورتیں ایسی ہیں کہ مالدار آدمی کے لیے زکوٰۃ کا مال لینے اور اس کے استعمال یا کھانے کا جواز ملتا ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوِ ابْنِ السَّبِيلِ، أَوْ جَارٍ فَقِيرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، فَيُهْدِي لَكَ أَوْ يَدْعُوكَ »[1]

”صدقہ کسی غنی کے لیے حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد) ہو یا مسافر ہو یا کسی فقیر ہمسائے کو صدقہ دیا گیا تو وہ فقیر تمہیں ہدیہ دے دے، یا تمہاری دعوت کر دے۔“

اگر کوئی مالدار آدمی کسی ایسے شعبہ میں کام کرتا ہو جو زکوٰۃ کے ساتھ منسلک ہو تو ایسی صورت میں اپنے کام کی اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سعدی بیان کرتے ہیں:

«أَنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ فِي خِلاَفَتِهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَلِيَ مِنْ أَعْمَالِ النَّاسِ أَعْمَالًا، فَإِذَا أُعْطِيتَ العُمَالَةَ كَرِهْتَهَا، فَقُلْتُ: بَلَى، فَقَالَ عُمَرُ: فَمَا تُرِيدُ إِلَى ذَلِكَ، قُلْتُ: إِنَّ لِي أَفْرَاسًا وَأَعْبُدًا وَأَنَا بِخَيْرٍ، وَأُرِيدُ أَنْ تَكُونَ عُمَالَتِي صَدَقَةً عَلَى المُسْلِمِينَ، قَالَ عُمَرُ: لاَ تَفْعَلْ، فَإِنِّي كُنْتُ أَرَدْتُ الَّذِي أَرَدْتَ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِينِي العَطَاءَ، فَأَقُولُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا، فَقُلْتُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خُذْهُ، فَتَمَوَّلْهُ، وَتَصَدَّقْ بِهِ، فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا المَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلاَ سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَإِلَّا فَلاَ تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ» [2]

”وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آئے تو ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا مجھ سے یہ جو کہا گیا ہے وہ صحیح ہے کہ تمہیں لوگوں کے کام سپرد کئے جاتے ہیں اور جب اس کی تنخواہ دی جاتی ہے تو تم اسے لینا پسند نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا اس سے مقصد کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور میں خوشحال ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میری تنخواہ مسلمانوں پر صدقہ ہو جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ میں نے بھی اس کا ارادہ کیا تھا جس کا تم نے ارادہ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا کرتے تھے تو میں عرض کر دیتا تھا کہ اسے مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو عطا فرما دیجئے۔ آخر آپ نے ایک

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی، رقم الحدیث: 1637

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب رزق الحکام والعاملین علیھا، رقم الحدیث: 7163

مرتبہ مجھے مال عطا کیا اور میں نے وہی بات دہرائی کہ اسے ایسے شخص کو دے دیجئے جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے لو اور اس کے مالک بننے کے بعد اس کا صدقہ کر دو۔ یہ مال جب تمھیں اس طرح ملے کہ تم اس کے نہ خواہشمند ہو اور نہ اسے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔"

رشتہ داروں کے لیے دوگنا اجر:

اگر کوئی مالدار آدمی اپنے قریبی رشتہ دار جو غریب ہو اس کو زکوٰۃ دے گا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہو گا۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِي الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»[1]

"مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے، اور رشتے داروں کو (صدقہ دینا) دو نیکیاں ہیں: صدقہ بھی، اور صلہ رحمی بھی۔"

شوہر کو زکوٰۃ دینے میں سہولت:

اگر بیوی مالدار ہو اور اس کا شوہر غریب ہو تو وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ إِلَى المُصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَوَعَظَ النَّاسَ، وَأَمَرَهُمْ بِالصَّدَقَةِ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، تَصَدَّقُوا» ، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ» فَقُلْنَ: وَبِمَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ، أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ، مِنْ إِحْدَاكُنَّ، يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ» ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمَّا صَارَ إِلَى مَنْزِلِهِ، جَاءَتْ زَيْنَبُ، امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ، تَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذِهِ زَيْنَبُ، فَقَالَ: «أَيُّ الزَّيَانِبِ؟» فَقِيلَ: امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: «نَعَمْ، ائْذَنُوا لَهَا» فَأُذِنَ لَهَا، قَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّكَ أَمَرْتَ اليَوْمَ بِالصَّدَقَةِ، وَكَانَ عِنْدِي حُلِيٌّ لِي، فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ، فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ، زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ»[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے۔ پھر (نماز کے بعد) لوگوں کو وعظ فرمایا

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ، رقم الحدیث: 1844

(2) الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب، رقم الحدیث: 1462

اور صدقہ کا حکم دیا۔ فرمایا: لوگو! صدقہ دو۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی طرف گئے اور ان سے بھی یہی فرمایا کہ عورتو! صدقہ دو کہ میں نے جہنم میں بکثرت تم ہی کو دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! ایسا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا ' اس لیے کہ تم لعن وطعن زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی جو کار آزمودہ مرد کی عقل کو بھی اپنی مٹھی میں لے لیتی ہو۔ ہاں اے عورتو! پھر آپ واپس گھر پہنچے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب ؓ آئیں اور اجازت چاہی۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ زینب آئی ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون سی زینب (کیونکہ زینب نام کی بہت سی عورتیں تھیں) کہا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اچھا انہیں اجازت دے دو' چنانچہ اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا تھا۔ اور میرے پاس بھی کچھ زیور ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن (میرے خاوند) ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے لڑکے ان (مسکینوں) سے زیادہ مستحق ہیں جن پر میں صدقہ کروں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا۔ تمہارے شوہر اور تمہارے لڑکے اس صدقہ کے ان سے زیادہ مستحق ہیں جنہیں تم صدقہ کے طور پر دو گی۔ (معلوم ہوا کہ اقارب اگر محتاج ہوں تو صدقہ کے اولین مستحق وہی ہیں)"

مذکورہ بالا ادلّہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دین اسلام میں نظام زکوٰۃ جہاں غرباء اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک، خیر خواہی، تعاون، ہمدردی اور غمواری کا جذبہ اور غرباء و مساکین کے لیے سہولت، آسانی اور تیسیر پیدا کرتا ہے، وہاں اہل ثروت اور مالداروں کے لیے بھی ادائیگی زکوٰۃ میں سہولت اور آسانی کا خواہاں ہے اسی لیے ادائیگی زکوٰۃ میں کئی ایک سہولتیں رکھی گئی ہیں تاکہ ان سے مالدار افراد فائدہ اٹھا سکیں اور نظام زکوٰۃ کو اپنے لیے بوجھ اور حرج نہ خیال کریں۔

حج میں تیسیر

حج بیت اللہ فرض عبادات میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اس عبادت کو اپنے بندوں پر فرض کیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کی ادائیگی میں بے شمار آسانیاں اور سہولتیں دی ہیں تاکہ اس کے بندے حج کی ادائیگی میں دشواریوں اور مشکلات سے بچ سکیں۔

حج کی ادائیگی کے لیے چونکہ ایک مخصوص جگہ ہے اور پوری دنیا کے مسلمان وہاں حج کی ادائیگی کے لیے جمع ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حج کی عبادت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[1]

''لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج صرف صاحب استطاعت پر ہی فرض ہے۔ استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا۔ استطاعت و قدرت کے علاوہ بھی حج فرض ہونے کے لیے کئی ایک شرائط کا ہونا بھی ہیں جن کے بارے میں بحث نیچے آئے گی۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"وَجُمْلَتُهُ ذَلِكَ أَنَّ الْحَجَّ إِنَّمَا يَجِبُ بِخَمْسِ شَرَائِطَ: الْإِسْلَامُ، وَالْعَقْلُ، وَالْبُلُوغُ، وَالْحُرِّيَّةُ، وَالِاسْتِطَاعَةُ. لَا نَعْلَمُ فِي هَذَا كُلِّهِ اخْتِلَافًا. فَأَمَّا الصَّبِيُّ وَالْمَجْنُونُ فَلَيْسَا بِمُكَلَّفَيْنِ، وَقَدْ رَوَى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – أَنَّهُ قَالَ: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ؛ عَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنْ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشِبَّ، وَعَنْ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ» . رَوَاهُ أَبُو دَاوُد، وَابْنُ مَاجَهْ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَأَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ تَطُولُ مُدَّتُهَا، وَتَتَعَلَّقُ بِقَطْعِ مَسَافَةٍ، وَتُشْتَرَطُ لَهَا الِاسْتِطَاعَةُ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ، وَيُضَيِّعُ حُقُوقَ سَيِّدِهِ الْمُتَعَلِّقَةَ بِهِ، فَلَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ كَالْجِهَادِ. وَأَمَّا الْكَافِرُ فَغَيْرُ مُخَاطَبٍ بِفُرُوعِ الدِّينِ خِطَابًا يُلْزِمُهُ أَدَاءً، وَلَا يُوجِبُ قَضَاءً. وَغَيْرُ الْمُسْتَطِيعِ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَصَّ الْمُسْتَطِيعَ بِالْإِيجَابِ عَلَيْهِ، فَيَخْتَصُّ بِالْوُجُوبِ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: {لا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلا وُسْعَهَا} [البقرة: 286] "[2]

''خلاصہ کلام یہ ہے حج کے فرض ہونے کے لیے پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔1۔اسلام، 2۔ عقل، 3۔ بلوغت،4۔ آزادی ،5۔استطاعت۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! قلم تین آدمیوں سے اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار

---

(1) آل عمران3: 97

(2) المغنی لابن قدامہ،3/ 213-214

ہو جائے۔ بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ مجنوں سے یہاں تک کہ وہ سمجھدار ہو جائے۔ امام ابو داؤدؒ، ابنِ ماجہ اور امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ غلام پر بھی حج فرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ایک طویل مدّت اور لمبا سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کی ادائیگی میں اس سے متعلقہ مالک کے حقوق ضائع ہوں گے۔ (اس کے ساتھ ساتھ) حج کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ انسان میں سامانِ سفر اور سواری کی استطاعت ہو (جو کہ غلام میں نہیں ہے)۔ جیسے جہاد غلام پر فرض نہیں ایسے ہی حج بھی اس پر فرض نہیں ہے۔ اور غیر مسلم (پر بھی حج فرض نہیں) کیونکہ غیر مسلم احکامِ اسلام کا اس طرح مخاطب نہیں ہے جس سے اُن کی ادائیگی اُس پر لازم ہو۔ اور نہ ادا کرنے پر کسی قسم کی کوئی قضاء لازم ہو۔ اور جو حج کی استطاعت نہ رکھے اُس پر بھی حج فرض نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرضیت کو استطاعت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے {لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلا وُسْعَهَا} اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔"

صاحب استطاعت سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں سعودی دائمی مجلس برائے علمی تحقیقات و افتاء نے یوں وضاحت فرمائی ہے:

"ان يكون صحيح البدن وان يملك من المواصلات مايصل به الى بيت الله الحرام من طائرة أو سيارة او دابة أو اجرة ،ذلك على حسب حاله ،وان يملك زاداً يكفيه ذهاباً او اياماً على أن يكون زائد عن نفقات من تلزمه نفقتته حتى يرجع من حجه وان يكون مع المرأة زوج أو محرم فى سفروالحج والعمرة"[1]

"وہ صحیح البدن ہو، بیت اللہ تک جانے کے لیے اس کے حالات کے مطابق ہوائی جہاز، گاڑی، جانور کی سواری ہو، سفر کے لیے زادہ راہ ہو، گھر والوں کے لیے اس کے واپس آنے تک خرچہ موجود ہو اور خاتون کے ساتھ حج وعمرہ کے سفر میں خاوند یا محرم موجود ہو۔"

اللہ تعالیٰ کی آسانیوں اور رخصتوں کا اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے سفر کے دوران کاروبار کرنے کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر اس سفر کے دوران کوئی آدمی تجارت کرلیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ﴾[2]

"اور اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر جب

---

(1) فتاویٰ اللجنۃ اللائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء، دار المؤید للنشر والتوزیع، الریاض، جزء من الفتویٰ، رقم: 845، 11/30

(2) البقرہ 2: 198

عرفات سے چلو، تو مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو۔ جس کی ہدایت اس نے تمہیں دی ہے، ورنہ اس سے پہلے تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔"

حضرت ابو امامۃ التیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ رَجُلًا أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَكَانَ نَاسٌ يَقُولُونَ لِي إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ فَلَقِيتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنِّي رَجُلٌ أُكَرِّي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَإِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ لِي: إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَلَيْسَ تُحْرِمُ وَتُلَبِّي وَتَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَتُفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَتَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ لَكَ حَجًّا، جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ مِثْلِ مَا سَأَلْتَنِي عَنْهُ، فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} [البقرة: 198] فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَأَ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ وَقَالَ: «لَكَ حَجٌّ»[1]

"میں سفر میں کرائے کی سواریاں چلایا کرتا تھا تو بعض لوگوں نے مجھ سے کہا: " تیرا حج نہیں ہے۔ " میں حضرت ابن عمرؓ سے ملا اور ان سے پوچھا کہ اے ابو عبد الرحمٰن! میں سفر حج میں کرائے پر سواریاں چلاتا ہوں اور کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تیرا حج نہیں ہے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا: کیا تم احرام نہیں باندھتے ہو اور تلبیہ نہیں پڑھتے ہو؟ کیا بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے ہو؟ عرفات سے نہیں لوٹتے ہو؟ اور جمرات کو کنکریاں نہیں مارتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (سب کچھ کرتا ہوں) انہوں نے فرمایا: بلاشبہ تیرا حج (صحیح) ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور اس نے بالکل یہی سوال کیا تھا جیسے کہ تم نے مجھ سے کیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے اور اس کو جواب نہیں دیا تھا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ "تم پر کوئی گناہ (اور حرج) نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا بھیجا اور اس پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: تیرا حج (صحیح) ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حج کے سفر کے دوران تجارت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ الْحَجِّ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِمِنًى وَعَرَفَةَ وَسُوقِ ذِي الْمَجَازِ وَمَوَاسِمِ الْحَجِّ فَخَافُوا الْبَيْعَ وَهُمْ حُرُمٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ} [البقرة: 198] أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ »[2]

"لوگ پہلے (قبل از اسلام) حج کے دنوں میں منیٰ، عرفات، سوق ذی المجاز اور ایام حج میں خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ (اسلام لانے کے بعد) انہوں نے احرام باندھے ہوئے خرید و فروخت میں حرج سمجھا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ آیت اتاری « لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ البقرۃ: 198) في مواسم

---

(1) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 1733

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 1734

الحج» "تم پر کوئی حرج یا گناہ نہیں کہ" ایام حج " میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔"

حج کے سفر کے دوران تجارت وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ حج کی ادائیگی کے اوقات میں تجارت وغیرہ میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ تاہم اس کے اوقات کے علاوہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے حج کے اجر میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ اس پر کوئی کفارہ لازم آتا ہے اسی طرح کی کئی ایک آسانیاں اللہ تعالیٰ نے حاجی کے لیے بیان فرمائی ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

"اللہ کی خوشنودی کے لیے جب حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اسے پورا کرو، اور اگر کہیں محصور ہو جاؤ تو جو قربانی میسر آئے، اللہ کی جناب میں پیش کرو اور اپنے سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ مگر جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اس بناء پر اپنا سر منڈوالے، تو اسے چاہیے کہ فدیہ کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر اگر تمہیں امن نصیب ہو جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ)، تو جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے، وہ حسب مقدور قربانی دے، اور اگر قربانی میسر نہ ہو، تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے، جن کے گھر بار مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔ اور اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

فریضہ حج کی ادائیگی کی تشریحات و توضیحات کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے انتہائی آسانی اور سہولت کو مد نظر رکھا ہے تاکہ لوگ مشکلات سے بچ سکیں اور سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ درج ذیل میں ان آسانیوں اور سہولتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

لزوم حج:

رسول اکرم ﷺ نے مسلمان کی زندگی میں ایک بار ہی حج کو فرض قرار دیا ہے آپ ﷺ اگر چاہتے تو ہر سال فرض کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے مسلمانوں کے مشکلات اور دشواریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ہی بار حج کو فرض قرار دیا۔

---

(1) البقرہ2: 196

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوا» ، فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ "، ثُمَّ قَالَ: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ »[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: "لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کرو۔ ایک آدمی نے کہا: کیا ہر سال؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں کہہ دیتا: ہاں تو واجب ہو جاتا اور تم (اس کی) استطاعت نہ رکھتے۔ پھر آپ نے فرمایا: "تم مجھے اسی (بات) پر رہنے دیا کرو جس پر میں تمھیں چھوڑ دوں تم سے پہلے لوگ کثرت سوال اور اپنے انبیاءؑ سے زیادہ اختلاف کی بنا پر ہلاک ہوئے۔ جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔"

صحابی رسولؓ نے جب ہر سال کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ اس طرح کے سوالات نہ کیا کرو جس سے لوگوں کے لیے مشکلات اور دشواری پیدا ہوتی ہو۔ اس سے وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر آسانی اور تیسیر کو مدنظر رکھتے تھے اگر آپ ہر سال حج کو فرض قرار دے دیتے تو موجودہ حالات میں یہ نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا کہ ہر فرد ہر سال حج کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ الحرام میں پہنچ سکتا۔

اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حج، زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"وَأَجْمَعَتْ الْأُمَّةُ عَلَى وُجُوبِ الْحَجِّ عَلَى الْمُسْتَطِيعِ فِي الْعُمْرِ مَرَّةً وَاحِدَةً"[2]

"اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک ہی بار حج فرض ہے۔"

نیابت کی اجازت:

ادائیگی حج کی آسانیوں اور سہولتوں میں سے ایک یہ بھی آسانی اور سہولت ہے کہ اگر کوئی فرد معذور، بیمار یا بوڑھا ہے تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی حج کر سکتا ہے۔

حضرت ابو رزین العقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمرة، رقم الحدیث: 1337

(2) ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ، المقدسی، المغنی لابن قدامہ، کتاب الحج، فصل لا یلزمہ الحج ببدل غیرہ لہ، مکتبہ القاہرہ، 1388ھ، 213/3

«أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ، لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ، وَلَا الْعُمْرَةَ، وَلَا الظَّعْنَ قَالَ: «حُجَّ عَنْ أَبِيكَ، وَاعْتَمِرْ»[1]

"انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج اور عمرہ ادا کر سکتے ہیں اور نہ سواری پر سوار ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اپنے والد کی طرف سے حج و عمرہ کرو۔""

اسی سے متعلق ایک اور حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ امْرَأَةً، مِنْ خَثْعَمٍ جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ، قَدْ أَفْنَدَ وَأَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللهِ، عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ، وَلَا يَسْتَطِيعُ أَدَاءَهَا فَهَلْ يُجْزِئُ عَنْهُ، أَنْ أُؤَدِّيَهَا عَنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ»[2]

"قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: اے کے رسولؐ! میرے والد صاحب بوڑھے ہیں۔ وہ انتہائی بوڑھے ہو چکے ہیں اور حج کا فرض جو اللہ کی طرف سے بندوں پر عائد ہوتا ہے، وہ ان پر لازم ہو گیا ہے اور وہ (خود) سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر میں ان کی طرف سے فرض کو ادا کر دوں تو کیا ان کی طرف سے کافی ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔""

ان احادیث سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ معذور، دائمی بیمار اور بوڑھا آدمی جو خود حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اس کی طرف سے کوئی دوسرا فرد حج ادا کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی فرد اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس پر استطاعت ہونے کی وجہ سے یا نذر وغیرہ ماننے کی وجہ سے حج فرض ہو چکا تھا لیکن وہ نہ کر سکا تو اس کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابی الغوث بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَجَّةٍ كَانَتْ عَلَى أَبِيهِ مَاتَ، وَلَمْ يَحُجَّ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حُجَّ عَنْ أَبِيكَ»[3]

"انھوں نے نبی ﷺ سے فتویٰ پوچھا کہ ان کے والد کے ذمہ حج تھا اور حج کیے بغیر فوت ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔"

نذر کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الحج عن الحی اذا لم یستطع، رقم الحدیث: 2906

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الحج لمن الحی اذا لم یستطع، رقم الحدیث: 2907

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الحج لمن المیت، رقم الحدیث: 2905

أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجَّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟» ، قَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ: «اقْضُوا اللهَ الَّذِي لَهُ، فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالوَفَاءِ»[1]

"ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ (ادائے گی سے پہلے ہی) وفات پا گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے حج کر لو۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو تم اسے پورا کرتیں انہوں نے کہا کہ ہاں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس قرض کو بھی پورا کر جو اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اس قرض کا پورا کرنا زیادہ ضروری ہے۔"

فوت شدگان یا دیگر افراد کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ نیابت کرنے والے فرد نے پہلے خود حج کیا ہو اور پھر کسی اور کی طرف سے حج ادا کرے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: «مَنْ شُبْرُمَةُ؟» قَالَ: أَخٌ لِي - أَوْ قَرِيبٌ لِي - قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»[2]

"نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا «لبيك عن شبرمة» "میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں۔" آپ ﷺ نے دریافت فرمایا " شبرمہ کون ہے؟" اس نے کہا کہ میرا بھائی ہے یا قریبی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا " کیا تم نے اپنی طرف سے حج کر لیا ہے؟" اس نے کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا " (پہلے) اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے کرنا۔"

احرام باندھنے میں آسانی:

احرام حج و عمرہ کا ایک مخصوص لباس ہے اور اس کے پہننے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے مختلف بلاد و امصار سے آنے والے افراد کے لیے جگہوں کی بھی تعیین فرمادی ہے کہ جب کوئی شخص عمرہ یا حج کی نیت سے مکہ میں داخل ہو تو فلاں فلاں جگہ سے وہ احرام باندھ لے ان جگہوں کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ المَدِينَةِ ذَا الحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّأْمِ الجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ، مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الحَجَّ وَالعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب من شبّہ أصلاً معلوماً بأصلٍ مبیّن، قد بیّن اللہ حکمھما، لیفھم السائل، رقم الحدیث: 7315

(2) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب الرجل یحج عن غیرہ، رقم الحدیث: 1811

دُونَهُنَّ، فَمِنْ أَهْلِهِ حَتَّى إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا»[1]

"نبی کریم ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ میقات ٹھہرایا اور شام والوں کے لئے حجفہ، یمن والوں کے لئے یلملم اور نجد والوں کے لئے قرن منازل۔ یہ ان ملکوں کے لوگوں کے لیے ہیں اور دوسرے ان تمام لوگوں کے لیے بھی جو ان ملکوں سے گزریں حج و عمرہ کے ارادہ سے۔ لیکن جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں۔ تو وہ اپنے شہروں سے احرام باندھیں، تا آنکہ مکہ کے لوگ مکہ ہی سے احرام باندھیں۔"

اس میں مکہ والوں کے لیے یہ سہولت ہے کہ ان کو کسی مخصوص جگہ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ جس جگہ موجود ہوں گے وہیں پر احرام باندھیں گے۔ مکہ کے علاوہ لوگوں کے لیے بھی یہ سہولت ہے کہ وہ اگر اپنے گھر سے یا علاقہ سے احرام باندھنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے یعنی مخصوص جگہ سے پہلے بھی احرام باندھا جا سکتا ہے وہ نیت، میقات پر کر لیں اور احرام اپنے گھر پر ہی باندھ سکتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوتے وقت مدینہ میں ہی احرام باندھ لیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ المَدِينَةِ بَعْدَ مَا تَرَجَّلَ، وَادَّهَنَ وَلَبِسَ إِزَارَهُ وَرِدَاءَهُ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، فَلَمْ يَنْهَ عَنْ شَيْءٍ مِنَ الأَرْدِيَةِ وَالأُزُرِ تُلْبَسُ إِلَّا المُزَعْفَرَةَ الَّتِي تَرْدَعُ عَلَى الجِلْدِ، فَأَصْبَحَ بِذِي الحُلَيْفَةِ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى البَيْدَاءِ»[2]

"حجۃ الوداع میں ظہر اور عصر کے درمیان ہفتہ کے دن نبی کریم ﷺ کنگھا کرنے اور تیل لگانے اور ازار اور رداء پہننے کے بعد اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ آپ نے اس وقت زعفران میں رنگے ہوئے ایسے کپڑے کے سوا جس کا رنگ بدن پر لگتا ہو کسی قسم کی چادر یا تہبند پہننے سے منع نہیں کیا۔ دن میں آپ ذوالحلیفہ پہنچ گئے (اور رات وہیں گزاری) پھر آپ سوار ہوئے اور بیداء پر ٹھہرے۔"

شیخ البانی اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وله أن يلبس الإحرام قبل الميقات ولوفي بيته كما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه. وفي هذا تيسير على الذين يحجون بالطائرة ولا يمكنهم لبس الإحرام عند الميقات فيجوز لهم أن يصعدوا الطائرة في لباس الإحرام ولكنهم لا يحرمون إلا قبل الميقات بيسير حتى لا يفوتهم الميقات وهم غير محرمين" [3]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحجّ، بَابُ مُهَلِّ مَنْ كَانَ دُونَ المَوَاقِيتِ، رقم الحدیث: 1529

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحجّ، بَابُ مَا يَلْبَسُ المُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ وَالأَرْدِيَةِ وَالأُزُرِ، رقم الحدیث: 1545

(3) البانی، محمد ناصر الدین، ابو عبد الرحمٰن، مناسک الحج والعمرۃ، مکتبہ المعارف، طبع اول س۔ن، 1/13

”اس میں میقات سے پہلے حتیٰ کہ اپنے گھر سے بھی احرام پہننے کی اجازت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے کیا۔ اس میں ہوائی جہاز کے ذریعے حج کرنے والوں کے لیے آسانی ہے، کیونکہ میقات پر احرام پہننا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے لیے احرام کے لباس میں ہوائی جہاز پر چڑھنا جائز ہے البتہ وہ میقات سے پہلے احرام کی نیت کریں، تاکہ وہ احرام کی نیت کے بغیر میقات سے تجاوز نہ کر جائیں۔“

طواف بیت اللہ میں سہولتیں:

حج کی ادائیگی میں ایک یہ بھی سہولت ہے کہ حج کرنے والے فرد کے لیے ہر وقت طواف و نماز کی اجازت ہے جس وقت اس کا جی چاہے نماز ادا کر سکتا ہے اور طواف کر سکتا ہے اس میں کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا يَطُوفُ بِهَذَا الْبَيْتِ وَيُصَلِّي أَيَّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ» قَالَ الْفَضْلُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا»[1]

”کسی کو منع مت کرو جس وقت بھی کوئی اس گھر کا طواف کرنا چاہے اور نماز پڑھنا چاہے (تو پڑھنے دو۔) دن ہو یا رات، خواہ کوئی وقت ہو۔“ فضل بن یعقوب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (خطاب کرتے ہوئے فرمایا) ” اے بنی عبد مناف! کسی کو منع مت کرو۔“

اگر کوئی آدمی بیماری، معذوری یا بڑھاپہ کی وجہ سے پیدل بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتا تو اس کے لیے یہ سہولت ہے کہ وہ سواری پر سوار ہو کر طواف کر لے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَهُوَ عَلَى بَعِيرٍ، كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِي يَدِهِ، وَكَبَّرَ»[2]

”رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا۔ آپ جب بھی (طواف کرتے ہوئے) حجر اسود کے نزدیک آتے آپ ایک چیز (چھڑی) سے اشارہ کرتے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور تکبیر کہتے۔“

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں:

«شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي، فَقَالَ: «طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ»

---

(1) سنن ابی داوٗد، کِتَابُ الْمَنَاسِكِ، بَابُ الطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ، رقم الحدیث: 1895

(2) الجامع الصحیح، کِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ الْمَرِيضِ يَطُوفُ رَاكِبًا، رقم الحدیث، 1632

فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ البَيْتِ، وَهُوَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ» (1)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں بیمار ہو گئی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لے۔ چنانچہ میں نے جب طواف کیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے بازو میں (نماز کے اندر) والطور وکتاب مسطور کی قراءت کر رہے تھے۔"

یہ احادیث اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ عذر کی بنا پر بیت اللہ کا طواف سوار ہو کر کیا جا سکتا ہے حضرت ام سلمہؓ کی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سوار کو چاہیے کہ وہ اپنی سواری کو لوگوں کے پیچھے رکھے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی سواری کی وجہ سے لوگوں کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔

دوسری ایک اور آسانی کی طرف پہلی حدیث میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو آپؐ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کی بجائے صرف اشارہ پر اکتفاء کیا ہے، جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ایسی حالت میں حجر اسود کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی ہو گا۔ اگر کوئی فرد طواف کے درمیان پیاس محسوس کرتا ہے تو اس کے لیے یہ سہولت اور آسانی ہے کہ وہ پانی پی سکتا ہے رسول اکرم ﷺ نے خود بھی پانی پیا ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شرب ماء في الطواف» (2)

"نبی ﷺ نے طواف کی حالت میں پانی نوش فرمایا۔"

صفا و مروہ کی سعی میں آسانیاں:

حج کے دوران طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی کا مرحلہ آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا تھا اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی کی تھی۔ تاہم اگر کوئی شخص طواف سے پہلے صفا و مروہ کی سعی کر لے تو اس کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُونَهُ، فَمَنْ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوفَ أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُولُ: «لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ، إِلَّا عَلَى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ، فَذَلِكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ» (3)

"میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوا۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تھے، تو جس نے کہا: اے

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب المریض یطوف راکبًا، رقم الحدیث: 1633

(2) صحیح ابن حبان، کتاب الحج، باب دخول مکہ، رقم الحدیث: 3837

(3) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فیمن قدّم شیئًا قبل شيءٍ في حجّه، رقم الحدیث 2015

اللہ کے رسول ﷺ! میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا کوئی کام پہلے کر لیا ہے یا کوئی مؤخر کر دیا ہے۔ تو آپ ﷺ فرماتے تھے "کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں۔ مگر جو کوئی ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی عزت کو کاٹے (غیبت کرے یا طعن و تشنیع وغیرہ) تو وہ حرج میں پڑا اور ہلاک ہوا۔"

صفا و مروہ کی سعی میں آسانی پیدا کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے حج قران (حج و عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے والے) کے لیے صفا و مروہ کی سعی ایک ہی بار کرنے کا حکم دیا یعنی حج و عمرہ کے لیے ایک ہی سعی کفایت کر جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحْرَمَ بِالحَجِّ وَالعُمْرَةِ، أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَاحِدٌ، وَسَعْيٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا، حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اس کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے یہاں تک کہ وہ ان دونوں کا احرام کھول دے۔"

امام نووی نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ قارن (وہ حاجی جو حج و عمرہ اکٹھا کرنے کی نیت سے احرام باندھے) کے لیے ایک ہی طواف اور سعی ہو گی وہ لکھتے ہیں:

"وَمَنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِهِ قَارِنًا فَهَؤُلَاءِ لَمْ يَسْعَوْا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً وَأَمَّا مَنْ كَانَ مُتَمَتِّعًا فَإِنَّهُ سَعَى سَعْيَيْنِ سَعْيًا لِعُمْرَتِهِ ثُمَّ سَعْيًا آخَرَ لِحَجِّهِ"[2]

"یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ حج قران کرنے والے اصحابؓ نے صفا و مروہ کے درمیان ایک سعی کی اور حج تمتع کرنے والے اصحابؓ نے دوبار سعی کی، ایک بار عمرہ کی اور دوسری مرتبہ قربانی والے دن حج کی۔"

میدان عرفات میں آسانیاں:

عرفات وہ مقام ہے جہاں حاجی آ کر ٹھہرتے ہیں، آپ ﷺ نے عرفات کے دن کو ہی حج قرار دیا ہے میدان عرفات میں ٹھہرنے کے کئی ایک فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی آسانی جو آپؐ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ میدان عرفات میں کسی ایک جگہ کو مخصوص نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے سارے عرفات کو ہی ٹھہرنے کی جگہ قرار دیا تاکہ لوگوں کے لیے کسی ایک مخصوص جگہ پر ٹھہرنے کی وجہ سے مشقت نہ پیدا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(1) الجامع الترمذی، أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ القَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا، رقم الحدیث: 948

(2) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، 8/163

« وَوَقَفْتُ هَاهُنَا، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ »[1]

"میں نے اسی جگہ وقوف کیا ہے (لیکن) پورا عرفہ مقام وقوف ہے اور میں نے (مزدلفہ میں) یہاں وقوف کیا ہے (ٹھہرا ہوں۔) اور پورا مزدلفہ موقف ہے (اس میں کہیں بھی پڑاؤ کیا جا سکتا ہے۔"

اس حدیث کی تشریح میں امام نووی لکھتے ہیں:

"فِي هَذِهِ الْأَلْفَاظِ بَيَانُ رِفْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمَّتِهِ وَشَفَقَتِهِ عَلَيْهِمْ فِي تَنْبِيهِهِمْ عَلَى مَصَالِحِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ فَإِنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ لَهُمُ الْأَكْمَلَ وَالْجَائِزَ فَالْأَكْمَلُ مَوْضِعُ نَحْرِهِ وَوُقُوفِهِ وَالْجَائِزُ كُلُّ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَنْحَرِ وَجُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ عَرَفَاتٍ"[2]

"ان الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ نرمی اور شفقت کا بیان ہے کہ آپؐ انہیں دینی و دنیاوی مصالح سے آگاہ فرماتے تھے، آپؐ نے انہیں کامل ترین اور جائز دونوں مقامات کی اطلاع دے دی، کامل ترین مقام آپؐ کا وقوف اور جائز عرفات کا ہر حصہ ہے۔"

میدان عرفات میں ایک سہولت یہ بھی دی گئی ہے کہ یہاں ظہر اور عصر کو جمع کر کے نماز ادا کی جاتی ہے۔ حج کی ادائیگی میں چونکہ حاجی کے لیے کافی محنت اور مشقت کی وجہ سے بدنی تھکاوٹ ہو جاتی ہے اس لیے آپؐ نے ظہرین کو جمع کر کے ان کو قصر ادا کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«غَدَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنًى حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ صَبِيحَةَ يَوْمِ عَرَفَةَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِنَمِرَةَ، وَهِيَ مَنْزِلُ الْإِمَامِ الَّذِي يَنْزِلُ بِهِ بِعَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ صَلَاةِ الظُّهْرِ رَاحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهَجِّرًا فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ رَاحَ فَوَقَفَ عَلَى الْمَوْقِفِ مِنْ عَرَفَةَ»[3]

"رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے روز (نویں تاریخ کو) منیٰ میں صبح کی نماز پڑھائی، پھر عرفات کی طرف آئے اور وادی نمرہ میں پڑاؤ کیا۔ وہی مقام جہاں کہ عرفات میں امام اترتا ہے (ان کے دور کی بات ہے) حتیٰ کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ دوپہر کو گرمی کے وقت ہی میں وہاں سے روانہ ہو گئے اور ظہر و عصر کی نماز جمع کر کے پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، پھر وہاں سے چلے اور عرفات میں اپنے موقف پر جا کر وقوف فرمایا۔"

سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عرفات میں دونوں نمازوں کو یعنی ظہر و عصر کو جمع اور قصر ادا کرنا چاہیے۔

امام ابن القیم لکھتے ہیں:

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما جاء أنّ عرفة كلّها موقف، رقم الحدیث: 1218

(2) المنہاج شرح صحیح مسلم، 8/195

(3) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب الخروج إلى عرفة، رقم الحدیث: 1913

"كَانَ أَصَحُّ أَقْوَالِ الْعُلَمَاءِ: إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَقْصُرُونَ وَيَجْمَعُونَ بِعَرَفَةَ، كَمَا فَعَلُوا مَعَ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[1]

"علماء کے اقوال میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ اہل مکہ نمازوں کو اکٹھا اور قصر ادا کریں گے جیسے انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔"

مزدلفہ میں آسانی:

عرفات میں قیام کے بعد مزدلفہ کی طرف حاجی روانہ ہوتے ہیں مزدلفہ میں بھی رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت پر کئی ایک سہولتیں اور آسانیاں فرمائی ہیں۔

مزدلفہ کو ٹھہرنے کی جگہ قرار دیا اور کسی ایک جگہ کو مخصوص نہ کیا تاکہ لوگوں کے لیے وہاں قیام کرنے میں سہولت رہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:«كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ، وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ، وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيقٌ وَمَنْحَرٌ»[2]

"عرفات سارا ہی مقام وقوف ہے اور منٰی سارا ہی قربان گاہ ہے اور مزدلفہ پورا ہی وقوف کی جگہ ہے۔ اور مکہ کے سب راستے (یہاں آنے کی) راہ ہیں اور قربان گاہ بھی۔"

مزدلفہ میں یہ بھی سہولت دی گئی ہے کہ وہاں پر نماز مغرب اور عشاء کو جمع کر کے قصر ادا کیا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے یہاں دونوں نمازوں یعنی مغربین کو اکٹھا ادا کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ المَغْرِبِ وَالعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا، وَلاَ عَلَى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا»[3]

"مزدلفہ میں نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء ایک ساتھ ملا کر پڑھیں تھیں ہر نماز الگ الگ تکبیر کے ساتھ نہ ان دونوں کے درمیان کوئی نفل و سنت پڑھی تھی اور نہ ان کے بعد۔"

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اگر کوئی حاجی مغرب اور عشاء کے وقت وہاں کسی مجبوری کی بنا پر نہ

---

(1) زاد المعاد، 2/225

(2) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب الصلاة بجمع، رقم الحدیث: 1937

(3) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب من جمع بینهما ولم یتطوع، رقم الحدیث: 1673

پہنچ سکے تو رسول اکرم ﷺ نے اس پر شفقت کرتے ہوئے اس کے لیے رخصت فرمادی ہے۔

حضرت عروہ بن مضرس الطائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَوْقِفِ يَعْنِي بِجَمْعٍ قُلْتُ: جِئْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مِنْ جَبَلِ طَيِّئٍ أَكْلَلْتُ مَطِيَّتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَبْلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ؟فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَدْرَكَ مَعَنَا هَذِهِ الصَّلَاةَ، وَأَتَى عَرَفَاتَ، قَبْلَ ذَلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ، وَقَضَى تَفَثَهُ»[1]

"میں مزدلفہ میں وقوف کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں قبیلہ طے کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو ہلکان کیا ہے اور اپنے آپ کو بہت تھکایا ہے۔ قسم اللہ کی! میں ہر ایک ٹیلہ (یا پہاڑ) سے گزرا ہوں۔ تو کیا میرا حج ہو گیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز (فجر) پالی اور اس سے پہلے وہ رات یا دن میں عرفات میں حاضر ہو چکا ہے تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اس نے اپنا میل کچیل دور کر لیا (اس نے مناسک حج پورے کر لیے۔ اب مابعد کے دیگر اعمال حج پورے کر کے اپنا احرام کھول دے)"

منیٰ میں آسانیاں:

مزدلفہ کے مقام سے نماز فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کے لیے روانگی کی جاتی ہے یہاں نماز فجر ادا کرنا اور طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہونا ضروری ہے لیکن رسول اکرم ﷺ نے کمزور اور بیمار لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا فرمادی کہ اگر وہ رات کے وقت ہی منیٰ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہوں تو ان کو اجازت ہے۔

حضرت عبدللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِي ضَعَفَةِ أَهْلِهِ»[2]

"میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ مزدلفہ کی رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ جَمْعٍ، وَكَانَتْ ثَقِيلَةً ثَبْطَةً، فَأَذِنَ لَهَا»[3]

---

(1) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب مَن لَم يُدرِك عَرَفَة، رقم الحديث: 1950

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب مَن قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهلِهِ بِلَيلٍ، فَيَقِفُونَ بِالمُزدَلِفَةِ، وَيَدعُونَ، وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ القَمَرُ، رقم الحديث:1678

(3) ایضاً، رقم الحديث: 1680

"ام المومنین حضرت سودہؓ نے نبی کریم ﷺ سے مزدلفہ کی رات عام لوگوں سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت چاہی آپؓ بھاری بھرکم بدن کی عورت تھیں تو حضور ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔"

اس حدیث کی مزید وضاحت حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث سے ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں:

«نَزَلْنَا المُزْدَلِفَةَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَةُ، أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ، وَكَانَتِ امْرَأَةً بَطِيئَةً، فَأَذِنَ لَهَا، فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ [ص:166]، وَأَقَمْنَا حَتَّى أَصْبَحْنَا نَحْنُ، ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهِ، فَلَأَنْ أَكُونَ اسْتَأْذَنْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُوحٍ بِهِ»[1]

"جب ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو لوگوں کے اژدہام سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تھیں، وہ بھاری بھرکم بدن کی خاتون تھیں، اس لیے آپ نے اجازت دے دی چنانچہ وہ اژدہام سے پہلے روانہ ہو گئیں۔ لیکن ہم وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو آپ ﷺ کے ساتھ گئے اگر میں بھی حضرت سودہؓ کی طرح آپ ﷺ سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ضعیف اور کمزور لوگوں کو رات کے وقت ہی منیٰ کی طرف بھیج دیتے تھے۔

وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ، فَيَقِفُونَ عِنْدَ المَشْعَرِ الحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ فَيَذْكُرُونَ اللهَ مَا بَدَا لَهُمْ، ثُمَّ يَرْجِعُونَ قَبْلَ أَنْ يَقِفَ الإِمَامُ وَقَبْلَ أَنْ يَدْفَعَ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ مِنًى لِصَلاَةِ الفَجْرِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِذَا قَدِمُوا رَمَوْا الجَمْرَةَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: «أَرْخَصَ فِي أُولَئِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»[2]

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے گھر کے کمزوروں کو پہلے ہی بھیج دیا کرتے تھے اور وہ رات ہی میں مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس آکر ٹھہرتے اور اپنی طاقت کے مطابق اللہ کا ذکر کرتے تھے، پھر امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے پہلے ہی (منیٰ) آجاتے تھے، بعض تو منیٰ فجر کی نماز کے وقت پہنچتے اور بعض اس کے بعد، جب منیٰ پہنچتے تو کنکریاں مارتے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب لوگوں کے لیے یہ اجازت دی ہے۔"

البتہ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف کسی مجبوری یا بیماری کی وجہ سے اگر نماز فجر سے پہلے روانگی کی جائے تو یہ روانگی چاند کے غروب ہونے کے بعد ہو گی اس سے پہلے نہ کی جائے۔

مولیٰ اسماء حضرت اسماءؓ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحج، بَابُ مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ، فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَيَدْعُونَ، وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ القَمَرُ، رقم الحدیث، 1681

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 1676

أَنَّهَا نَزَلَتْ لَيْلَةَ جَمْعٍ عِنْدَ الْمُزْدَلِفَةِ، فَقَامَتْ تُصَلِّي، فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ: «يَا بُنَيَّ، هَلْ غَابَ القَمَرُ؟» ، قُلْتُ: لاَ، فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ: «يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ القَمَرُ؟» ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَتْ: «فَارْتَحِلُوا» ، فَارْتَحَلْنَا وَمَضَيْنَا، حَتَّى رَمَتِ الجَمْرَةَ، ثُمَّ رَجَعَتْ فَصَلَّتِ الصُّبْحَ فِي مَنْزِلِهَا، فَقُلْتُ لَهَا: يَا هَنْتَاهُ مَا أُرَانَا إِلَّا قَدْ غَلَّسْنَا، قَالَتْ: «يَا بُنَيَّ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِلظُّعُنِ»[1]

"وہ رات ہی میں مزدلفہ پہنچ گئیں اور کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں، کچھ دیر تک نماز پڑھنے کے بعد پوچھا بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا کہ نہیں، اس لیے وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگیں کچھ دیر بعد پھر پوچھا کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا ہاں، انہوں نے کہا کہ اب آگے چلو (منیٰ کو) چنانچہ ہم ان کے ساتھ آگے چلے، وہ (منیٰ میں) رمی جمرہ کرنے کے بعد پھر واپس آگئیں اور صبح کی نماز اپنے ڈیرے پر پڑھی میں نے کہا یہ کیا بات ہوئی کہ ہم نے اندھیرے ہی میں نماز پڑھ لی۔ انہوں نے کہا بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔"

منیٰ میں رسول اکرم ﷺ نے چار کام بالترتیب کیے تھے۔

1۔ جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں

2۔ قربانی کی

3۔ سر مبارک کے بال اتروائے

4۔ طواف اضافہ کیا۔

آپ ﷺ نے یہ چاروں کام ترتیب سے کیے ہیں لیکن اگر کسی شخص سے ان میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو اس کے لیے رخصت دی گئی ہے لیکن افضل یہی ہے کہ ان کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ «لاَ حَرَجَ» . قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: «لاَ حَرَجَ»[2]

"ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ حضور! رمی سے پہلے میں نے طواف زیارت کر لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، پھر اس نے کہا اور حضور قربانی کرنے سے پہلے میں نے سر منڈوا لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں، پھر اس نے کہا اور قربانی کو رمی سے بھی پہلے کر لیا آنحضرت ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب مَن قدّم ضعفۃ أھلہ بلیل، فیقفون بالمزدلفۃ، ویدعون، ویقدّم إذا غاب القمر، رقم الحدیث:1979

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الذبح قبل الحلق، رقم الحدیث:1722

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ فَقَالَ: «لاَ حَرَجَ» ، قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، قَالَ: «لاَ حَرَجَ»[1]

"نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایک آدمی نے مسئلہ پوچھا کہ شام ہونے کے بعد میں نے رمی کی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا کہ قربانی کرنے سے پہلے میں نے سر منڈا لیا، آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ، فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَمْ أَشْعُرْ، فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: «اذْبَحْ وَلاَ حَرَجَ» ، فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: «ارْمِ وَلاَ حَرَجَ» ، فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلاَ أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: «افْعَلْ وَلاَ حَرَجَ»[2]

"نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حجۃ الوداع کے موقع پر (اپنی سواری) پر بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مسائل معلوم کئے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا حضور مجھ کو معلوم نہ تھا اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اب قربانی کر لو کوئی حرج نہیں، دوسرا شخص آیا اور بولا حضور مجھے خیال نہ رہا اور رمی جمار سے پہلے ہی میں نے قربانی کر دی، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اب رمی کر لو کوئی حرج نہیں، اس دن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جس چیز کے آگے پیچھے کرنے کے متعلق سوال ہوا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہی فرمایا اب کر لو کوئی حرج نہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ اس دن آپ سے کوئی بھی سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں:

«أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا، ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ: كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا، حَلَقْتُ [ص:176] قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، وَأَشْبَاهَ ذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «افْعَلْ وَلاَ حَرَجَ» لَهُنَّ كُلِّهِنَّ، فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ: «افْعَلْ وَلاَ حَرَجَ»[3]

"جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دسویں تاریخ کو منیٰ میں خطبہ دے رہے تھے تو وہ وہاں موجود تھے۔ ایک شخص نے اس وقت کھڑے ہو کر پوچھا کہ میں اس خیال میں تھا کہ فلاں کام فلاں سے پہلے ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا اور کہا کہ میرا خیال تھا کہ فلاں کام فلاں سے پہلے ہے، چنانچہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا، رمی جمار سے پہلے قربانی کر لی،

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب مَن قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ، فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَيَدْعُونَ، وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ القَمَرُ، رقم الحدیث: 1723

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الفُتْيَا عَلَى الدَّابَّةِ عِنْدَ الجَمْرَةِ، رقم الحدیث:1736

(3) ایضاً، رقم الحدیث: 1737

اور مجھے اس میں شک ہوا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اب کرلو۔ ان سب میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کے دوسرے سوالات بھی آپ ﷺ سے کئے گئے آپ ﷺ نے ان سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اب کرلو۔"

حج میں معذور اور کمزور افراد کے لیے بھی رمی میں سہولت دی گئی ہے تاکہ وہ یہ کام آسانی کے ساتھ کرسکیں۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ بِيَوْمَيْنِ وَيَرْمُونَ، يَوْمَ النَّفْرِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منٰی میں راتیں گزارنے سے رخصت دی تھی (کہ) یہ لوگ قربانی والے دن رمی کریں، پھر اگلے دن (گیارھویں تاریخ کو) اس کے بعد اگلا دن چھوڑ کر روانگی والے دن دو دن کی رمی کریں۔"

رمی جمرات میں تاخیر کرنے کے بارے میں سعودی عرب کی مجلس دائمی برائے علمی تحقیقات وافتاء نے فتویٰ دیا ہے۔

"من أخر رمي الجمار في اليوم الحادي عشر حتى أدركه الليل، وتأخيره لعذر شرعي، ورمى الجمار ليلا، فليس عليه في ذلك شيء. وهكذا من أخر الرمي في اليوم الثاني عشر فرماه ليلا أجزأه ذلك ولا شيء عليه، وعليه تلك الليلة المبيت في منى والرمي لليوم الثالث عشر بعد الزوال؛ لكونه لم ينفر في اليوم الثاني عشر قبل غروب الشمس، ولكن الأحوط أن يجتهد في الرمي نهارا في المستقبل"[2]

"جو شخص رمی جمرات میں تاخیر کرے یہاں تک کہ رات ہو جائے اور وہ رات میں رمی کرے اور اس کی تاخیر شرعی عذر کی بناء پر ہو۔ تو اس کے ذمہ اس وجہ سے کچھ نہیں ہو گا۔ اسی طرح جو شخص بارہ تاریخ کی رمی میں تاخیر کر کے رات کو رمی کرے، تو ایسا کرنا اسے کفایت کر جائے گا اور اس کے ذمے کچھ نہیں ہو گا، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ وہ مستقبل میں دن ہی میں رمی کرنے کی کوشش کرے۔"

اگر کسی عذر کی بناء پر کوئی فرد رمی نہ کر سکے اور کسی کو اپنا نائب بنادے تو یہ بھی جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ رمی میں نیابت کے بارے لکھتے ہیں:

"إِذَا كَانَ الرَّجُلُ مَرِيضًا، أَوْ مَحْبُوسًا، أَوْ لَهُ عُذْرٌ، جَازَ أَنْ يَسْتَنِيبَ مَنْ يَرْمِي عَنْهُ"[3]

"جب کوئی آدمی بیمار ہو یا محبوس ہو یا اسے کوئی عذر لاحق ہو جائے تو ایسے حالات میں رمی کے لیے نائب مقرر

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب المناسک، بابٌ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ، رقم الحدیث: 1975

(2) فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جز من الفتوی، رقم: 1611، 11/282

(3) المغنی لابن قدامہ، 5/379

کرنا جائز ہے۔"

سر منڈوانے یا بال کٹوانے میں رخصت:

آپؐ نے احرام کے بعد سر مبارک کے بال منڈوائے تھے لیکن آپؐ نے بال کٹوانے کی بھی رخصت دی کہ اگر کوئی بال کٹوانا پسند کرتا ہے تو اس کے لیے رخصت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: وَلِلْمُقَصِّرِينَ، قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» ، قَالُوا: وَلِلْمُقَصِّرِينَ، قَالَهَا ثَلاَثًا، قَالَ: «وَلِلْمُقَصِّرِينَ»[1]

"اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کے لیے بھی (یہی دعا فرمایئے) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت کر۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کی بھی! تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔"

حافظ ابن حجر اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وَفِيهِ أَنَّ الْحَلْقَ أَفْضَلُ مِنَ التَّقْصِيرِ وَوَجْهُهُ أَنَّهُ أَبْلَغُ فِي الْعِبَادَةِ وَأَبْيَنُ لِلْخُضُوعِ وَالذِّلَّةِ وَأَدَلُّ عَلَى صِدْقِ النِّيَّةِ وَالَّذِي يُقَصِّرُ يُبْقِي عَلَى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَتَزَيَّنُ بِهِ بِخِلَافِ الْحَالِقِ فَإِنَّهُ يُشْعِرُ بِأَنَّهُ تَرَكَ ذَلِكَ لِلَّهِ تَعَالَى"[2]

"اس (حدیث) میں ہے کہ بال کٹوانے سے بال منڈوانا افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ کی بندگی بہت گہری، خضوع وذلت زیادہ نمایاں اور صدق نیت پر دلالت افزوں ہوتی ہے۔ بال ترشوانے والا اپنے نفس کا خیال رکھتے ہوئے کچھ (بال) زینت کے لیے رہنے دیتا ہے جبکہ بال منڈوانے والا اس بات کی بھی خبر دیتا ہے کہ اس نے اللہ کی خاطر سارے بال صاف کروا دیئے ہیں۔"

خواتین کے لیے خصوصی آسانیاں اور رخصتیں:

دوران حج خواتین کے لیے اسلام میں مزید آسانیاں اور سہولتیں ہیں جن سے وہ حج میں فائدہ اٹھا سکتیں ہیں درج ذیل میں ان آسانیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

صفا و مروہ کی سعی میں آسانی:

خواتین کے لیے حالت حیض اور نفاس میں صفا و مروہ کی سعی کرنے کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی ہے کہ حائضہ

---

(1) الجامع الصحیح، کِتَاب الحَجِّ، بَابُ الحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ عِنْدَ الإِحْلاَلِ، رقم الحدیث: 1728

(2) فتح الباری لابن حجر، 3/564

صرف بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی باقی تمام امور انجام دیں گی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نَرَى إِلَّا الْحَجَّ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِسَرِفَ، أَوْ قَرِيبًا مِنْهَا، حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: «أَنَفِسْتِ؟» - يَعْنِي الْحَيْضَةَ قَالَتْ - قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «إِنَّ هَذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَغْتَسِلِي»[1]

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور ہمارے پیش نظر حج کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جب ہم مقام سرف یا اس کے قریب پہنچے تو مجھے ایام شروع ہو گئے۔ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے روتا ہوا پایا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تمھارے ایام شروع ہو گئے ہیں؟ (حضرت عائشہؓ نے) کہا: میں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلا شبہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے تم (سارے) کام ویسے ہی سر انجام دو جیسے حاجی کرتے ہیں سوائے یہ کہ جب تک غسل نہ کر لو بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔"

امام نووی لکھتے ہیں:

"وَفِي هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْحَائِضَ وَالنُّفَسَاءَ وَالْمُحْدِثَ وَالْجُنُبَ يَصِحُّ مِنْهُمْ جَمِيعُ أَفْعَالِ الْحَجِّ وأقواله وهيأته إِلَّا الطَّوَافَ وَرَكْعَتَيْهِ فَيَصِحُّ الْوُقُوفُ بِعَرَفَاتٍ"[2]

"اس میں حیض اور زچگی والی عورت، بے وضو اور جنابت والے شخص کے طواف اور اس کی دو رکعتوں کے علاوہ، حج کے کئے ہوئے دیگر تمام افعال، اقوال اور باتوں کی درست ہونے کی دلیل ہے۔"

اگرچہ سعی کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے آج کل دراصل صفا و مروہ کی سعی والا حصہ بھی مسجد الحرام میں شامل ہو چکا ہے اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے کوشش یہ ہی ہونی چاہیے کہ ان حالات میں طہارت کے بعد ہی سعی کر لی جائے۔[3]

احرام باندھنے کی رخصت:

احرام باندھنے کے لیے انسان کا پاکیزہ ہونا ضروری ہوتا ہے تاہم رسول اللہ ﷺ نے حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے یہ رخصت دی ہے کہ وہ حیض اور نفاس کی حالت میں بھی احرام باندھ سکتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی تو انہوں نے:

---

(1) صحیح مسلم، کِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ بَيَانِ وُجُوهِ الْإِحْرَامِ، وَأَنَّهُ يَجُوزُ إِفْرَادُ الْحَجِّ وَالتَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ، وَجَوَازِ إِدْخَالِ الْحَجِّ عَلَى الْعُمْرَةِ، وَمَتَى يَحِلُّ الْقَارِنُ مِنْ نُسُكِهِ، رقم الحدیث، 1211

(2) المنہاج شرح صحیح مسلم، 146/8

(3) ڈاکٹر فضل الٰہی، پروفیسر، حج و عمرہ کی آسانیاں، دار النور، اسلام آباد، 2009، ص 208

«فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: «اغْتَسِلِي، وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي»[1]

"رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ (زچگی کی اس حالت میں اب) میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "غسل کرو، کپڑے کا لنگوٹ کسو، اور حج کا احرام باندھ لو۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَا أَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ تَغْتَسِلَانِ، وَتُحْرِمَانِ وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ»[2]

"حیض اور نفاس والی عورتیں جب میقات پر پہنچیں تو غسل کر کے احرام باندھ لیں اور سوائے بیت اللہ کے طواف کے حج کے تمام اعمال سرانجام دیں۔" ابو معمر کی روایت میں ہے "حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں۔"

سعودی عرب کی دائمی مجلس نے بھی نفاس اور حیض والی عورت کے بارے میں فتویٰ دیا ہے:

"الحيض لا يمنع من الحج، وعلى من تحرم وهي حائض أن تأتي بأعمال الحج، غير أنها لا تطوف بالبيت إلا إذا انقطع حيضها واغتسلت، وهكذا النفساء، فإذا جاءت بأركان الحج فحجها صحيح"[3]

"حیض حج کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے جو خاتون حالت حیض میں احرام باندھے، وہ حیض کی حالت میں بیت اللہ کے طواف کے سوا حج کے (تمام) اعمال سرانجام دے اور اسی طرح زچگی والی خاتون، جب اس نے حج کے ارکان ادا کر لیے، تو اس کا حج درست ہے۔

طواف وداع میں رخصت:

طواف وداع حج کے آخر میں کیا جاتا ہے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی طواف وداع کیا اور اپنے اصحابؓ کو بھی اس کا حکم دیا۔ تاہم ان عورتوں کے لیے رخصت فرمادی جو طواف وداع کے موقع پر حائضہ ہو جائیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلاَ نَرَى إِلَّا الحَجَّ، فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالمَرْوَةِ وَلَمْ يَحِلَّ، وَكَانَ مَعَهُ الهَدْيُ، فَطَافَ مَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ نِسَائِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَحَلَّ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الهَدْيُ، فَحَاضَتْ هِيَ، فَنَسَكْنَا مَنَاسِكَنَا مِنْ حَجِّنَا، فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةَ الحَصْبَةِ، لَيْلَةُ النَّفْرِ،

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف، رقم الحدیث: 1218

(2) سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب الحائض تهل بالحج، رقم الحدیث: 1744

(3) فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، الفتوی، رقم:687، 11/172

قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، كُلُّ أَصْحَابِكَ يَرْجِعُ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ غَيْرِي، قَالَ: «مَا كُنْتِ تَطُوفِينَ بِالْبَيْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا» قُلْتُ: لاَ، قَالَ: «فَاخْرُجِي مَعَ أَخِيكِ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَهِلِّي بِعُمْرَةٍ، وَمَوْعِدُكِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا» . فَخَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ، وَحَاضَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَقْرَى حَلْقَى، إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا، أَمَا كُنْتِ طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟» قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: «فَلاَ بَأْسَ انْفِرِي»[1]

"ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے، ہماری نیت حج کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ پھر جب نبی کریم ﷺ (مکہ) پہنچے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کی، لیکن آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا کیوں کہ آپ کے ساتھ قربانی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی بیویوں نے اور دیگر اصحاب نے بھی طواف کیا اور جن کے ساتھ قربانی نہیں تھیں انہوں نے (اس طواف و سعی کے بعد) احرام کھول دیا۔ لیکن حضرت عائشہؓ حائضہ ہو گئی تھیں، سب نے اپنے حج کے تمام مناسک ادا کر لیئے تھے، پھر جب لیلۃ حصبہ یعنی روانگی کی رات آئی تو عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے تمام ساتھی حج اور عمرہ دونوں کر کے جا رہے ہیں صرف میں عمرہ سے محروم ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کے اچھا جب ہم آئے تھے تو تم (حیض کی وجہ سے) بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکی تھیں؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم چلی جا اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ (اور عمرہ کر) ہم تمہارا فلاں جگہ انتظار کریں گے۔ چنانچہ میں اپنے بھائی (عبد الرحمن رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تنعیم گئی اور وہاں سے احرام باندھا۔ اسی طرح صفیہ بنت حیؓ بھی حائضہ ہو گئی تھیں نبی کریم ﷺ نے انہیں (ازراہ محبت) فرمایا عقری حلقی، تو تو ہمیں روک لے گی، کیا تو نے قربانی کے دن طواف زیارت نہیں کیا تھا؟ وہ بولیں کہ کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کوئی حرج نہیں، چلی چلو۔ میں جب آپ تک پہنچی تو آپ ﷺ مکہ کے بالائی علاقہ پر چڑھ رہے تھے اور میں اتر رہی تھی یا یہ کہا کہ میں چڑھ رہی تھی اور حضور ﷺ اتر رہے تھے۔"

اس سے متعلق ایک اور حدیث ہے جسے حضرت عائشہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے:

أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ - زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - حَاضَتْ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «أَحَابِسَتُنَا هِيَ» قَالُوا: إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ قَالَ: «فَلاَ إِذًا»[2]

"نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ صفیہ بنت حیؓ (حجۃ الوداع کے موقع پر) حائضہ ہو گئیں تو میں نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو یہ ہمیں روکیں گیں، لوگوں نے کہا کہ انہوں نے طواف افاضہ کر لیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کوئی فکر نہیں۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت، رقم الحدیث: 1762

(2) ایضاً، رقم الحدیث: 1757

طواف وداع کی حکمت اور اسرار کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الحَائِضِ» [1]

"لوگوں کو اس کا حکم تھا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو (یعنی طواف وداع کریں) البتہ حائضہ سے یہ معاف ہو گیا تھا۔"

مذکورہ بالا تمام احادیث فریضہ حج کی ادائیگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کو دی جانے والی رخصتیں، آسانیاں، سہولتیں اور تیسرات ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ساتھ نرمی، آسانی، سہولت اور تیسیر کو پسند کرتے تھے اور ان کی راہنمائی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حکم الٰہی پر عمل بھی ہو جائے اور بندوں کے لیے وہ مشقت اور دقت کا سبب بھی نہ بنے۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحجّ، باب طَوَافِ الوَدَاعِ، رقم الحدیث: 1755

3

فصلِ سوم

نفل عبادات میں تیسیر

نفل عبادات میں تیسیر

نفل عبادات سے مراد وہ عبادات ہیں جو انسان پر فرض نہیں ہیں ان کی ادائیگی سے انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے ان کے ذریعے انسان اپنے فرائض کی کمی و بیشی کو پورا کرلیتا ہے۔ کوئی شریعت اسلامیہ میں مسلمانوں پر صرف چند ایک عبادات فرض کی گئی ہیں، اکثر عبادات کا درجہ نفلی عبادت کا درجہ ہے۔ اگر کوئی فرد نفلی عبادت کی پابندی نہیں کرتا تو اس پر کوئی عیب نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نفلی عبادات میں انسان کے لیے آسانی، سہولت، گنجائش ،وسعت اور تیسیر رکھی ہے تو کسی بھی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ نفلی عبادات کو لوگوں پر لازم کردے ماسوائے خاص احوال یا مواقع کے۔ نفلی عبادات کی تفہیم میں بنیادی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان عبادات کو اپنا لیتا ہے تو اس کے لیے اجر و ثواب ہے اور اگر کوئی ان کی پابندی نہیں کرتا تو اس کے لیے شریعت میں رخصت، آسانی اور تیسیر موجود ہے۔ ایسے فرد پر کوئی نقص یا عیب لگانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

فرائض کی پابندی کے بارے میں حضرت ابو ثعلبہ الخشنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَنَهَى عَنْ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَغَفَلَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا»[1]

"اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو فرض کیا ہے ان کو ضائع نہ کرو اور جن اشیاء سے منع کیا ہے انہیں اختیار مت کرو۔ اور اس کی حدود کو مت پھلانگو۔ جن چیزوں کا اس نے ذکر نہیں کیا (حرام یا حلال) وہ بغیر نسیان کے ہے پس تم اس میں بحث نہ کرو۔"

جب کوئی فرد فرائض کی پابندی کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ: «تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ» ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا»[2]

"ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایسا عمل بتائیے کہ جب میں وہ عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: "تم اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ،

---

(1) الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، المعجم الکبیر للطبرانی، 22/ 263، رقم الحدیث: 677، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ، 1415ھ

(2) صحیح مسلم، کِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابُ بَيَانِ الْإِيمَانِ الَّذِي يُدْخَلُ بِهِ الْجَنَّةَ، وَأَنَّ مَنْ تَمَسَّكَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، رقم الحدیث: 14

نماز قائم کرو جو تم پر لکھ دی گئی ہے، فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔" وہ کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نہ کبھی اس پر کسی چیز کا اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ ایک جنتی آدمی دیکھے تو وہ اسے دیکھ لے۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فرائض دینیہ ہی کی بنا پر انسان اللہ کے ہاں انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرتا ہے تو پھر نوافل کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی وضاحت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا فرمان بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ وُجِدَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتُقِصَ مِنْهَا شَيْءٌ. قَالَ: انْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ يُكَمِّلُ لَهُ مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيضَةٍ مِنْ تَطَوُّعِهِ، ثُمَّ سَائِرُ الْأَعْمَالِ تَجْرِي عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ»[1]

"قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہوگی۔ اگر وہ مکمل پائی گئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو! کیا تم اس کے لیے کچھ نفل پاتے ہو جس کے ساتھ اس کے ضائع کردہ فرض کی کمی پوری کر دی جائے۔ پھر باقی اعمال بھی اسی کے مطابق جاری ہوں گے۔"

نفلی عبادات کا انسان کو پابندی نہیں کیا گیا، تاہم ان کی ادائیگی سے انسان کے فرائض میں جو کمی و بیشی ہوتی ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے نفلی عبادات کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادات کی کثرت مطلوب نہیں ہیں اس لیے اس معاملہ میں خود کو تنگی اور مشکلات میں نہ ڈالا جائے بلکہ اتنی ہی عبادت و ریاضت کی جائے جس سے تنگی اور حرج پیدا نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللهُ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ»[2]

"اپنی جانوں پر سختی مت کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی۔ بلاشبہ کئی قوموں نے اپنی جانوں پر سختیاں کیں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ جنگلوں میں معبدوں کے اندر اور گرجاگھروں میں انہی لوگوں کے بقایا لوگ ہیں۔"

عبادت و ریاضت میں اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے اگر کوئی آدمی اس قدر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جائے کہ اسے اپنے دیگر امور کا خیال ہی نہ رہے تو ایسی صورت کو رسول اکرم ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

---

(1) سنن النسائی، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْمُحَاسَبَةِ عَلَى الصَّلَاةِ، رقم الحدیث: 467

(2) سنن ابی داود، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابٌ فِي الْحَسَدِ، رقم الحدیث: 4904

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوهُ، وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوهُ»[1]

"ہر چیز کی ایک حرص ونشاط ہوتی ہے، اور ہر حرص ونشاط کی ایک کمزوری ہوتی ہے، اگر اس کا اپنانے والا معتدل مناسب رفتار چلا اور حق کے قریب ہوتا رہا تو اس کی بہتری کی امید رکھو، اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے تو اسے کچھ شمار میں نہ لاؤ"

الغرض کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کی جو تربیت فرمائی تھی اس میں اس بات پر بہت زور دیا گیا تھا کہ وہ نفلی عبادت میں تنگی اور حرج میں مبتلا نہ ہوں بلکہ وہ اس طرح عبادت کریں کہ دینی ودنیاوی امور میں اعتدال باقی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی عبادت میں مشقت اور تنگی کو پسند نہیں کرتے تھے کئی ایک مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کی راہنمائی کرتے ہوئے سہولت، آسانی اور تیسیر کی طرف ان کو ترغیب دلائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات میں جو آسانی اور تیسیر کے پہلو کو مد نظر رکھا تھا مولانا جعفر شاہ پھلواری نے اس کے تین طرق بیان کیے ہیں:

(الف): جہاں راہبانہ تعبد، جوگیانہ تقشف یا کڑی جفاکشانہ ریاضت کا انداز دیکھا وہاں فوراً نوٹس لیا اور اس میں نرمی، آسانی اور اعتدال پیدا کرنے کا حکم دیا۔

(ب): جہاں تنگی دیکھی وہاں توسع پیدا کر دیا اور سخت گیرانہ انداز کو نرمی سے بدل دیا۔

(ج): جہاں انفرادی مجبوریاں دیکھیں وہاں اجتماعی قانون کا احترام کرتے ہوئے ہر ممکن انفرادی رعایت دے دی۔[2]

نفلی عبادات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیسیر اور سہولت پیدا فرمائی ہے درج ذیل میں اس کی وضاحت کی جائے گی تاکہ نفلی عبادات میں سختی اور سے بچا جاسکے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصتوں، سہولتوں اور آسانیوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

نفلی عبادات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد کی بجائے ایسے عمل کو زیادہ پسند فرمایا ہے جو کم ہو لیکن بطریق احسن اس کی ادائیگی ہو۔ جس کے کرنے میں انسان کو کوئی دقت اور مشکل نہ ہو۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دَامَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِنْ قَلَّ»[3]

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعمال پسند تھے جن پر کوئی آدمی پابندی کرے خواہ وہ اعمال کم ہی کیوں نہ ہوں۔"

اسی مضمون سے متعلق امام ترمذی نے اپنی الجامع الترمذی میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام

---

(1) الجامع الترمذی، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ مِنْهُ، رقم الحدیث: 2453

(2) اسلام دین آسان، ص: 289

(3) ابن ابی اسامہ، الحارث بن محمد، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم الحدیث: 239، مرکز السنۃ والسیرۃ النبویہ، مدینہ منورہ، 1413ھ

سلمہؓ سے پوچھا گیا:

«أَيُّ العَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتَا: «مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ»[1]

"کون سا عمل رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ پسند تھا؟، ان دونوں نے جواب دیا کہ وہ عمل جو اگرچہ تھوڑا ہو لیکن اسے مستقل اور برابر کیا جائے۔"

رسول اکرم ﷺ کو ایسے اعمال پسند تھے خواہ تعداد میں تھوڑے ہوں لیکن اچھے اور خوبصورت انداز میں ان کی ادائیگی ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کو بھی وہی نفلی اعمال پسند ہیں جن کی پابندی کی جائے خواہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْتَجِرُ حَصِيرًا بِاللَّيْلِ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ، وَيَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ فَيَجْلِسُ عَلَيْهِ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَثُوبُونَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلُّونَ بِصَلاَتِهِ حَتَّى كَثُرُوا، فَأَقْبَلَ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، خُذُوا مِنَ الأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللهَ لاَ يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ»[2]

"رسول کریم ﷺ رات میں چٹائی کا گھیر ابنا لیتے تھے اور اس گھیرے میں نماز پڑھتے تھے اور اسی چٹائی کو دن میں بچھاتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ پھر لوگ (رات کی نماز کے وقت) نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہونے لگے اور آنحضرت ﷺ کی نماز کی اقتداء کرنے لگے۔ جب مجمع زیادہ بڑھ گیا تو آنحضرت ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا لوگو! عمل اتنے ہی کیا کرو جتنی کہ تم میں طاقت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا جب تک تم (عمل سے) نہ تھک جاؤ اور اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندہ وہ عمل ہے جسے پابندی سے ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ کم ہی ہو۔"

یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں ایسے نفلی اعمال قطعاً پسندیدہ نہیں ہیں جن کی وجہ سے انسان خود تنگی اور حرج میں مبتلا ہو جائے اور اس کو مشقت ہی مشقت کا سامنا ہو اور انسان اس قدر تھکاوٹ کا شکار ہو جائے کہ فرض کی ادائیگی کے قابل بھی نہ رہے۔ ان احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی عبادات مطلوب نہیں ہیں جو انسانوں کی طاقت اور قوت سے باہر ہو جائیں اس لیے نفلی عبادات میں مشکل اور حرج میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، جو آسانی اور سہولت سے انسان سرانجام دے سکتا ہے اس سے وہی مطلوب ہے۔

بے اعتدالی کی ممانعت:

نبی اکرم ﷺ نے کئی ایک جگہوں پر جب نفلی عبادات کی وجہ سے لوگوں کو تنگی اور مشکلات میں جکڑے ہوئے دیکھا تو

---

(1) الجامع الترمذی، أَبْوَابُ الْأَدَبِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ، رقم الحدیث:2856

(2) الجامع الصحیح، کِتَابُ اللِّبَاسِ، بَابُ الجُلُوسِ عَلَى الحَصِيرِ وَنَحْوِهِ، رقم الحدیث: 5861

فوراً ان کی اصلاح فرماتے ہوئے ان کی راہنمائی عسر سے یسر کی طرف فرمائی اور ان کو سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ ایسے طریقے اختیار نہ کیے جائیں جن کی وجہ سے زندگی میں اعتدال نہ رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ ثَلاَثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلاَ أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[1]

"تین حضرات (علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے۔ جب انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اپنے اعمال کو کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ان کی اصلاح فرمائی وہاں ان کو نبوی طریق سے بھی آگاہ کیا کہ یہ میرا طریق نہیں ہے جو تم اختیار کرنا چاہتے ہو۔ یہ تین صحابہؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے یہ تین اصحاب بہت بڑے عبادت گزار اور نفلی عبادات کو بہت زیادہ پسند کرنے والے تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے ان کے طریقہ کار کو پسند نہیں کیا اور ان کو تنبیہ فرمائی کہ ایسا کام اور طریقہ کار کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسجد میں ایک رسی باندھی ہوئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مقصد پوچھا تو بتایا گیا کہ ایک خاتون ہیں وہ رات کو عبادت کرتی ہیں اور ان کا قیام طویل ہوتا ہے جب وہ تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث: 5063

جاتی ہیں آپؐ نے فوراً آسانی، تیسیر اور سہولت کی طرف راہنمائی فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَا هَذَا الحَبْلُ؟» قَالُوا: هَذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ»[1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ کی نظر ایک رسی پر پڑی جو دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی تھی۔ دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باندھی ہے جب وہ (نماز میں کھڑی کھڑی) تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹکی رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ رسی نہیں ہونی چاہیے اسے کھول ڈالو، تم میں ہر شخص کو چاہیے جب تک دل لگے نماز پڑھے، تھک جائے تو بیٹھ جائے۔"

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نفلی عبادات میں بڑی سختی سے کام لیتے تھے قیام، صیام اور تلاوت قرآن مجید کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توجہ اسلام کی دی ہوئی سہولت، آسانی اور تیسیر کی طرف مبذول کروائی تو انہوں نے عبادات کی ادائیگی پر اصرار کیا اور اپنے شوق کا اظہار فرمایا اور کثرت کے ساتھ عبادات میں مشغول رہے لیکن جب وہ بڑھاپے کی عمر میں پہنچے تو ان کو نفلی عبادات میں شدت اور سختی کا احساس ہوا تو تب فرمایا کہ کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی ہوئی سہولت اور آسانی کو اختیار کر لیتا تو مجھے اس قدر کمزوری نہ ہوتی اور میرا جسم اس قدر لاغر اور ضعیف نہ ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَبْدَ اللهِ، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ، وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟» ، فَقُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «فَلاَ تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِنَّ ذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ» ، فَشَدَّدْتُ، فَشُدِّدَ عَلَيَّ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ: «فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَلاَ تَزِدْ عَلَيْهِ» ، قُلْتُ: وَمَا كَانَ صِيَامُ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ؟ قَالَ: «نِصْفَ الدَّهْرِ» ، فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَقُولُ بَعْدَ مَا كَبِرَ: يَا لَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»[2]

"مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عبد اللہ! کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تم دن میں تو روزہ رکھتے ہو اور ساری رات

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب، رقم الحدیث:1150

(2) الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب حق الجسم في الصوم، رقم الحدیث:1975

نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی صحیح ہے یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا، کہ ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھ اور بے روزہ کے بھی رہو۔ نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ کیوں کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملاقات کرنے والوں کا بھی تم پر حق ہے بس یہی کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کرو، کیوں کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا اور اس طرح یہ ساری عمر کا روزہ ہو جائے گا، لیکن میں نے اپنے پر سختی چاہی تو مجھ پر سختی کر دی گئی۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں اپنے میں قوت پاتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھ اور اس سے آگے نہ بڑھ۔ میں نے پوچھا اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بے روزہ رہا کرتے تھے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بعد میں جب ضعیف ہو گئے تو کہا کرتے تھے کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی رخصت مان لیتا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے بعد میں انہوں نے اس سے بھی زیادہ کا استفسار کیا اور اس کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَقِيَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: " أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَقُولُ: لَأَقُومَنَّ اللَّيْلَ، وَلَأَصُومَنَّ النَّهَارَ؟ "، قَالَ: أَحْسَبُهُ قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ قُلْتُ ذَاكَ، قَالَ: «قُمْ وَنَمْ، وَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَذَاكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ» ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «فَصُمْ يَوْمًا، وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ» ، قَالَ: فَقُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا، وَهُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ، وَهُوَ صِيَامُ دَاوُدَ» ، قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ»[1]

"رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملے اور فرمایا " مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کہتے ہو میں رات بھر قیام اور دن کو روزہ ہی رکھا کروں گا؟" میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! میں نے ایسا کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (رات کو) قیام کرو اور آرام بھی کرو، روزے رکھو اور افطار بھی کرو (بلکہ) ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرو، یہ صیام الدھر کی مانند ہو نگے۔ (گویا زمانہ بھر روزے رکھے) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن روزہ رکھا کر دو دن افطار کر لیا کرو۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا تو ایک دن روزہ رکھا کرو اور ایک دن افطار کر لیا کرو، یہ روزے رکھنے کی معتدل صورت ہے اور یہ صیام داود ہے۔ میں نے کہا:، میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا " اس سے بڑھ کر کچھ افضل نہیں۔"

---

(1) سنن ابی داؤد، کِتَاب الصَّوْمِ، بَابٌ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ تَطَوُّعًا، رقم الحدیث: 2427

حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی نفلی عبادات کا بڑا اہتمام کرتے یہاں تک کہ اپنی دیگر دنیوی ذمہ داریوں کا احساس بھی نہ ہوتا جب رسول اکرم ﷺ کو ان کے اس عمل کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ ان کے سامنے دین اسلام میں آسانی اور سہولت کے تصور کو اجاگر کیا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ، فَجَاءَهُ، فَقَالَ: «يَا عُثْمَانُ، أَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِي» ، قَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَلَكِنْ سُنَّتَكَ أَطْلُبُ، قَالَ: «فَإِنِّي أَنَامُ وَأُصَلِّي، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَاتَّقِ اللهَ يَا عُثْمَانُ، فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصَلِّ وَنَمْ»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلوایا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ” اے عثمان! کیا تم نے میری سنت (طور طریقے) سے اعراض کر لیا ہے؟“ انہوں نے کہا: نہیں، قسم اللہ کی! اے اللہ کے رسول ﷺ! بلکہ میں تو آپ کی سنت ہی کا متلاشی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ” پھر میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اے عثمان! یقیناً تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا روزے رکھو اور چھوڑ بھی دیا کرو۔ نماز پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔“

نفلی عبادات میں سختی کرنے کی ممانعت:

نفلی عبادات میں سختی کرنے سے رسول اکرم ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے اور آپؐ نے اسی بات کو پسند کیا ہے کہ نفلی عبادات میں سہولت اور آسانی کے پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَصُومُ؟، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عُمَرُ قَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ، وَمِنْ غَضَبِ رَسُولِهِ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَدِّدُهَا حَتَّى سَكَنَ غَضَبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ؟، قَالَ: «لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ» ، قَالَ مُسَدَّدٌ: «لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ» ، أَوْ «مَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ» - شَكَّ غَيْلَانُ - قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟، قَالَ: «أَوَ يُطِيقُ ذَلِكَ أَحَدٌ؟» ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمًا، وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟، قَالَ:

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الصَّلَاةِ، باب مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقَصْدِ فِي الصَّلَاةِ، رقم الحدیث: 1369

«ذَلِكَ صَوْمُ دَاوُدَ» ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمًا، وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ؟ قَالَ: وَدِدْتُ أَنِّي طُوِّقْتُ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، فَهَذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، وَصِيَامُ عَرَفَةَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصَوْمُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ»[1]

"ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ اس کی بات سے ناراض ہو گئے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو بولے: ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے' اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ وہ ہم پر ناراض ہو یا اس کا رسول۔ اور عمر رضی اللہ عنہ اپنی یہ بات مسلسل دہراتے رہے حتی کہ نبی کریم ﷺ کا غصہ زائل ہو گیا۔ پھر (عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ آدمی کیسا ہے جو ہمیشہ ہی روزے سے رہتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔" مسدد کے الفاظ تھے «لم يصم ولم يفطر أو ما صام ولا أفطر» یہ شک غیلان کو ہوا ہے۔ (عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا: اے اللہ کے رسول! وہ آدمی کیسا ہے جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے؟ آپ نے فرمایا "کیا بھلا کسی کو اس کی طاقت بھی ہے؟" عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور وہ آدمی کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے؟ آپ نے فرمایا " یہ حضرت داود علیہ السلام کا روزہ ہے۔" انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور وہ آدمی کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے؟ آپ نے فرمایا "میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت دی جاتی۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین دن ہر مہینے میں اور رمضان سے رمضان تک، (ہر رمضان میں پورے روزے رکھنا) یہ صیام الدھر ہے۔ (ہمیشہ روزے سے رہنا ہے) اور عرفہ کا روزہ۔ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اسے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ بنا دے گا۔ اور عاشورہ محرم کا روزہ، میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اسے گزشتہ ایک سال کا کفارہ بنا دے گا۔"

اس حدیث کے الفاظ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ نفلی عبادات میں سہولت اور آسانی کا پہلو کس قدر رسول اکرم ﷺ غالب رکھا کرتے تھے۔ جس طرح آج کل بعض لوگ نفلی عبادات میں بڑی سختی کرتے ہیں، اپنی تمام ذمہ داریاں چھوڑ کر اپنے آپ کو نفلی عبادات کے ساتھ مختص کر لیتے ہیں، اس کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں ہے رسول اکرم ﷺ جب بھی کسی فرد کا ایسا نفلی عمل دیکھتے جس کی وجہ سے اسے کسی مشقت اور مشکل کا سامنا ہو تا تو آپ ﷺ فوراً اس کام سے منع کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس طرح کے رویے کی اصلاح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی ہمیشہ روزہ سے

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الصَّوم، بابٌ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ تَطَوُّعًا، رقم الحدیث: 2425

رہتا ہے تو اس کا کوئی روزہ نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ»[1]

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے روزہ رکھا ہی نہیں۔"

نفلی عبادات میں سہولت اور آسانی کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نفلی روزہ توڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اگر کوئی شخص اپنا نفلی روزہ توڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ قَالَ: «هَلْ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ؟» ، فَإِذَا قُلْنَا: لَا، قَالَ: «إِنِّي صَائِمٌ» ، زَادَ وَكِيعٌ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا يَوْمًا آخَرَ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ، فَحَبَسْنَاهُ لَكَ، فَقَالَ: «أَدْنِيهِ» ، قَالَ طَلْحَةُ: فَأَصْبَحَ صَائِمًا وَأَفْطَرَ»[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے ہاں تشریف لائے تو دریافت فرماتے "کیا تمہارے ہاں کوئی کھانا ہے؟" جب ہم کہتے کہ نہیں ہے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے " میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔" وکیع نے مزید بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے موقع پر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حیس (ایک خاص عربی طعام) کا ہدیہ بھیجا گیا ہے جو ہم نے آپ کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا "ادھر لے آؤ۔" طلحہ نے وضاحت کی کہ آپ نے صبح کو روزے کی نیت کی تھی مگر افطار کر لیا۔"

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر کسی فرد نے نفلی روزہ رکھا ہو اور اس روزہ کو توڑ دے۔

حضرت ام ہانیؓ بیان کرتی ہیں:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ، جَاءَتْ فَاطِمَةُ، فَجَلَسَتْ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ، قَالَتْ: فَجَاءَتِ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ، فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ نَاوَلَهُ أُمَّ هَانِئٍ، فَشَرِبَتْ مِنْهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَقَدْ أَفْطَرْتُ، وَكُنْتُ صَائِمَةً، فَقَالَ لَهَا: «أَكُنْتِ تَقْضِينَ شَيْئًا؟» ، قَالَتْ: لَا، قَالَ: «فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا»[3]

"فتح مکہ کے دن حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانیؓ آپ کی دائیں طرف تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ خادمہ ایک برتن لے کر آئی ' اس میں مشروب تھا' اس نے وہ نبی

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الصِّیَامِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ الدَّهْرِ، رقم الحدیث:1706

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الصَّوْمِ، بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ، رقم الحدیث:2455

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الصَّوْمِ، بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ، رقم الحدیث:2456

کریم ﷺ کو دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا اور پھر ام ہانی کو دے دیا تو انہوں نے بھی اس سے پی لیا اور بولیں: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے روزہ رکھا ہوا تھا اور توڑ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا" کیا یہ قضاء کا روزہ تھا؟" انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا "اگر یہ نفلی تھا تو کوئی حرج نہیں۔"

نفلی عبادات میں شوہر کی اجازت:

رسول اکرم ﷺ نے بے شمار آسانیوں اور تیسیرات کی طرف امت مسلمہ کی راہنمائی فرمائی ہے تاکہ مسلمان خود کو تنگی اور حرج میں مبتلا نہ کریں، اسلام کی رخصتوں اور آسانیوں سے فائدہ اٹھائیں، آپ ﷺ نے نفلی عبادات کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا بیوی کے نفلی روزہ کو شوہر کی اجازت سے مشروط کر دیا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِّ، إِنَّ زَوْجِي صَفْوَانَ بْنَ الْمُعَطَّلِ، يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ، وَيُفَطِّرُنِي إِذَا صُمْتُ، وَلَا يُصَلِّي صَلَاةَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ، قَالَ: فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِّ، أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ، فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا، قَالَ: فَقَالَ: «لَوْ كَانَتْ سُورَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ» ، وَأَمَّا قَوْلُهَا: يُفَطِّرُنِي، فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ فَتَصُومُ، وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ، فَلَا أَصْبِرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ: «لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا» ، وَأَمَّا قَوْلُهَا: إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ، لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، قَالَ: «فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ فَصَلِّ »[1]

"ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ ہم بھی آپ کے پاس ہی تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میرا شوہر صفوان بن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتا ہے اور خود فجر کی نماز سورج چڑھے پڑھتا ہے۔ صفوان بھی وہیں تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے جو کچھ عورت نے کہا تھا اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اس کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مارتا ہے۔ یہ دراصل دو دو سورتیں پڑھتی ہے اور میں نے اس کو اس (لمبی) قرأت سے روکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر ایک سورت کی قرآت ہو تو بھی لوگوں کو کافی ہے۔" اور اس کا یہ کہنا کہ یہ میرا روزہ تڑوا دیتا ہے تو اس کی حالت یہ ہے کہ یہ روزے ہی رکھے جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کر سکتا تو رسول اللہ ﷺ نے اس روز فرمایا "کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔" اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج چڑھے نماز پڑھتا ہوں، تو حقیقت یہ ہے کہ ہمارا گھرانا اس بات میں معروف ہے اور ہم لوگ سورج

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الصّوم، باب الْمَرْأَةِ تَصُومُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا، رقم الحدیث: 2459

نکلنے سے پہلے اٹھ ہی نہیں سکتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "جب جاگا کرو تو نماز پڑھ لیا کرو۔"

یہ رسول اکرمؐ کی کمال درجہ کی اپنی امت کے لیے شفقت، نرمی اور آسانی کا اظہار ہے کہ آپؐ نے ان کو یہ بھی اجازت دی کہ جب آنکھ کھلے تو نماز ادا کر لیا کریں۔

نفلی عبادات میں آسانی کو ترجیح:

نماز تراویح رمضان المبارک کی اہم عبادت ہے اس کی اہمیت و فضیلت بہت زیادہ ہے۔ چونکہ یہ ایک نفلی عبادت ہے اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اس کا اہتمام مسلسل نہیں فرمایا کہ یہ امت مسلمہ پر فرض نہ ہو جائے۔ اگر یہ فرض ہو جاتی تو مسلمانوں کے لیے اس کی پابندی ایک مشکل امر تھا۔ اسی لیے آپؐ نے آسانی کو ترجیح دی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهَّ صَلَّى اللهُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلَّوْا مَعَهُ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنْ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهَّ صَلَّى اللهُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ فَلَمَّا كَانَتْ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِّ صَلَّى اللهُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ »[1]

"رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ (رمضان کی) نصف شب میں مسجد تشریف لے گئے اور وہاں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو انہوں نے اس کا چرچا کیا۔ چنانچہ دوسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری صبح کو اور زیادہ چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے (اس رات بھی) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتداء کی۔ چوتھی رات کو یہ عالم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھیں۔ (لیکن اس رات آپ برآمد ہی نہیں ہوئے) بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر شہادت کے بعد فرمایا۔ امابعد! تمہارے یہاں جمع ہونے کا مجھے علم تھا، لیکن مجھے خوف اس کا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو یہی کیفیت قائم رہی۔"

مذکورہ بالا تمام دلائل نفل نماز اور نفلی روزہ کے متعلق ہیں اور اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ انسان کو نفلی عبادات

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم الحدیث: 2013

میں خواہ مخواہ تنگی اور مشقت میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ شریعت کی دی ہوئی رخصتوں، آسانیوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

عمرہ کی ادائیگی میں آسانیاں:

نفلی عبادات میں سے ایک نفلی عبادت عمرہ ہے اس عبادت میں بھی رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک رخصتیں بیان فرمائی ہیں۔ عمرہ کے متعلق یہ بہت بڑی آسانی اور سہولت ہے کہ یہ عبادت سارا سال کی جاسکتی ہے انسان کو جب بھی موقع ملے یا سال کے دوران جب چاہے وہ عمرہ ادا کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے جن مہینوں میں عمرہ ادا کیا ان کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ إِلَّا الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ: عُمْرَةً مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ، أَوْ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مِنْ جِعْرَانَةَ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ»[1]

> ”اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے (کل) چار عمرے کیے، اور اپنے حج والے عمرے کے سوا تمام عمرے ذوالقعدہ ہی میں کیے۔ ایک عمرہ حدیبیہ سے یا حدیبیہ کے زمانے کا ذوالقعدہ میں (جو عملاً نہ ہو سکا لیکن حکماً ہو گیا) اور دوسرا عمرہ (اس کی ادائیگی کے لیے) اگلے سال ذوالقعدہ میں ادا فرمایا (تیسرا) عمرہ جعرانہ مقام سے (آکر) کیا جہاں آپ ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت تقسیم فرمائے۔ (یہ بھی) ذوالقعدہ میں کیا اور (چوتھا) عمرہ آپ نے اپنے حج کے ساتھ ذوالحجہ میں) ادا کیا۔“

عمرہ سال کے تمام مہینوں اور ایام میں کیا جاسکتا ہے یہ عمرہ کے باب میں بہت بڑی سہولت اور رخصت ہے کہ حج کی طرح اس عبادت کے لیے خاص ایام یا مہینے مقرر نہیں کئے گئے۔

امام بغوی فرماتے ہیں:

" أَمَّا الْعُمْرَةُ، فَجَمِيعُ أَيَّامِ السَّنَةِ وَقْتٌ لَهَا إِلا أَنْ يَكُونَ مُتَلَبِّسًا بِالْحَجِّ "[2]

”حج میں مشغول شخص کے علاوہ افراد کے لیے سارا سال عمرہ کا وقت ہے۔“

عمرہ کا حج کے برابر ثواب:

عمرہ کی عبادت میں رسول اکرم ﷺ نے ایک یہ سہولت اور آسانی بھی فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں عمرہ کرتا ہے تو اس کو حج کے برابر ثواب عطا کیا جاتا ہے۔

---

(1) صحیح مسلم، کِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ بَيَانِ عَدَدِ عُمَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَمَانِهِنَّ، رقم الحدیث: 1253

(2) شرح السنۃ، 7/34

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ سَمَّاهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَسِيتُ اسْمَهَا «مَا مَنَعَكِ أَنْ تَحُجِّي مَعَنَا؟» قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ لَنَا إِلَّا نَاضِحَانِ فَحَجَّ أَبُو وَلَدِهَا وَابْنُهَا عَلَى نَاضِحٍ وَتَرَكَ لَنَا نَاضِحًا نَنْضِحُ عَلَيْهِ، قَالَ: «فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِي، فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ تَعْدِلُ حَجَّةً»[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاریہ عورت سے فرمایا.... ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا نام بتایا تھا لیکن میں بھول گیا ہوں ... تمھیں ہمارے ساتھ حج کرنے سے کس بات نے روک دیا؟ اس نے جواب دیا: ہمارے پاس پانی ڈھونے والے دو ہی اونٹ تھے۔ ایک پر اس کے بیٹے کا والد (شوہر) اور بیٹا حج پر چلے گئے ہیں اور ایک اونٹ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہم اس پر پانی ڈھوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "جب رمضان آئے تو تم عمرہ کر لینا کیونکہ اس (رمضان) میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔"

عمرہ میں نیابت کی سہولت:

اگر کوئی فرد معذوری یا بیماری کی وجہ سے عمرہ نہیں کر سکتا اور وہ عمرہ کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کی جگہ پر کوئی دوسرا فرد عمرہ کر سکتا ہے اسی طرح فوت شدگان کی طرف سے بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے تاہم یہ اہتمام کرنا ضروری ہے کہ نیابت کرنے والے نے پہلے خود عمرہ کیا ہو پھر دوسروں کی طرف سے کر سکتا ہے۔

حضرت ابو رزین العقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الحَجَّ، وَلَا العُمْرَةَ، وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ: «حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ»[2]

"انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ حج و عمرہ کرنے اور سوار ہو کر سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: 'تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ کر لو۔"

عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہ بھی رخصت دی کہ حج کے ایام اور مہینوں میں بھی اس کی اجازت فرمادی کہ اگر کوئی فرد ان ایام اور مہینوں میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(1) صحیح مسلم، کِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ فَضْلِ الْعُمْرَةِ فِي رَمَضَانَ، رقم الحدیث: 1256

(2) الجامع الترمذی، أَبْوَابُ الْحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ مِنْهُ، رقم الحدیث: 930

«دَخَلَتِ العُمْرَةُ فِي الحَجِّ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ »[1]

"عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو چکا ہے۔"

اس حدیث کی وضاحت میں امام ترمذی لکھتے ہیں:

"وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ: أَنْ لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَهَكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَمَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ: أَنَّ أَهْلَ الجَاهِلِيَّةِ كَانُوا لَا يَعْتَمِرُونَ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: «دَخَلَتِ العُمْرَةُ فِي الحَجِّ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ» ، يَعْنِي: لَا بَأْسَ بِالعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الحِجَّةِ، لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُهِلَّ بِالحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، وَأَشْهُرُ الحُرُمِ: رَجَبٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَذُو الحِجَّةِ، وَالمُحَرَّمُ، هَكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ"[2]

"اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی تشریح امام شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ نے بھی کی ہے کہ جاہلیت کے لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا: "عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو چکا ہے"، یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اشہر حج شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں"، کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینے میں حج کا احرام باندھے، اور حرمت والے مہینے یہ ہیں: رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ صحابہ کرامؓ وغیر ہم میں سے اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔"

صدقہ و خیرات میں آسانی:

صدقہ و خیرات (زکوٰۃ و عشر اور فطرانہ کے علاوہ) نفلی عبادت ہے اس کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ صدقہ و خیرات پسند ہے جس کے بعد انسان کو کوئی پچھتاوا اور افسوس نہ ہو اور انسان تنگ دستی میں مبتلا نہ ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) الجامع الترمذی، أَبْوَابُ الحَجِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ مِنْهُ، رقم الحدیث: 932

(2) الجامع الترمذی، 3/262

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾[1]

"اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے۔"

اسی طرح دوسری جگہ پر اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [2]

"اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں: جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔"

صدقہ و خیرات کی متعلق رسول اکرم ﷺ نے جو امت کی راہنمائی فرمائی ہے وہ اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ انسان کو صدقہ و خیرات کرتے ہوئے خود کو تنگی اور مشکل میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے میانہ روی سے کام لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صدقہ و خیرات کرنے کے بعد خود محتاج یا ضرورت مند بن جائے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَوْ خَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ»[3]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے افضل صدقہ.... یا سب سے اچھا صدقہ... وہ ہے جس کے پیچھے (دل کی) تونگری ہو اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور (دینے کی) ابتدا اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو۔"

صدقہ و خیرات کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کے پاس اگر بہت سارا مال ہو تو وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرے بلکہ اس میں اجازت ہے کہ ہر شخص اپنی استطاعت و بساط کے مطابق کسی کی مدد یا تعاون کرے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَأَعْرَضَ وَأَشَاحَ، ثُمَّ قَالَ: «اتَّقُوا النَّارَ» ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ، فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»[4]

"رسول اللہ ﷺ نے آگ کا تذکرہ فرمایا تو چہرہ مبارک ایک طرف موڑا اور اس میں مبالغہ کیا پھر فرمایا: "آگ

---

(1) الاسراء17: 29

(2) البقرہ2: 219

(3) صحیح مسلم، کِتَابُ الْکُسُوفِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَأَنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَأَنَّ السُّفْلَى هِيَ الْآخِذَةُ، رقم الحدیث: 1034

(4) صحیح مسلم، کِتَابُ الْکُسُوفِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى الصَّدَقَةِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، أَوْ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ وَأَنَّهَا حِجَابٌ مِنَ النَّارِ، رقم الحدیث: 1016

سے بچو۔ پھر رخ مبارک پھیرا اور دور ہونے کا اشارہ کیا حتی کہ ہمیں گمان ہوا جیسے آپ اس (آگ) کی طرف دیکھ رہے ہیں پھر فرمایا: "آگ سے بچو چاہے آدھی کھجور کے ساتھ جسے (یہ بھی) نہ ملے تو اچھی بات کے ساتھ۔"

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں کہ اگر کسی فرد میں ایک کھجور کی استطاعت و طاقت بھی نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھی بات ہی کر دے یہ بھی اس کی طرف سے صدقہ شمار کر لی جائے گی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَّهُ ذَكَرَ النَّارَ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا، وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ قَالَ: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا، فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»[1]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کا ذکر کیا تو اس سے پناہ مانگی اور تین بار اپنے چہرہ مبارک کے ساتھ دور ہونے کا اشارہ کیا ،پھر فرمایا: "آگ سے بچو چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے (بچو) اگر تم (یہ بھی) نہ پاؤ تو اچھی بات کے ساتھ۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ و خیرات میں جو آسانیاں اور سہولتیں بیان فرمائی ہیں ان میں فقراء کے لیے ایک بہت بڑی سہولت بیان فرمائی کہ اگر کوئی غربت اور مفلسی کی وجہ سے صدقہ و خیرات کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہر نیک عمل صدقہ کے طور پر قبول کر لیتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: " أَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَّدَّقُونَ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيَأتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ»[2]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ساتھیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! زیادہ مال رکھنے والے اجر و ثواب لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے ضرورت سے زائد مالوں سے صدقہ کرتے ہیں (جو ہم نہیں کر سکتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے ایسی چیز نہیں بنائی جس سے تم صدقہ کر سکو؟ بے شک ہر دفعہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ ہر

---

(1) صحیح مسلم، کِتَابُ الْكُسُوفِ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى الصَّدَقَةِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، أَوْ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ وَأَنَّهَا حِجَابٌ مِنَ النَّارِ، رقم الحدیث: 1016

(2) صحیح مسلم، کِتَابُ الْكُسُوفِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ اسْمَ الصَّدَقَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْمَعْرُوفِ، رقم الحدیث: 1006

دفعہ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کی تلقین کرنا صدقہ ہے اور بُرائی سے روکنا صدقہ ہے اور (بیوی سے مباشرت کرتے ہوئے) تمھارے عضو میں صدقہ ہے۔" صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کوئی اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ اگر وہ یہ (خواہش) حرام جگہ پوری کرتا تو کیا اسے اس گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال جگہ پوری کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے۔"

صدقہ کے باب میں مزید آسانیوں کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ» قِيلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ «يَعْتَمِلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ» قَالَ قِيلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: «يُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ» قَالَ قِيلَ لَهُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: «يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ أَوِ الْخَيْرِ» قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ»[1]

"ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے" کہا گیا: آپ کا کیا خیال ہے اگر اسے (صدقہ کرنے کے لئے کوئی چیز) نہ ملے؟ فرمایا: "اپنے ہاتھوں سے کام کر کے اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ (بھی) کرے۔" اس نے کہا: عرض کی گئی، آپ کیا فرماتے ہیں اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھے؟ فرمایا: " بے بس ضرورت مند کی مدد کرے۔" کہا، آپ سے کہا گیا: دیکھئے! اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھے؟ فرمایا: "نیکی یا بھلائی کا حکم دے۔" کہا: دیکھئے اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے؟ فرمایا: "وہ (اپنے آپ کو) شر سے روک لے، یہ بھی صدقہ ہے۔"

مزید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ» قَالَ: «تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ» قَالَ: «وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ»[2]

"لوگوں کے ہر جوڑ پر ہر روز، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، صدقہ ہے۔" فرمایا: تم دو (آدمیوں) کے درمیان عدل کرو (یہ) صدقہ ہے۔ اور تمھارا کسی آدمی کی، اس کے جانور کے متعلق مدد کرنا کہ اسے اس پر سوار کرا دو یا اس کی خاطر سواری پر اس کا سامان اٹھا کر رکھو، (یہ بھی) صدقہ ہے۔" فرمایا: "اچھی بات صدقہ ہے اور ہر قدم جس سے تم مسجد کی طرف چلتے ہو، صدقہ ہے اور تم راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو (یہ بھی) صدقہ ہے۔"

مذکورہ بالا تمام احادیث عمرہ اور صدقہ کے باب میں رسول اکرم ﷺ کے فرمودات میں موجود آسانیوں، سہولتوں، رخصتوں اور تیسیرات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ کسی بھی فرد کو نفلی عبادات کی ادائیگی میں خود کو مشکلات اور تنگیوں میں مبتلا

---

(1) ایضاً، رقم الحدیث: 1008

(2) صحیح مسلم، کِتَابُ الْكُسُوفِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ اسْمَ الصَّدَقَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْمَعْرُوفِ، رقم الحدیث: 1009

کرنے کی بجائے شریعت کی دی ہوئی رخصتوں کو اپنانا چاہیے تا کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل بھی ہو جائے اور حرج اور تنگی کا بھی کم سے کم سامنا ہو۔

بعض اوقات لوگ تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لیے اسلام کی دی ہوئی سہولتوں اور آسانیوں کو ترک کر دیتے ہیں اور مشقت اور تنگی کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر کسی عمل کی ترغیب شریعت اسلام میں بیان ہوئی ہے تو اس کی رخصت اور سہولت بھی شریعت ہی میں بیان ہوئی ہے لہٰذا نفلی عبادات میں عزیمتوں کی بجائے رخصتوں کو اپنانا اور عسر کی بجائے تیسیر پر عمل کرنا کوئی معیوب نہیں ہے۔

ماحاصل

عبادات کے ذریعے انسان اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرتا ہے۔ عبادات انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ایسا تعلق ہے جس کے ذریعے انسان اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔ اس لیے بعض اوقات وہ اپنے آپ کو بے جا سختیوں اور مشقتوں میں ڈال لیتا ہے، انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ عبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے اور زیادہ سے زیادہ مشقت سے کام لیا جائے لیکن رسول اکرم ﷺ نے عبادات کی ادائیگی میں ایسی آسانیوں اور سہولتوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ چاہت اور منشاء نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مشکلات میں ڈال دے بلکہ وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔ جن میں آسانی اور تیسیر نبویؐ کی وضاحت کی گئی ہے۔

پہلی فصل میں طہارت و نظافت کے حصول میں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے بیان کی گئی آسانیوں اور سہولتوں کا تذکرہ ہے۔ طہارت و نظافت عبادت کے لیے ضروری ہے اگر کوئی انسان طہارت کے بغیر عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت کے درجہ میں کمی آجاتی ہے اور بعض عبادات بغیر طہارت کے قابل قبول نہیں ہوتیں۔ آپؐ نے طہارت کے حصول میں کئی ایک آسانیوں اور سہولتوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ بعض حالات اور مواقع پر طہارت میں تخفیف کر دی ہے اور بعض جگہوں پر ایسی ایسی آسانیاں فرمادی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی امت پر کس قدر مہربان اور رحم کرنے والے تھے۔

دوسری فصل میں فرض عبادات کے متعلق تیسیر نبویؐ کی وضاحت کی گئی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرض عبادات کے بارے میں بھی کئی ایک آسانیوں اور سہولتوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ فرض عبادات کی ادائیگی میں ہر مسلم مختلف حالات اور مسائل سے دوچار ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان عبادات میں نرمی اور کشادگی کو ترجیح دی ہے۔ اس فصل میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے متعلق آپ ﷺ نے جو تیسیر فرمائی ہے اس کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان مشکلات اور دشواریوں کے موقع پر ان آسانیوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

تیسری فصل نفل عبادات کے بارے میں ہے۔ نفل عبادات جن کے ذریعے انسان رضائے الٰہی کو تلاش کرتا ہے، اکثر افراد اس میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں جہاں تک کے بعض اوقات فرائض اور دیگر ذمہ داریوں پر بھی ان کو فوقیت دیکر خود کو مشکلات اور آزمائشوں میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ نفل عبادات میں بطور خاص آپ ﷺ نے اعتدال کا حکم دیا ہے اور ان تمام افعال سے منع کر دیا ہے۔ جن کی وجہ سے بے اعتدالی کا خدشہ تھا۔ نفل عبادات کے باب میں آپ ﷺ نے ہمیشہ تخفیف اور تیسیر کے پہلو کو ہی ترجیح دی ہے تاکہ ان عبادات کے شوقین دیگر ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ برتیں۔

چوتھے باب میں اصلاح معاشرہ اور دعوت و تبلیغ میں تیسیر نبوی کا جائزہ لیا جائے گا۔

④

بابِ چہارم

اصلاح معاشرہ اور دعوت و تبلیغ میں تیسیر نبویؐ
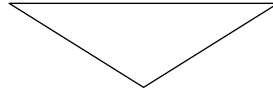
فصل اول: معاشرہ کی فلاح وبہبود میں تیسیر

فصل دوم: دعوت و تبلیغ میں تیسیر

{1}

فصلِ اول

معاشرہ کی فلاح و بہبود میں تیسیر

معاشرہ کی فلاح و بہبود میں تیسیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کے مزاج، نفسیات، خامیوں، کمزوریوں اور خواہشات و ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لیے نظام زندگی کا تعین کیا ہے۔ احکام الٰہی کی رسول اکرم ﷺ نے اس انداز میں تعبیر و تشریح فرمائی ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت پائی جاتی ہے۔ آپؐ نے انسانوں کی معاشرت اور معیشت میں جو راہنمائی فرمائی ہے وہ اعتدال اور توازن پر مبنی ہے۔ آپؐ نے بدلتے ہوئے حالات اور تغیرات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لیے معاشرے کے تمام افراد کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سہولیات اور آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔ آپؐ کے فرامین کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں عدم ضرر، تخفیف، نرمی اور تیسیر رکھی گئی ہے جب کسی معاملہ میں لوگوں کو ضرر، تکلیف، مشقت، تنگی اور حرج محسوس ہوتا تو آپؐ ایسی راہنمائی کرتے کہ مشکل رفع ہو جاتی تھی۔ معلم یسیر رسول اکرمؐ کا امتیازی وصف ہے۔ آپؐ نے معاملات زندگی میں سختی اور تشدد کو اختیار کرنے کی ممانعت فرمادی ہے، تکلیفی احکام میں تخفیف، رخصت اور رعائت دے۔

انسانی زندگی کے مسائل میں رسول اکرم ﷺ نے جو راہنمائی فرمائی ہے اس میں انسانی مصلحتوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے اور انسانوں کو مشقت اور حرج سے رکھنے کی کوشش کی گئی۔

معاشرتی فلاح و بہبود میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات میں موجود آسانی اور سہولت کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ عصر حاضر میں مسلمانہ ان سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں۔

معاشرتی امور میں تیسیر:

سماجی مسائل کے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی ایک بہترین اور کامل انسان کی زندگی ہے۔ بہتر انسانی سماج کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ لوگوں کی ضروریات اور مجبوریوں کا خیال رکھتے ہوئے انہیں احکام دیئے جائیں۔ رسول اکرم ﷺ سماج میں بسنے والے افراد کے مسائل کے حل کے لیے وسعت، گنجائش اور نرمی کا پہلو رکھتے تھے۔ آپؐ زندگی میں آنے والی مشکلات کے پیش نظر لوگوں کے لیے آسانی، تیسیر اور سہولت پیدا کرتے تھے۔ آپ نے سماجی معاملات میں انسانوں کی فلاح و خیر کے لیے ایسے زریں اصول دیئے ہیں جو عادلانہ، منصفانہ، معقول اور معتدل ہیں۔ جن میں انسانوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

آپؐ نے اس آدمی کو بہترین قرار دیا ہے جس کے فیصلے میں لوگوں کے لیے خیر و فلاح، گنجائش اور وسعت پائی جاتی ہو۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«خير الناس خيرهم قضاء»[1]

"بہترین الزمان وہ ہے جس کے فیصلے میں لوگوں کے لیے خیر ہو۔"

---

(1) ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، مسند ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: 893، دار الوطن، الریاض، 1997ء

انسانوں کے لیے جذبہ خیر و فلاح کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، وَأَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ»[1]

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو بندوں میں سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع دینے والا ہو۔"

آپ ﷺ لوگوں کو بہترین سلوک کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے کہ وہ بحیثیت انسان دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ آپؐ خود بھی لوگوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نَقُولُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَسُولُ اللهِ خَيْرُ النَّاسِ»[2]

"ہم کہتے کہ اپنے عہد کے، رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نفع دینے کے لحاظ سے بہترین انسان تھے۔"

اسلام کی معاشرتی زندگی میں طبقاتی جنگ، ذات پات کی بنیاد پر سماج کی تقسیم اور فرد کا معاشرے پر غلبہ یا معاشرے کا فرد پر غلبہ وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی تھی جس میں انسانوں کے ساتھ محبت، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، بڑوں کا احترام، مصیبتوں میں ایک دوسرے کے کام آنا اخوت اور معاشرتی وحدت کے حقیقی جذبات رکھنا، مال وجان اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اور ذمہ داریوں کی پاسداری کرنا سکھایا گیا تھا۔

معاشرتی احکام میں رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کی سہولتوں اور آسانیوں کا خاص خیال رکھا ہے رہن سہن، رسم ورواج، غمی وخوشی اور حقوق و فرائض میں اعتدال اور توازن ہے۔

معاشرتی امور میں رسول اکرم ﷺ نے جو آسانیاں اور وسعتیں پیدا کی ہیں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مساوات:

کسی بھی معاشرہ کی بقاء کے لیے افراد معاشرہ میں قانونی مساوات کا ہونا ضروری ہوتا ہے افراد معاشرہ کی عزت و تکریم، احترام و اکرام جہاں نہ ہو وہاں انارکی اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے انسانوں کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

«أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ»[3]

"خبردار کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔"

---

(1) شعب الایمان، کتاب طاعۃ اولی الامر بفصولھا، فصل قیام الاوزاعی مع المنصور وعظتہ ایاہ، رقم الحدیث: 7045

(2) مسند احمد، الرسالہ، رقم الحدیث: 4797

(3) شعب الایمان، کتاب حفظ اللسان، فصل مما یجب حفظ اللسان منہ الفخر بالآباء...، رقم الحدیث: 4774

یہی وہ تصور ہے جو اسلامی معاشرہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ معاشرہ میں تمام افرا کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جاسکتا اور نہ ہی ایک اصول تمام پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔ بعض افراد کی اگر حد سے زیادہ عزت کی جائے جس کے وہ مستحق نہیں ہوتے تو وہ معاشرہ میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں یا کسی فرد کی عزت و تکریم ان کے شایان شان نہ ہو تو اس سے بھی لوگوں کے دلوں میں نفرت جنم لیتی ہے اس میں رسول اکرم ﷺ نے آسانی اور سہولت یہ فرمائی کہ لوگوں کی عزت ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق کی جائے۔

«أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ» [1]

"ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھو۔"

اخوت کا قیام:

اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مسلمان خواہ وہ کسی بھی طبقہ انسانی، ذات پات اور کنبہ یا قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [2]

"بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اور اس رشتہ اخوت کو مضبوط کرنے کے لیے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» [3]

"تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔"

یہ آپ ﷺ کا فرمان تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی پر مبنی ہے اس میں آسانی اور سہولت یہ ہے کہ تمام لوگوں کے لیے خیر خواہی کی بات ہے کہ انسانوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی، استحصال، بے توقیری اور غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے۔

معاشرہ میں رہنے والے افراد کئی مرتبہ مصائب اور مشکلات میں پھنس جاتے ہیں ایسے موقع پر ان کے کام آنا اور ان کی مدد کرنا بہت بڑا اجر اور ثواب قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزل الناس منالھم، رقم الحدیث: 4842

(2) الحجرات 49: 31

(3) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب من الامیان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، رقم الحدیث: 13

مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»[1]

”جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔“

ہمدردی اور ایثار کی تعلیم:

آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ شفقت اور رحم دلی سے پیش آنے کی تعلیمات دی ہیں کہ افراد معاشرہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کی بجائے خیر خواہی کریں۔

آپؐ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»[2]

”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جو ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔“

اس حدیث میں آپ ﷺ نے احترام انسانیت کا درس دیا ہے کہ چھوٹوں پر شفقت اور مہربانی کی جائے اور بڑوں کی عزت و تکریم کا خیال رکھا جائے۔ اور جو یہ کام نہیں کرتا اس کا مسلمانوں کے قبیل سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ دوسروں کا احترام اور اکرام کرتا ہے۔ اگر کوئی فرد انسانوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا رسول اکرم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت سے محروم قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللهُ»

”جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی نہیں کرے گا۔“[3]

انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ساتھ ہی اللہ کی رحمت منسلک ہے اگر کوئی فرد اللہ کے بندوں سے بہترین برتاؤ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی رحمت کا مستحق نہیں بناتا۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث: 2699

(2) الجامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باما جاء فی رحمۃ الصبیان، رقم الحدیث:1919

(3) الجامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی رحمۃ المسلمین، رقم الحدیث: 1922

آپ ﷺ نے فرمایا:

«الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللهُ»[1]

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا، رحم رحمن سے مشتق (نکلا) ہے، جس نے اس کو جوڑا اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) جوڑے گا اور جس نے اس کو توڑا اللہ اس کو اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔"

حسن خلق:

افراد معاشرہ کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور ان کے لیے اپنے ظرف کا مظاہرہ کرنا، اللہ کے رسول ﷺ کو بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی بہت زیادہ ترغیب دیتے تھے اور اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تبسمك فی وجه اخيك لک صدقة»[2]

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے حسن خلق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے اعمال نامہ میں قیامت کے دن اس کے حسن خلق کا وزن سب اعمال سے بھاری ہو گا۔

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي المِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ»[3]

"میزان میں رکھی جانے والی چیزوں میں سے اخلاقِ حسنہ (اچھے اخلاق) سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہے، اور اخلاق حسنہ کا حامل اس کی بدولت روزہ دار اور نمازی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ بذات خود بھی حسن خلق کا پیکر تھے، اور آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے تھے اور لوگوں کے لیے عفو و درگزر کا اعلیٰ درجہ رکھتے تھے، آپ ﷺ کے حسن خلق کے بارے میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي الأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو

---

(1) الجامع الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة المسلمین، رقم الحدیث : 1924

(2) الجامع الترمذی، کتاب ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی صنائع المعروف، رقم الحدیث:1956

(3) الجامع الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، رقم الحدیث : 2003

وَيَصْفَحُ»[1]

"آپ ﷺ فحش گو، بد کلامی کرنے والے اور بازار میں چیخنے والے نہیں تھے، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ عفو و درگزر فرما دیتے تھے۔"

خدمت خلق:

افراد معاشرہ کے لیے آسانی اور تیسیر پیدا کرتے ہوئے آپؐ نے لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں میں ان کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے ان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کی نہ صرف تعلیم دی ہے، بلکہ آپؐ خود بھی لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے، لوگوں کی مشکلات میں سہارا بنتے تھے مصائب اور تنگ دستی میں معاون ہوتے تھے، آپ ﷺ کی انہی خصوصیات کو حضرت خدیجہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے:

«كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ»[2]

"خدا کی قسم آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے اوصاف حسنہ والا انسان یوں بے وقت ذلت و خواری کی موت نہیں پا سکتا۔"

خدمت خلق کو رسول اللہ ﷺ نے نمایاں کرتے ہوئے اس کے کئی ایک طریقے بیان کئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ خدمت خلق صرف مالی تعاون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ کئی ایک صورتوں میں لوگوں کے لیے خدمت سرانجام دی جا سکتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ البَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»[3]

---

(1) الجامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ، رقم الحدیث: 2016

(2) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: 3

(3) الجامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صنائع المعروف، رقم الحدیث: 1956

"اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرانا تمہارے لیے صدقہ ہے، تمہارا بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، بھٹک جانے والی جگہ میں کسی آدمی کو تمہارا راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، نابینا اور کم دیکھنے والے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، پتھر، کانٹا اور ہڈی کو راستے سے ہٹانا تمہارے لیے صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں تمہارا پانی ڈالنا تمہارے لیے صدقہ ہے۔"

شریعت محمدیؐ میں انسان اپنے عمل اور حسن سلوک کے ذریعے سے بھی صدقہ کرتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ» قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: «فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ» قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَيُعِينُ ذَا الحَاجَةِ المَلْهُوفَ» قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَيَأْمُرُ بِالخَيْرِ» أَوْ قَالَ: «بِالْمَعْرُوفِ» قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ»[1]

"ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر کوئی چیز کسی کو (صدقہ کے لیے) میسر نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اگر اس میں اس کی طاقت نہ ہو یا کہا کہ نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر کسی حاجت مند پریشان حال کی مدد کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے۔ فرمایا کہ پھر بھلائی کی طرف لوگوں کو رغبت دلائے یا " امر بالمعروف " کا کہا، عرض کیا اور اگر یہ بھی نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر برائی سے رکا رہے کہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔"

کوئی بھی عمل جس میں انسانوں کے لیے خیر اور بھلائی ہو اسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ انسان کے لیے صدقہ بن جاتا ہے دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

لطافت و نرمی کی تعلیم:

نرمی اور آسانی کا پہلو معاشرے کے افراد کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے جو کام نرمی سے لیا جاتا ہے اس میں شر اور فتنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سختی اور تلخی سے افراد معاشرہ میں نفرت اور عداوت پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے نرمی اور آسانی کو اپنانے کی ترغیب دی ہے۔

آپ ﷺ نے نرمی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»[2]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب کل معروف صدقۃ، رقم الحدیث: 6022

(2) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق، رقم الحدیث: 2594

"نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے۔"

کسی کے ساتھ اچھا اور بہترین برتاؤ کرنا اور خیر خواہی کا جذبہ رکھنا ہی نرمی اور آسانی ہے۔ جو شخص دوسروں کے لیے نرمی ،تیسیر اور آسانی کا پہلو نہیں رکھتا وہ خود خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حُرِمَ الرِّفْقَ، حُرِمَ الْخَيْرَ أَوْ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»[1]

"جو شخص نرم مزاجی سے محروم ہوا وہ بھلائی سے محروم ہوا، یا جو شخص نرم مزاجی سے محروم کر دیا جاتا ہے وہ بھلائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔"

جو شخص دوسروں کے لیے نرمی، آسانی اور سہولت کا پہلو رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے فرد کے لیے جہاں دنیا میں آسانی فرما دیتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ آخرت میں جہنم سے دوری عطا کر دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ، عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ»[2]

"کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ جہنم کی آگ لوگوں کے قریب رہنے والے، آسانی کرنے والے، اور نرم اخلاق والے پر حرام ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ایسے لوگ ہیں جو دوسرے افراد کے لیے نرمی اور شفقت کا پہلو رکھتے ہیں۔ تنگی اور درشتی سے کام نہیں لیتے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ آنِيَةً مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ وَآنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَلْيَنُهَا وَأَرَقُّهَا»[3]

"بلاشبہ اہل زمین میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے بہترین ہیں اور تمہارے پروردگار کے بہترین نیک لوگوں کے دل ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ اسے نرمی اور شفقت والے ہیں۔"

لوگوں کے لیے نرمی اور شفقت کا پہلو نہ رکھنا انسان کے لیے سراسر نقصان اور خسارہ ہے۔ ہر اس فرد کے لیے ناکامی و نامرادی ہے جو معاشرہ میں نرمی اور وسعت قلبی سے کام نہیں لیتا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَابَ عَبْدٌ وَخَسِرَ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ فِي قَلْبِهِ رَحْمَةً لِلْبَشَرِ»[4]

---

(1) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فی فضل الرفق، رقم الحدیث: 2592

(2) الجامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، رقم الحدیث: 2488

(3) الشامی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، مسند الشامیین، رقم الحدیث: 840، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(4) الرازی، محمد بن احمد، ابوالبشر، الکنی والاسماء، رقم الحدیث: 971، دار ابن حزم، بیروت، 1421ھ

"وہ ناکام ونامراد ہوا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے نرمی نہیں رکھی۔"

والدین کی خدمت کو جہاد پر فوقیت:

اسلام میں جہاد ایک انتہائی اہم عمل ہے جس کی اسلامی تعلیمات میں بڑی فضیلت اور مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے لیکن رسول اکرم ﷺ نے والدین کی خدمت کو جہاد کے مساوی قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْ هَذَا الشِّعْبِ، فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي قَدْ أَرَدْتُ الْجِهَادَ مَعَكَ، أَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، قَالَ: «هَلْ مِنْ أَبَوَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ؟» قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، كِلَاهُمَا قَالَ: «فَارْجِعِ ابْرَرْ أَبَوَيْكَ» قَالَ: فَوَلَّى رَاجِعًا مِنْ حَيْثُ جَاءَ[1]

والدین کے حقوق میں آپ ﷺ نے یہ بھی آسانی اور وسعت فرمائی ہے کہ آپ نے مشرک والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کے والدین خواہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں:

قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میری والدہ (قتیلہ بنت عبد العزیٰ) جو مشرکہ تھیں، میرے یہاں آئیں۔ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا، میں نے یہ بھی کہا کہ وہ (مجھ سے ملاقات کی) بہت خواہش مند ہیں، تو کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کر۔"

نکاح میں آسانیاں:

دین اسلام میں پاک دامنی کے لیے نکاح آسان ترین بنایا گیا ہے تا کہ لوگوں کے لیے نکاح میں مشکلات اور تنگیوں کا سامنا نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے معاملہ نکاح کو انتہائی آسان کیا ہے اور اس کو بھی طاقت اور قوت کے ساتھ منسلک کر دیا کہ اگر قوت وطاقت ہو تو نکاح کرو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(1) مسند احمد، (مخرجا)، رقم الحدیث: 6525

(2) الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ، باب الھدیۃ للمشرکین، رقم الحدیث: 2630

«خَيْرُ النِّكَاحِ أَيْسَرُهُ»[1]

”بہترین نکاح وہی ہے جو زیادہ آسانی والا ہو۔“

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَابًا لاَ نَجِدُ شَيْئًا، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»[2]

”ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نوجوان تھے اور ہمیں کوئی چیز میسر نہیں تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا، نوجوانوں کی جماعت! تم میں جسے بھی نکاح کرنے کے لئے مالی طاقت ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا عمل ہے اور جو کوئی نکاح کی بوجہ غربت طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی خواہشات نفسانی کو توڑ دے گا۔“

منگیتر کو دیکھنے کی رخصت:

میاں بیوی کے درمیان محبت و الفت دو خاندانوں کے درمیان محبت و الفت کی وجہ بنتی ہے اور میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کی وجہ سے خاندان کے کئی افراد براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ اس رشتہ کو مضبوط رکھنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی سے پہلے ایک دوسرے دیکھنے میں رخصت دی ہے تاکہ اس معاملہ میں رضامندی اور خواہش کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ امْرَأَةً أَخْطُبُهَا، فَقَالَ: «اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا» ، فَأَتَيْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَخَطَبْتُهَا إِلَى أَبَوَيْهَا، وَأَخْبَرْتُهُمَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَأَنَّهُمَا كَرِهَا ذَلِكَ، قَالَ: فَسَمِعَتْ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ، وَهِيَ فِي خِدْرِهَا، فَقَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَكَ أَنْ تَنْظُرَ، فَانْظُرْ، وَإِلَّا فَأَنْشُدُكَ، كَأَنَّهَا أَعْظَمَتْ ذَلِكَ، قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا، فَذَكَرَ مِنْ مُوَافَقَتِهَا»[3]

”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خاتون کا ذکر کیا کہ میں اس سے نکاح کے لیے پیغام بھیجنے والا

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات، رقم الحدیث: 2117

(2) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب من لم یستطع البارۃ فلیصم، رقم الحدیث: 5066

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجھا، رقم الحدیث، 1866

ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ میں ایک انصاری خاتون کے ہاں گیا اور اس کے والدین سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی سنایا۔ یوں محسوس ہوا کہ اس کے والدین نے اس چیز کو پسند نہیں کیا (کہ یہ مرد اس لڑکی کو دیکھے۔) لڑکی پردے میں تھی، اس نے یہ بات چیت سن لی، چنانچہ اس نے کہا: اگر تجھے اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو دیکھ لے ورنہ میں تجھے قسم دیتی ہوں (کہ جھوٹا بہانہ بنا کر مجھے نہ دیکھنا) اس نے گویا اس بات کو بہت بڑا سمجھا (سنتے ہی اعتبار نہ آیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہو گا) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (میں سچ کہہ رہا تھا، اس لیے) میں نے اسے دیکھ لیا، پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے ہم آہنگی پیدا ہو جانے کا ذکر فرمایا۔"

نکاح میں اختیار اور رضا:

نکاح ایک ایسا بندھن ہے جو اس سوچ کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے کہ یہ رشتہ زندگی بھر برقرار رہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی لیے عورت کی رضا کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس رشتہ میں کوئی دراڑ نہ آئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلاَ تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ»[1]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیوہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ لی جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ مل جائے۔ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! کنواری عورت اذن کیونکر دے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خاموش رہ جائے۔ یہ خاموشی اس کا اذن سمجھی جائے گی۔"

نکاح میں زبردستی کی اجازت نہیں ہے اگر کوئی نکاح زبردستی کر دیا گیا ہو تو ایسے نکاح کو فسخ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خنساء بنت خذام الانصاریہؓ بیان کرتی ہیں:

أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهْيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَرَدَّ نِكَاحَهُ»[2]

"ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا تھا، وہ ثیبہ تھیں، انہیں یہ نکاح منظور نہیں تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا، رقم الحدیث: 5136

(2) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب اذا زوج ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود، رقم الحدیث: 5138

عورت کے لیے اسلام میں یہ آسانی، تیسیر اور سہولت رکھی گئی ہے کہ عورت کی جس مرد کے ساتھ شادی کی جائے اگر وہ اسے ناپسند کرتی ہو تو علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک عورت نے شکایت کی کہ اس کے والد نے اس کی رضا کے بغیر نکاح کیا ہے اور وہ اس شادی کو پسند نہیں کرتی تو رسول اکرم ﷺ نے اس کو اجازت دے دی کہ وہ اس نکاح کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

«أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ يُدْعَى خِذَامًا أَنْكَحَ ابْنَةً لَهُ، فَكَرِهَتْ نِكَاحَ أَبِيهَا، فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ لَهُ، فَرَدَّ عَلَيْهَا نِكَاحَ أَبِيهَا»[1]

"ان میں سے ایک شخص حضرت خذام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس نے اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو پسند نہ کیا، چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے اس کے والد کا کیا ہوا نکاح کالعدم قرار دے دیا۔"

حق مہر میں آسانی:

اس مرد پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حق مہر کی ادائیگی کرے۔ آپ ﷺ نے اس میں بھی آسانی فرمادی تا کہ یہ لوگوں کے لیے تنگی اور مشکل کا باعث نہ بنے۔ رسالت عہد میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم حق مہر کی مثالیں ملتی ہیں اور اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سورتیں سیکھانے کے عوض میں بھی نکاح کر دیا تھا۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ المَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، فَقَالَ: «وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟» قَالَ: لاَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا» ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ» ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لاَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلاَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي - قَالَ سَهْلٌ: مَا لَهُ رِدَاءٌ - فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ» ، فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا، فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: «مَاذَا مَعَكَ مِنَ

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ، رقم الحدیث: 1873

الْقُرْآنِ» . قَالَ: مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا، فَقَالَ: «تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ»[1]

"ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے آئی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر نیچی کر لی اور سر کو جھکا لیا۔ جب خاتون نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو ان کا نکاح مجھ سے کرا دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور دیکھو شاید کوئی چیز مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آکر عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! میں نے کوئی چیز نہیں پائی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور دیکھ لو، اگر ایک لوہے کی انگوٹھی بھی مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آکر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی، البتہ یہ میرا تہمد ہے۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے پاس چادر بھی نہیں تھی (ان صحابی نے کہا کہ) ان خاتون کو اس تہمد میں سے آدھا عنایت فرما دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے تہمد کا کیا کرے گی اگر تم اسے پہنو گے تو اس کے لئے اس میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس کے بعد وہ صاحب بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے پھر کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس جاتے ہوئے دیکھا اور انہیں بلانے کے لئے فرمایا، انہیں بلایا گیا۔ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا تمہارے پاس قرآن مجید کتنا ہے۔ انہوں نے عرض کیا فلاں فلاں سورتیں۔ انہوں نے ان سورتوں کو گنایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھ لیتے ہو۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا جاؤ میں نے اس خاتون کو تمہارے نکاح میں اس قرآن کی وجہ سے دیا جو تمہارے پاس ہے۔ ان سورتوں کو یاد کرا دو۔"

دعوت ولیمہ میں استطاعت کا لحاظ:

دین اسلام میں دعوت ولیمہ کو پسند کیا گیا ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ دعوت ولیمہ میں کتنے افراد ہوں یا اس میں کتنا خرچ کیا جائے دعوت ولیمہ کو مالی حیثیت کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے تا کہ اس میں آسانی و سہولت موجود رہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو رسول اکرم ﷺ نے ان کو فرمایا:

«او لم ولو بشاة»[2]

"دعوت ولیمہ کر خواہ ایک بکری ہی کی ہو۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب تزویج المعسر، رقم الحدیث: 5087

(2) الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الولیمة ولو بشاة، رقم الحدیث: 5167

احادیث میں دعوت ولیمہ میں مزید آسانیاں اور سہولتیں ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت مہنگا کھانا کھلانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ یہ مالی استطاعت کے ساتھ خاص ہے اگر انسان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے مزید وسعت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت صفیہ بنت شیبہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ»

"نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ دو مد (تقریباً پونے دو سیر) جو سے کیا تھا۔"

بیوی کی اصلاح کے لیے نرمی اور آسانی:

میاں بیوی کے باہمی تعلق اور کوشش سے ہی گھر آباد ہوتا ہے دونوں جب تک ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے اس وقت تک گھر کا نظام چلنا مشکل ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک فرامین میں بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دلائی ہے اور اس کے ساتھ نرمی، آسانی اور تیسیر کا معاملہ رواں رکھنے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ نے بیوی کے ساتھ نرمی اور آسانی کرنے کا یوں حکم دیا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»[1]

"جب تو کھائے تو اسے کھلائے، جب تو پہنے تو اسے پہنائے۔" یا یوں کہا: "جب کما کر لائے (تو اسے پہنائے) اور چہرے پر نہ مار، برا نہ بول اور اس سے جدا نہ ہو مگر گھر میں۔"

کمال خلق کی علامت یہ ہے کہ خاوند اپنی زوجہ کے ساتھ نرمی اور لطافت کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا، أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُهُمْ خِيَارُهُمْ لِنِسَائِهِمْ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا ان میں سے اخلاق اچھا ہو اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہو"

رسول اکرم ﷺ نے کئی ایک مقامات پر زوجہ کے ساتھ بہترین اور نرمی والا سلوک کرنے کی ہدایات دی ہیں اس کی کمی و کوتاہی کو معاف کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، رقم الحدیث: 2142

(2) مسند احمد (مخرجاً)، رقم الحدیث: 7402

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ»[1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا، کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھی کرنے کی کوشش کرے تو انجام کار توڑ کے رہے گا اور اگر اسے وہ یونہی چھوڑ دے گا تو پھر ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہ جائے گی۔ پس عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''

شیخ ملا علی قاری اس حدیث کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"قَالَ النَّوَوِيُّ: فِيهِ الْحَثُّ عَلَى الرِّفْقِ بِالنِّسَاءِ وَالْإِحْسَانِ إِلَيْهِنَّ وَالصَّبْرِ عَلَى عِوَجِ أَخْلَاقِهِنَّ وَاحْتِمَالِ ضَعْفِ عُقُولِهِنَّ وَكَرَاهَةِ طَلَاقِهِنَّ بِلَا سَبَبٍ، وَأَنَّهُ لَا مَطْمَعَ فِي اسْتِقَامَتِهِنَّ "[2]

''امام نووی نے فرمایا اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ نرمی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، ان کے برے اخلاق پر صبر اور ان کی کم عقلی پر برداشت کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ بلاوجہ ان کو طلاق دینے کو ناپسند کیا گیا ہے اور یہ کہ ان کو سیدھا کرنے کا طمع نہ کیا جائے۔''

طلاق میں آسانی اور تیسیر کے امور:

طلاق دو خاندانوں کے درمیان دراڑ پیدا کرتی ہے اس سے رنجشیں اور عداوتیں جنم لیتی ہیں اس لیے اسلام نے معاملہ طلاق میں میاں بیوی کے لیے ایسے اصول و قواعد دیئے ہیں جن میں تنگی و حرج کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«ثلاث لیس فیهن لعب النکاح والطلاق والعتق »[3]

اس کے ساتھ ساتھ جیسے اسلام نے مذاق میں طلاق دینے کی ممانعت فرمائی ہے اسی طرح اگر کوئی طلاق دینے پر مجبور کر دیا جائے تو ایسی طلاق اسلام میں جائز نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَلَاقَ، وَلَا عَتَاقَ فِي غِلَاقٍ»[4]

''اغلاق (مجبوری) میں طلاق نہیں اور نہ غلام کو آزاد کرنا ہے۔''

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم صلوات اللہ علیہ وذریتہ، رقم الحدیث: 3331

(2) مرقاۃ المصابیح شرح مشکاۃ المصابیح، 5/2117

(3) مؤطا امام مالک، کتاب النکاح ب، باب جامع النکاح، رقم الحدیث: 56

(4) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی غلط، رقم الحدیث: 2193

بچوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کی تعلیمات:

بچوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کو خصوصی محبت وشفقت کی ضرورت ہوتی ہے، بے جا سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور تلخی سے ان کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ معاشرہ میں مفید ثابت نہیں ہوتے۔ بچوں کو معاشرہ کا بہترین فرد بنانے کے لیے ان میں اعتماد پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے بچوں کے ساتھ نرمی، آسانی اور وسعت قلبی کی تلقین فرمائی ہے آپؐ خود بھی بچوں کے ساتھ نرمی، آسانی اور تیسیر کا معاملہ فرماتے تھے۔ بچوں کے بارے میں آپ ﷺ کے طرز عمل کو حضرت انسؓ نے یوں بیان فرمایا ہے:

«خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، لَيْسَ كُلُّ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي يَكُونُ، مَا قَالَ لِي أُفٍّ، وَلَا قَالَ لِي لِمَ فَعَلْتَ هَذَا»(1)

"میں نے نبی ﷺ کی دس سال خدمت کی میرا کوئی کام اس طرح نہیں ہوتا تھا جیسے میرا ساتھی چاہتا تھا لیکن انہوں نے میرے لیے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا تم نے یہ کیوں کیا۔"

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ انتہائی نرم اور لطافت کا رویہ رکھتے تھے، آپؐ بچوں پر ہمیشہ شفقت اور عفو ودرگزر فرماتے تھے۔

حضرت ام خالد بنت خالد بن سعیدؓ بیان کرتی ہیں:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَنَهْ سَنَهْ» قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَهِيَ بِالحَبَشِيَّةِ: حَسَنَةٌ، قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِي أَبِي، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعْهَا» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي»(2)

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئی۔ میں ایک زرد قمیص پہنے ہوئے تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ " سنہ سنہ " عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ یہ حبشی زبان میں "اچھا" کے معنی میں ہے۔ ام خالد نے بیان کیا کہ پھر میں آنحضرت ﷺ کی خاتم نبوت سے کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے ڈانٹا لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھیلنے دو پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم ایک زمانہ تک زندہ رہو گی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر خوب طویل کرے، تمہاری زندگی دراز ہو۔"

یتیموں کے ساتھ آسانی کا حکم:

یتیم بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کے ساتھ معاملات کرنے چاہیے۔ آپ ﷺ نے یتیموں کے ساتھ رحم دلی اور

---

(1) ابن مبارک، عبد اللہ، ابو عبد الرحمٰن، الزھد والرقائق لابن المبارک، باب فی طلب الحلال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، رقم الحدیث: 616

(2) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من ترک صبیۃ، رقم الحدیث: 5993

آسانی کی تاکید فرمائی ہے کہ ان کے ساتھ نرمی والا معاملہ کیا جائے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ، لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلَّهِ، كَانَتْ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ يَدُهُ حَسَنَاتٌ ۚ وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمِهِ، أَوْ يَتِيمِ غَيْرِهِ، كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ»[1]

"جو شخص یتیم کے سر پر اللہ کی رضا کے لیے شفقت بھرا ہاتھ رکھے اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بھی بال آئیں گے ہر بال کے بدلے خداوند کریم نیکیوں سے نوازے گا۔ اور جو شخص یتیم کے ساتھ احسان اور نیکی کرتا ہے یا یتیم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ بھی، میں اور وہ شخص قیامت والے دن اس طرح ہوں جس طرح دو انگلیاں اکٹھی ہیں۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو دل نرم ہو جائے گا۔

أَنَّ رَجُلًا، شَكَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهِ ، فَقَالَ لَهُ: «إِنْ أَرَدْتَ أَنْ يَلِينَ قَلْبُكَ، فَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ، وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ»[2]

"ایک آدمی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کی شکایت کی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنے دل کو نرم کرنا چاہتے ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا کرو۔"

اخلاقی تربیت و اصلاح میں نرمی اور تیسیر:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طبقہ انسانی کے ساتھ نرمی، عفو و درگزر کی تعلیمات دی ہیں۔ لوگوں کی اصلاح اور ان کی تربیت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی نرمی، خیر خواہی اور تحمل سے کام لیا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو آپ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ آسانی اور تیسیر کا معاملہ فرماتے تھے ان کے ساتھ سختی اور تلخی سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی نے اپنی خواہش زنا کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی اور تلخی کے ساتھ بات کرنے کی بجائے انتہائی مدبرانہ انداز میں اس کی تربیت فرمائی۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ وَقَالُوا: مَهْ. مَهْ. فَقَالَ: «ادْنُهْ، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا» . قَالَ: فَجَلَسَ قَالَ: «أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ

---

(1) الزھد والرقائق لابن مبارک، باب ماجاء فی الاحسان الی الیتیم، رقم الحدیث: 655

(2) مسند احمد (مخرجاً)، رقم الحدیث: 7576

جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ» . قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ» فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ»[1]

> ”ایک نوجوان نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! (ﷺ) مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی (ﷺ) نے سے فرمایا میرے قریب آجاؤ، وہ نبی (ﷺ) کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی (ﷺ) نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں نبی (ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی (ﷺ) نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعاء کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔“

اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کی اصلاح و تربیت کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بڑے اجر کی خوشخبریاں دی تا کہ لوگ چھوٹے عمل کو ہلکا جان کر نہ چھوڑدیں۔

معاشی مسائل میں تیسیر:

اسلامی نظام معیشت میں آسانی اور تیسیر کو مد نظر رکھا گیا ہے ۔ لوگوں کی ضروریات کے ساتھ ان کی مجبوریوں اور

---

[1] مسند احمد (مخرجاً)، رقم الحدیث: 22211

مشکلات کا بھی لحاظ موجود ہے۔ تنگ دست اور افلاس میں زندگی بسر کرنے والوں کے لیے اس نظام میں کئی رخصتیں، رعائتیں اور گنجائشیں موجود ہیں۔

حدود و قوانین کے نفاذ میں معاشی استطاعت کا لحاظ:

رسول اکرم ﷺ لوگوں پر حدود و قوانین کے نفاذ میں بھی ان کے معاشی حالات کو مد نظر رکھتے تھے۔ اگر کوئی آدمی مفلس اور غریب ہوتا تو آپ ﷺ اس کے لیے آسانی اور سہولت کے پہلو کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَلَكْتُ، فَقَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» ، قَالَ: وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «تَجِدُ رَقَبَةً؟» ، قَالَ: لاَ، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟» ، قَالَ: لاَ، قَالَ: «فَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لاَ، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ بِعَرَقٍ، وَالعَرَقُ المِكْتَلُ فِيهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: «اذْهَبْ بِهَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ» ، قَالَ: عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، قَالَ: «اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ»[1]

"ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، کیا بات ہوئی؟ عرض کیا کہ رمضان میں میں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، تمہارے پاس کوئی غلام ہے؟ کہا کہ نہیں۔ پھر دریافت فرمایا، کیا دو مہینے پے در پے روزے رکھ سکتے ہو؟ کہا کہ نہیں۔ پھر دریافت فرمایا، کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ اس پر بھی جواب تھا کہ نہیں۔ بیان کیا کہ اتنے میں ایک انصاری عرق لائے۔ (عرق کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک ٹوکرا ہوتا تھا جس میں کھجور رکھی جاتی تھی) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اسے لے جا اور صدقہ کر دے انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا اپنے سے زیادہ ضرورت مند پر صدقہ کر دوں؟ اور اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ سارے مدینے میں ہم سے زیادہ محتاج اور کوئی گھرانہ نہیں ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر جا، اپنے ہی گھر والوں کو کھلا دے۔"

ایک اور واقعہ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں پیش آیا کہ ایک صحابی نے بھوک کی شدت کی وجہ سے باغ سے پھل وغیرہ توڑ لیے تو آپؐ نے اس پر شرعی قوانین کے نفاذ میں اس کی مفلسی اور غربت کو مد نظر رکھا۔ باغ کے مالک نے حد کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے اس کی مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر مالک سے کہا کہ اس کو کھانے کے لیے دے دو۔

حضرت عباد بن شرجیلؓ بیان کرتے ہیں:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، باب اذا وھب ھبۃ فقبضہ منھا الآخر ولم یقل قبلت، رقم الحدیث: 2600

أَصَابَتْنِي سَنَةٌ فَدَخَلْتُ حَائِطًا مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ فَفَرَكْتُ سُنْبُلًا فَأَكَلْتُ، وَحَمَلْتُ فِي ثَوْبِي، فَجَاءَ صَاحِبُهُ فَضَرَبَنِي وَأَخَذَ ثَوْبِي، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ: «مَا عَلَّمْتَ إِذْ كَانَ جَاهِلًا، وَلَا أَطْعَمْتَ إِذْ كَانَ جَائِعًا» - أَوْ قَالَ: «سَاغِبًا» - وَأَمَرَهُ فَرَدَّ عَلَيَّ ثَوْبِي وَأَعْطَانِي وَسْقًا أَوْ نِصْفَ وَسْقٍ مِنْ طَعَامٍ [1]

"مجھے قحط (اور بھوک) نے ستایا' تو میں مدینہ کے ایک باغ میں چلا گیا اور وہاں سے میں نے ایک بالی لی' اسے مسلا اور کھا لیا اور کچھ اپنے کپڑے میں بھی باندھ لے چلا' پس باغ کا مالک آ گیا تو اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا بھی چھین لیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ گیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا "تو نے اسے سمجھایا نہیں جبکہ یہ نادان تھا اور نہ تو نے اس کو کھلایا جبکہ یہ بھوکا تھا۔" (لفظ «جائعا» بولا یا «ساغبا» معنی ایک ہی ہے) پھر آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا' تو اس نے میرا کپڑا واپس کر دیا اور مجھے ایک وسق یا آدھا وسق طعام بھی دیا۔"

جن اشیاء کی حلت و حرمت اسلام میں نہیں ان کو استعمال کرنے میں رخصت:

اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کی حلت و حرمت بیان نہیں کی ان کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی اشیاء خواہ ان کا تعلق معاملات سے ہو یا کھانے پینے کی چیزوں سے ہو ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ، وَالْجُبْنِ، وَالْفِرَاءِ قَالَ: «الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ، فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ»[2]

"رسول اللہ ﷺ سے گھی' پنیر اور پوستین کے بارے میں سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: حلال وہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ اور جس کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے' وہ ان چیزوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں اللہ نے معافی دے دی ہے۔"

شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"أَيْ عَنِ اسْتِعْمَالِهِ وَأَبَاحَ فِي أَكْلِهِ وَفِيهِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ ما في الأرض جميعا تَنْبِيهٌ اعْلَمْ أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَدِ اسْتَدَلَّ عَلَى إِبَاحَةِ أَكْلِ التُّنْبَاكِ وَشُرْبِ دُخَانِهِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا في الأرض جميعا وَبِالْأَحَادِيثِ الَّتِي تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ. قَالَ الْقَاضِي الشَّوْكَانِيُّ فِي إِرْشَادِ السائل إلى دلائل المسائل بعد

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی ابن السبیل یاکل من التجر، ویشرب من اللبن إذا مر بہ، رقم الحدیث: 2620

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب أكل الجبن والسمن، رقم الحدیث: 3367

ما أَثْبَتَ أَنَّ كُلَّ مَا فِي الْأَرْضِ حَلَالٌ إِلَّا بِدَلِيلٍ مَا لَفْظُهُ إِذَا تَقَرَّرَ هَذَا عَلِمْتَ أَنَّ هَذِهِ الشَّجَرَةَ الَّتِي سَمَّاهَا بَعْضُ النَّاسِ التُّنْبَاكَ وَبَعْضُهُمُ التُّوتُونَ لَمْ يَأْتِ فِيهَا دَلِيلٌ يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهَا وَلَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ الْمُسْكِرَاتِ وَلَا مِنَ السُّمُومِ وَلَا مِنْ جِنْسٍ مَا يَضُرُّ آجِلًا أَوْ عَاجِلًا فَمَنْ زَعَمَ أَنَّهَا حَرَامٌ فَعَلَيْهِ الدَّلِيلُ وَلَا يُفِيدُ مُجَرَّدُ الْقَالِ وَالْقِيلِ انْتَهَى قُلْتُ لَا شَكَّ فِي أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ لَكِنْ بِشَرْطِ عَدَمِ الْإِضْرَارِ وَأَمَّا مَا إِذَا كَانَتْ مُضِرَّةً فِي الْآجِلِ أَوِ الْعَاجِلِ فَكَلَّا ثُمَّ كَلَّا "[1]

"اس سے مراد ہے کہ ان کے استعمال کرنے اور ان کو کھانے میں اباحت ہے، اور اس بارے میں چیزوں میں اصل اباحت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کو تقویت دیتا ہے "وہ ذات جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔" تنبیہ! یہ بات جان لو کہ بعض اہل علم نے تمباکو کھانے اور اس کا دھواں پینے کی اباحت کا اس آیت سے استدلال کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وہ ذات جس نے زمین کی تمام اشیاء تمہارے لیے پیدا کیں ہیں" اور ان احادیث سے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ "چیزوں میں اصل چیز مباح ہونا ہے۔" قاضی الشوکانی نے "فی ارشاد السائل الی دلائل المسائل" کے اختتام پر کہا ہے جو چیز ثابت ہوتی ہے کہ زمین کی ہر چیز حلال ہے الا کہ کوئی دلیل آجائے، ان کے الفاظ ہیں جن کو یہاں دوہرا جاتا ہے۔ جان لو کہ یہ جو درخت ہے جس کو بعض لوگوں نے تمباکو اور بعض نے توتون کا نام دیا ہے اس کے بارے میں کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کی تحریم پر دلالت کرے۔ یہ نشہ آور چیزوں میں سے بھی نہیں ہے، نہ ہی زہریلی اشیاء میں سے ہے اور نہ ہی ایسی اشیاء میں سے ہے جو انسان کو موت کی طرف دھکیل دیں۔ جس شخص نے اس کو حرام کہا ہے اس پر لازم ہے کہ کوئی دلیل پیش کرے۔ اس مسئلہ میں قیل و قال کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

اشیاء کی حلت و حرمت کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے یہ اصول اور قاعدہ بیان کیا ہے کہ جن اشیاء کے بارے میں حرمت و حلت بیان نہیں ہوئی ان کے بارے میں استفسار کرنا بھی منع ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ، وَحَدَّ لَكُمْ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا ، وَنَهَاكُمْ عَنْ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا ، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَكَلَّفُوهَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكُمْ فَاقْبَلُوهَا»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تم پر جو فرائض فرض کیے ہیں ان کو ضائع مت کرو، جو حدود نافذ کیں ہیں ان میں زیادتی نہ کرو، جن اشیاء سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرو، جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

---

(1) تحفۃ الاحوذی، 1/324-325

(2) سنن دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا، باب الصید والذبائح والاطعمۃ وغیر ذلک، رقم الحدیث: 4814

خاموشی اختیار کی، وہ ان کو بھولا نہیں ہے ان کے بارے میں تکلف نہ کرو، یہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے اس کو قبول کرو۔"

یہ حدیث مبارکہ بھی رسول اکرم ﷺ کی صفت تیسیر اور نرمی پر دلالت کرتی ہے، آپ ﷺ نے اس حدیث میں دراصل اسلام کی آسانی اور وسعت ہی کا پیغام دیا ہے۔

تجارت میں باہمی رضامندی:

اسلام میں اشیاء کی قیمتیں مقرر نہیں کی گئی خرید و فروخت کرنے والے افراد کو یہ سہولت، آسانی اور تیسیر دی گئی ہے کہ وہ باہمی رضامندی سے اشیاء کی قیمت طے کرلیں اور جب ایک قیمت پر راضی ہو جائیں تو وہ خرید و فروخت کرلیں۔

رسول اکرم ﷺ نے بازار میں اشیاء کے نرخ مقرر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس میں مشتری اور بائع دونوں کے لیے آسانی اور سہولت ہے کہ خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ کوئی ایسے نرخ طے کرلیں کہ کسی کو بھی نقصان نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

النَّاسُ يَا رَسُولَ اللهِ، غَلَا السِّعْرُ فَسَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يُطَالِبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ»[1]

"لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! نرخ بہت بڑھ گئے ہیں، لہٰذا آپ نرخ مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " بلاشبہ اللہ عزوجل ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، وہی تنگی کرنے والا، وسعت دینے والا، روزی رساں ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں گا کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ پر کسی خون یا مال کے معاملے میں کوئی مطالبہ نہ رکھتا ہو گا۔"

منڈی اور مارکیٹ میں اگر اشیا کی قیمت مقرر کر دی جائے تو اس میں لوگوں کو خرید و فروخت میں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا کیونکہ اشیاء کی کئی اقسام ہوتی ہیں ان کی خوبیاں اور اوصاف بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کے نرخ مقرر کرنے کی بجائے لوگوں کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔

امام الطیبی فرماتے ہیں:

" فَمَنْ حَاوَلَ التَّسْعِيرَ فَقَدْ عَارَضَ اللهَ وَنَازَعَهُ فِيمَا يُرِيدُهُ وَيَمْنَعُ الْعِبَادَ حُقُوقَهَمْ مِمَّا أَوْلَاهُمُ اللهُ تَعَالَى فِي الْغَلَاءِ وَالرُّخْصِ وَإِلَى الْمَعْنَى الْأَخِيرِ أَشَارَ بِقَوْلِهِ: (وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي) .... قَالَ الْقَاضِي: " قَوْلُهُ: إِنِّي لَأَرْجُو إِلَخْ ; إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمَانِعَ لَهُ مِنَ التَّسْعِيرِ مَخَافَةُ أَنْ يَظْلِمَهُمْ فِي أَمْوَالِهِمْ فَإِنَّ التَّسْعِيرَ تَصَرُّفٌ فِيهَا بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَيَكُونُ ظُلْمًا، وَمِنْ مَفَاسِدِ التَّسْعِيرِ تَحْرِيكُ الرَّغَبَاتِ وَالْحَمْلُ عَلَى

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی التسعیر، رقم الحدیث: 3451

الِامْتِنَاعِ عَنِ الْبَيْعِ وَكَثِيرًا مَا يُؤَدِّي إِلَى الْقَحْطِ "[1]

"پس جس نے نرخ میں تصرف کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معارضہ اور جھگڑا کیا اس چیز میں جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے اور وہ بندوں کے حقوق کو منع کرتا ہے۔ ان حقوق میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذمہ دار بنایا ہے گرانی اور ارزانی کا، اور اس آخری معنیٰ کی طرف آپ ﷺ نے اگلے جملہ میں اشارہ فرمایا..... قاضی عیاض فرماتے ہیں حدیث کے الفاظ "وانی لا ارجو..." اس میں اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کو نرخ مقرر کرنے سے منع کرنے والی بات، لوگوں کے امور میں ظلم کا خوف ہے۔ اس لیے کہ نرخ مقرر کرنا یہ مال میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف ہے۔ پس یہ ظلم ہو جائے گا۔ اور نرخ مقرر کرنے کا ایک مفسدہ یہ ہے کہ یہ رغبتوں میں تیزی پیدا کرتا ہے اور بیع سے رکنے پر ابھارتا ہے اور پھر یہ بسا اوقات قحط کی طرف لے جاتا ہے۔"

خرید و فروخت کے معاہدہ میں رخصت:

دو افراد کے درمیان جب معاہدہ بیع ہو جاتا ہے تو اس کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے تاہم رسول اکرم ﷺ نے اس میں رخصت یہ دی ہے کہ جس مجلس میں یہ معاہدہ یا معاملہ ہو رہا ہو اگر دونوں فریق خریدنے اور بیچنے والا جدا نہیں ہوئے تو وہ اس معاہدہ اور اس کی شرطوں کو ختم کر سکتے ہیں خریدی یا بیچی ہوئی چیز واپس کر سکتے ہیں اور لے سکتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَفْتَرِقَا، إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خریدنے اور بیچنے والوں میں دونوں کو اختیار حاصل ہوتا ہے (کہ وہ اپنے سودے کو منسوخ کر دیں) جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں۔ سوائے اس کے کہ سودا ہی اختیار کا ہو۔ (یعنی جدا ہونے کے بعد کی جتنی زیادہ یا کم مدت وہ آپس میں طے کر لیں اختیار قائم رہے گا)"

بیع وہی ہوتی ہے جس میں کسی شخص کو کوئی چیز بیچنے یا خریدنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بائع اور مشتری کا راضی ہونا ضروری ہے جب تک وہ راضی نہیں ہو جاتے کسی بھی فرد کو اجازت نہیں ہے کہ ان کو مجبور کرے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ»[3]

---

(1) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 5/1951

(2) سنن ابی داؤد، ابواب الاجارۃ، باب فی الخیار المستبایعین، رقم الحدیث: 3454

(3) سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب بیع الخیار، رقم الحدیث: 2185

"رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: بیع باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔"

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ جب مشتری اور بائع ایک ہی مجلس میں موجود ہوں اور دونوں جدا نہ ہوئے ہوں تو ان کو بیع فسخ کرنے کا پورا اختیار ہے دوسری بات یہ ہے کہ بیع میں دونوں کا راضی ہونا ضروری ہے، دونوں راضی ہوں گے تو خرید و فروخت جائز ہو گی۔

مزدور کے لیے آسانی:

معاشرہ میں ایک بہت بڑا طبقہ لوگوں کے ہاں محنت مزدوری کرتا ہے۔ اور اس محنت و مزدوری سے اپنے اہل خانہ کے لیے ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے، رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مزدوروں کے لیے آسانی، نرمی اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ»[1]

"رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مزدور ہو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو۔"

آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نہ صرف مزدوروں کو بارے میں یہ حکم دیا بلکہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے ان پر کسی قسم کی زیادتی کی سخت ممانعت فرمائی کہ جو ان کے ساتھ زیادتی یا ظلم کا معاملہ کرے گا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن مزدوروں کے لیے جھگڑا کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»[2]

"نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور کیا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔"

آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ کسی بھی فرد کو مزدوری پر رکھنے سے پہلے اس کے ساتھ مزدوری طے کر لی جائے تاکہ اس کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

حضرت ابو سعید الخذری رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں:

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب اجر الاجراء، رقم الحدیث: 2443

(2) الجامع الصحیح، کتاب الاجارۃ، باب اثم من منع اجر الاخیر، رقم الحدیث:2270

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ اسْتِئْجَارِ الْأَجِيرِ حَتَّى يُبَيَّنَ لَهُ أَجْرُهُ» [1]

"نبی کریم ﷺ نے مزدور کو مزدوری پر رکھنے سے منع کیا ہے جب تک اس کی مزدوری واضح نہ کر دی جائے۔"

کسی فرد کو مزدوری پر رکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ وقت، کام کی نوعیت اور مزدوری متعین کر لی جائے۔

غیر مسلموں سے معاشی معاملات میں تیسیر:

اسلام میں اقتصادی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی کہ کاروبار اور خرید و فروخت کرتے ہوئے یہ لحاظ رکھا جائے آیا وہ شخص جس کے ساتھ معاہدہ بیع ہو رہا ہے وہ مسلم بھی ہے کہ نہیں ہے۔

دین اسلام میں یہ اجازت ہے کہ غیر مسلم افراد کے ساتھ کاروبار کیا جا سکتا ہے آپس میں خرید و فروخت، ایک دوسرے کے ہاں ملازمت اور محنت و مزدوری کی جا سکتی ہے۔ کاروبار محنت و مزدوری میں مذاہب کی تفریق رکاوٹ نہیں ہے۔

عہد نبویؐ میں غیر مسلموں کو مدینہ میں کاروبار کرنے اور کسب معاش کی مکمل آزادی تھی اور مذہب کی بنیاد پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

رسول اکرم ﷺ خود بھی غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار اور خرید و فروخت فرماتے تھے ان سے اشیاء اور مصنوعات وغیرہ خریدنے کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟ - أَوْ قَالَ: - أَمْ هِبَةً "، قَالَ: لاَ، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً» [2]

"ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی لمبے قد والا مشرک بکریاں ہانکتا ہوا آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ یہ بیچنے کے لیے ہیں یا عطیہ ہیں؟ یا آپ نے یہ فرمایا کہ (یہ بیچنے کے لیے ہیں) یا ہبہ کرنے کے لیے؟ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ بیچنے کے لیے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔"

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ اناج وغیرہ غیر مسلموں سے خرید لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ» [3]

"نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک مدت مقرر کر کے ادھا خریدا اور اپنی لوہے کی ایک زرہ اس

---

(1) مسند احمد (الرسالہ)، رقم الحدیث: 11565

(2) الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب، رقم الحدیث: 2216

(3) الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب، رقم الحدیث:2068

کے پاس گروی رکھی۔"

غیر مسلم افراد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ ہمدردی اور رحم دلی کا جذبہ رکھتے تھے دنیوی مشکلات میں ان کے کام آتے، ان کا سہارا بنتے، حالات کی تنگی میں ان کے کام آتے اور ان کو صدقہ وغیرہ دیتے تاکہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «تَصَدَّقَ صَدَقَةً عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَهِيَ تُجْرَى عَلَيْهِمْ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے کچھ گھرانوں پر صدقہ کیا جو آپؐ کے بعد بھی ان کے لیے جاری رہا۔"

غزوہ خیبر کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ان کے معاشی حالات کو دیکھ کر ان کے ساتھ ہمدردی اور رحم دلی فرماتے ہوئے ان کے ساتھ نصف آمدنی پر معاشی معاہدہ کیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَعْطَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ اليَهُودَ: أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا»[2]

"نبی اکرم ﷺ خیبر کی زمین یہودیوں کو اس شرط پر دی کہ وہ ان میں کام کریں اور بونے کے بعد اس زمین سے جو نکلے گا اس میں ان کو آدھا حصہ ملے گا۔"

غیر مسلموں کا کاروبار جو حرام کے زمرے میں نہ آتا ہو اور اس کی وجہ سے سماج میں کوئی نقصان اور بگاڑ کا بھی خطرہ نہ ہو تو ان کے ساتھ کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صدقات سے غریبوں کی مدد:

اسلام میں مفلس، غریب اور نادار لوگوں کی خدمت اور ان کی مالی امداد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ وہ افراد جو غریب اور مستحق افراد کی خدمت اور ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں انعام و اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے خود بھی غرباء و مساکین کا بہت خیال فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے اس بات پر مسلمانوں کو بھی بہت زور دیا کہ وہ نادار لوگوں کے ساتھ تعاون کیا کریں۔

حضرت سالم اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3]

---

(1) البغدادی، القاسم بن سلام، ابوعبید، کتاب الاموال، کتاب الصدقہ واحکامھا وسنتھا، رقم الحدیث: 1993، دار الفکر، بیروت

(2) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب معاملۃ النبی ﷺ اہل خیبر، رقم الحدیث: 4248

(3) سنن ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، رقم الحدیث: 1426

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے، اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو اللہ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے، جو اپنے کسی مسلمان کی پریشانی دور کرتا ہے اللہ اس کی وجہ سے اس سے قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کرے گا، اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا۔“

اسلام میں غریب اور کمزور افراد کی مدد کے لیے مالداروں پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ امراء سے غرباء کی طرف مال و دولت گردش کرے تا کہ معاشرہ کے پسے ہوئے افراد بھی اپنی ضروریات کو پورا کر۔ اسلام میں غریب اور کمزور افراد کے ساتھ مزید ہمدردی اور تعاون کے لیے صدقہ کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ صرف زکوٰۃ دینا ہی کافی سمجھ لیں اور غریب افراد کی ضروریات کا خیال نہ رکھیں۔

رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے علاوہ غریب اور کمزور افراد کے ساتھ تعاون کو یوں بیان فرمایا:

«إِنَّ فِي المَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ»[1]

”مال میں زکاۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔“

شیخ زین الدین عبد الرحیم لکھتے ہیں:

"وَقَالَ ابْنُ بَطَّالٍ إِنْفَاقُ الْمَالِ فِي حَقِّهِ ثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ.

(الْأَوَّلُ) أَنْ يُنْفِقَ عَلَى نَفْسِهِ وَأَهْلِهِ وَمَنْ تَلْزَمُهُ النَّفَقَةُ عَلَيْهِ غَيْرَ مُقَتِّرٍ عَمَّا يَجِبُ لَهُمْ وَلَا مُسْرِفٍ فِي ذَلِكَ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا} [الفرقان: 67] وَهَذِهِ النَّفَقَةُ أَفْضَلُ مِنْ الصَّدَقَةِ وَمِنْ جَمِيعِ النَّفَقَاتِ (وَالْقِسْمُ الثَّانِي) أَدَاءُ الزَّكَاةِ وَإِخْرَاجُ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى لِمَنْ وَجَبَ لَهُ (وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ) صِلَةُ الْأَهْلِ الْبُعَدَاءِ وَمُوَاسَاةُ الصِّدِّيقِ وَإِطْعَامُ الْجَائِعِ وَصَدَقَةُ التَّطَوُّعِ كُلُّهَا؛ فَهَذِهِ نَفَقَةٌ مَنْدُوبٌ إِلَيْهَا مَأْجُورٌ عَلَيْهَا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ»"[2]

”شیخ ابن بطال فرماتے ہیں کہ مال کو اس کے حق میں خرچ کرنے کی تین اقسام ہیں (پہلی قسم) اس کو اپنی ذات اور اہل و عیال پر خرچ کیا جائے، اور جو شخص اس کا التزام کرے کہ اس کو خرچ کرتے ہوئے ان کی ضرورت میں کنجوسی اور اسراف سے کام نہ لے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں نہ کنجوسی کرتے ہیں اور نہ فضول خرچی کرتے ہیں، بلکہ وہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں“ یہ خرچ کرنا، خرچ کرنے کے تمام اقسام سے افضل صدقہ ہے۔ (دوسری قسم) زکوٰۃ ادا کرنا اور ہر اس کے لیے اللہ کا حق نکالنا جس کے لیے اس نے واجب

---

(1) سنن ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء ان فی المال حقاً سوی الزکاۃ، رقم الحدیث: 660

(2) طرح التثریب فی شرح التقریب، 3/74

کیا ہے۔(تیسری قسم) بھوکو کھانا کھلانا اور نفلی صدقہ کرنے کی تمام صورتیں، یہ مستحب ہے اور اس پر خرچ کرنے والے کو اجر دیا جائے گا اس کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے "اور یتیم کے لیے کوشش کرنا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے"

غریب اور تنگ دست کے لیے صدقہ میں آسانی:

اسلام نے نادار اور مفلس کے لیے صدقہ و خیرات میں آسانی پیدا کر دی ہے جس کے ذریعے وہ امیر اور دولت مند افراد کے اجر کو پہنچ سکتا ہے۔ غریب اور مفلس صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مال دار لوگ اپنے مال و دولت کی وجہ سے صدقہ و خیرات میں ہم سے نیکیوں میں بڑھ گئے ہیں اور ہمارے پاس مال و دولت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کے اجر کو نہیں پہنچ سکتے تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے لیے صدقہ و خیرات میں آسانی اور سہولت پیدا فرما دی۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: " أَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَّدَّقُونَ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيَأتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ»[1]

"نبی کریم ﷺ کے کچھ ساتھیوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! زیادہ مال رکھنے والے اجر و ثواب لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے ضرورت سے زائد مالوں سے صدقہ کرتے ہیں (جو ہم نہیں کر سکتے) آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے ایسی چیز نہیں بنائی جس سے تم صدقہ کر سکو؟ بے شک ہر دفعہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ ہر دفعہ الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کی تلقین کرنا صدقہ ہے اور بُرائی سے روکنا صدقہ ہے اور (بیوی سے مباشرت کرتے ہوئے) تمھارے عضو میں صدقہ ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کوئی اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بتاؤ اگر وہ یہ (خواہش) حرام جگہ پوری کرتا تو کیا اسے گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال جگہ پوری کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے۔"

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان اسم الصدقۃ یقع علی مل نوع من المعروف، رقم الحدیث: 1006

اس کی مزید وضاحت رسول اکرم ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ»قِيلَ:أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ «يَعْتَمِلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ» قَالَ قِيلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: «يُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ» قَالَ قِيلَ لَهُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: «يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ أَوِ الْخَيْرِ» قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ»[1]

"ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے" کہا گیا: آپ کا کیا خیال ہے اگر اسے (صدقہ کرنے کے لئے کوئی چیز) نہ ملے؟ فرمایا: "اپنے ہاتھوں سے کام کر کے اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ (بھی) کرے۔ اس نے کہا: عرض کی گئی، آپ کیا فرماتے ہیں اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھے؟ فرمایا: "بے بس ضرورت مند کی مدد کرے۔ کہا، آپ سے کہا گیا: دیکھئے! اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھے؟ فرمایا: نیکی یا بھلائی کا حکم دے۔ کہا: دیکھئے اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے؟ فرمایا: وہ (اپنے آپ کو) شر سے روک لے، یہ بھی صدقہ ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے کسب معاش میں غرباء اور مساکین کے لیے خصوصی رعایت دی ہے۔ غرباء اور مساکین کے ساتھ ہر قسم کی زیادتی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے تاکہ ان کی غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے کوئی ان کو ظلم و زیادتی کا نشانہ نہ بنائے۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان اسم الصدقۃ یقع علی مل نوع من المعروف، رقم الحدیث: 1008

2

فصلِ دوم

دعوت و تبلیغ میں تیسیر

دعوت و تبلیغ میں تیسیر

دعوت کے لفظی معنی بلانے اور تبلیغ کے معنی پہنچانے کے ہیں۔ دعوت و تبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے اور ابنیاء ورسل علیہم السلام کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے سارے انبیاء ورسل کو اپنی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ حسب استطاعت ہر مسلمان کی بھی ذمہ داری ہے۔ عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ تمام گمراہیوں کی طرف دعوت ہر طرف سے زووں پر ہے۔

دعوت و تبلیغ تمام انبیاء کرام کا پہلا منصبی فریضہ تھا بطور خاص رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک آیات میں دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی لوگوں تک خدائے عزو جل کے پیغام کو پہنچانا ہے۔

سورۃ سباء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[1]

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

سورۃ الاحزاب میں اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾[2]

"اے نبی (ﷺ)، ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔"

دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے سورۃ المائدہ میں یوں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[3]

"اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہر گز نہ دکھائے گا۔"

سورۃ الشوریٰ میں دعوت و تبلیغ کے کام میں ثابت قدمی اور استقلال کا حکم یوں دیا گیا:

---

(1) السباء، 34: 28

(2) الاحزاب 33: 45-46

(3) المائدہ 5: 67

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾(1)

"چونکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے اس لیے اے محمد، اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو، اور ان سے کہہ دو کہ:" اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(2)

"تو تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی اصلاح کا فریضہ ہر حال میں سرانجام دیا۔ اس کی خاطر ہر طرح کے اسالیب اور وسائل کو استعمال کیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو راہ حق پر لانے کے لیے ہر طرح کی مشکلات اور پر کٹھن حالات کا سامنا کیا۔ دعوت دین کی خاطر اپنی ساری توانائیاں، صلاحتیں اور قوتیں صرف کر دیں لیکن اس کے باوجود جب لوگ راہ حق سے انحراف کرتے تو آپؐ رنجیدہ ہو جاتے اور آپ ﷺ پر بہت گراں گزرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس کیفیت کے بارے میں فرمایا:

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾(3)

"(بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبی (ﷺ)) خواہ مخواہ تمہاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف دعوت و تبلیغ کا فریضہ خود سرانجام دینے پر اکتفاء کیا، بلکہ اپنے اطاعت گزاروں اور اتباع کرنے والوں کو بھی اس کا حکم دیا کہ وہ دعوت دین کا کام کریں۔ دعوت و تبلیغ کی فرضیت کو رسول اکرم ﷺ نے یوں بیان

---

(1) الشوریٰ 42: 15

(2) المؤمنون 23: 73

(3) الفاطر 35: 8

فرمایا:

«بلغوا عني ولو آية»[1]

"جس کسی کے پاس اگر ایک آیت بھی ہو تو تو میری طرف سے اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔"

اس حدیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ کوئی بات بھی جو رسول اکرم ﷺ سے بیان ہوئی ہو اس کو آگے منتقل کرنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے بے خبر نہ رہیں۔

امام بیضاوی نے اس حدیث کی تشریح میں بڑی کمال کی بات فرمائی ہے:

"قَالَ: آيَة، أَي: من الْقُرْآن، وَلم يقل: حَدِيثا، فَإِن الْآيَات مَعَ تكفل الله بحفظها وَاجِبَة التَّبْلِيغ، فتبليغ الحَدِيث يفهم مِنْهُ بِالطَّرِيقِ الأولى"[2]

"آپ ﷺ نے حدیث کی بجائے آیت قرآنی کا ذکر فرمایا تاکہ لوگوں کے لیے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے لینے کے باوجود دوسروں تک پہنچانے کی تاکید اس قدر ہے تو احادیث پہنچانے کی تاکید کس قدر زیادہ ہو گی۔"

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ؐ نے اپنے اصحابؓ کو اس ذمہ داری سے آگاہ کیا تاکہ وہ اس فریضہ پر لاپرواہی سے کام نہ لیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں:

« ألا هل بلغت؟»، قالوا: نعم، قال: «اللهم اشهد، فليبلغ الشاهد الغائب، فرب مبلغ أوعى من سامع، فلا ترجعوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض»[3]

"لوگوں! کیا میں نے پہنچا دیا لوگوں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، حاضر غائب کو پہنچا دیں، اس لئے کہ بسا اوقات براہ راست سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے جسے پہنچایا گیا ہو، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔"

حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"فوالذي نفسي بيده، إنها لوصيته إلى أمته، فليبلغ الشاهد الغائب، لا ترجعوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض"[4]

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آپ نے اپنی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ جو لوگ

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث : 3461

(2) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، 45/16

(3) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی، رقم الحدیث : 1741

(4) الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی، رقم الحدیث : 1739

حاضر ہیں وہ ان لوگوں کو پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ۔"

دعوت و تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا کہ کسی ایک آدمی کا تمہاری دعوت کی وجہ سے مسلمان ہو جانا سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بہتر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«انفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم، ثم ادعهم إلى الإسلام، وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فيه، فوالله لأن يهدي الله بك رجلا واحدا، خير لك من أن يكون لك حمر النعم»[1]

"ذرا صبر سے کام لو جب تم ان کے میدان میں جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دینا اور من جانب اللہ جو کچھ ان پر واجب ہے اس کی اطلاع پہنچا دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے ذریعہ سے کسی آدمی کو ہدایت دے دے تو تمہارا یہ فعل تمہارے لئے سرخ اونٹوں کے غلے سے زیادہ اچھا ہے۔"

دعوت دین کی وجہ سے اگر کوئی شخص راہ راست پے آجائے اور برائیوں کو ترک کر کے نیکی کا انتخاب کرے تو داعی کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا عمل کرنے والے کو ملا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کو ہدایت کی دعوت دی تو اس کے لئے اس کی پیروی کرنے والے کے برابر ثواب ہو گا اور ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اس کے لئے اس کی پیروی کرنے والے کے برابر گناہ ہو گا اور ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی۔"

شیخ ملا علی القاری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وَبِهَذَا يُعْلَمُ أَنَّ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مُضَاعَفَةِ الثَّوَابِ بِحَسَبِ تَضَاعُفِ أَعْمَالِ أُمَّتِهِ بِمَا لَا يُعَدُّ وَلَا يُحَدُّ. وَكَذَا السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَكَذَا بَقِيَّةُ السَّلَفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْخَلَفِ، وَكَذَا الْعُلَمَاءُ

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، رقم الحدیث : 4210

(2) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ مسنۃ أو سیئۃ ومن دعا الی ھدی او ضلالۃ، رقم الحدیث: 2674

الْمُجْتَهِدُونَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى أَتْبَاعِهِمْ، وَبِهِ يُعْرَفُ فَضْلُ الْمُتَقَدِّمِينَ عَلَى الْمُتَأَخِّرِينَ - فِي كُلِّ طَبَقَةٍ وَحِينٍ"[1]

"اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لاتعداد اور ان گنت اچھے اعمال کا جتنا ثواب امت کے لیے ہے اتنا ہی ثواب نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے اور اسی طرح اولین مہاجرین اور انصار کے لیے ہے، اور یہی بات بعد میں آنے والے لوگوں کے اعتبار سے سلف کے لیے، اور پیروکاروں کے اعتبار سے علمائے مجتہدین کے لیے ہے۔ اور اس سے اس بات کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہر طبقہ کے متاخرین کے مقابلہ میں متقدمین کی شان و عظمت کس قدر زیادہ ہو گی۔"

رسول اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا کام نہایت حکمت، تدبّر اور تدریج کے ساتھ فرمایا۔ دعوت و تبلیغ میں تیسیر، سہولت، آسانی اور گنجائش کا پہلو نمایاں رکھا۔ لوگوں کے لیے دعوت و اصلاح میں تنگی پیدا کرنے کی بجائے تیسیر کے پہلو کو فوقیت دی۔ آپ ﷺ جب داعیان اسلام کو دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ کرتے تو ان کو بھی دین اسلام کی آسانی اور وسعت کی طرف خاص توجہ دلاتے تھے۔ دور حاضر میں بھی اگر دعوت کے میدان میں رسول اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ میں آسانی، سہولت اور گنجائش کے پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے تو ایک داعی کی دعوت خوب مؤثر اور عظیم کامیابی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ میں تیسیر اور آسانی کے اسالیب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائے ہیں:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾[2]

"اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دعوت کے تین بنیادی اصول بیان کئے ہیں اور یہ تینوں ہی تیسیر اور آسانی پر مبنی ہیں ان میں نرمی اور گنجائش کا پہلو نمایاں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کا حکم دیا تو اس میں نرمی اور رفق کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے، اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ جذباتی اور سختی والے انداز سے دعوت و تبلیغ مؤثر نہیں ہوتی اور حضرت موسیٰؑ چونکہ طبعاً جذباتی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى * فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾[3]

---

(1) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 1/242

(2) النحل 16: 125

(3) طہ 20: 43-44

"جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کے وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔"

فرعون بہت بڑا سرکش اور ظالم تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی اور آسانی سے بات کرنے کا حکم دیا تھا تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام آدمی کے ساتھ تو مزید نرمی اور آسانی ہونی چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں بذات خود بھی نرمی اور رفق کو اپنایا اور اصحابؓ کو بھی اس کا حکم دیا کہ وہ نرمی اور رفق سے کام لیں۔ مدینہ کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے ہمراہ ایک مبلغ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تو رسول اکرم ﷺ کی نگاہ حضرت مصعب بن عمیرؓ پر پڑی جو بے شمار خوبیوں کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نرمی، تحمل اور برداشت جیسی خوبیوں سے بھی مزّین تھے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا ایک مشکل کام ان کے سپرد کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تقرری کی حکمت بیان کرتے ہوئے پروفیسر یسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

"کبار صحابہؓ، اور سابقین اولین میں سے حضرت مصعب بن عمیرؓ عبدری کا انتخاب ظاہر ہے کہ ان کی سبقت اسلام اور شخصی وجاہت کے سبب نہیں ہوا تھا۔ وہ یقیناً سابق صحابی تھے اور انہوں نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ سبقت اور قربانی کا شرف رکھنے والے صحابہ موجود تھے۔ ان کا انتخاب محض اس بنا پر کیا گیا تھا کہ وہ مجموعی اعتبار سے اس منصب گرامی کے لیے موزوں ترین تھے۔ وہ پاسداران کعبہ کے خاندان کے ایک متمول خانوادہ عبد الدار کے فرد ہونے کے علاوہ اسلام کے وفادار و جان نثار، ثابت قدم اور ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے جو اسلام کا پیکر دمنواز ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ ان کی یہی مجموعی صفات حمیدہ تھیں جنہوں نے ایک مختصر عرصہ میں اسلام کے قدم مدینہ منورہ میں مضبوطی سے جما کر ہجرت کی راہ ہموار کر دی۔"[1]

رسول اکرم ﷺ نے یمن میں دو صحابہ کرامؓ کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، شمالی یمن میں حضرت معاذؓ اور جنوبی یمن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی ذمہ داری لگائی گئی۔ ان اصحابؓ کو رسول اللہ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی تھی وہ یہ کہ لوگوں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کریں، مشکلات اور تنگی میں نہ ڈالیں لوگوں کو ڈرانے کی بجائے خوشخبری کا پہلو غالب رکھیں اتفاق و اتحاد کو برقرار رکھیں اور افتراق سے گریز کریں:

أن النبي صلى الله عليه وسلم، بعث معاذا وأبا موسى إلى اليمن قال: «يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا، وتطاوعا ولا تختلفا»[2]

---

(1) صدیقی، یاسین مظہر، پروفیسر، عہد نبوی کا نظام حکومت، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، 1995ء، ص:94

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب وعقوبۃ من عصی امامہ، رقم الحدیث: 3038

"جب آپ ﷺ نے معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا ان سے کہا نرمی کرنا سختی نہ کرنا لوگوں کو خوش رکھنا رنجیدہ نہ کرنا اور تم دونوں متفق رہنا اختلاف نہ کرنا۔"

رسول اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں تیسر اور گنجائش کے جو مناہج و اسالیب اختیار کیے ہیں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے تا کہ عصر حاضر میں ان مناہج اور اسالیب کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنایا جا سکے۔

حکمتِ عملی:

حکمت سے مراد یہ ہے کہ دعوت دین میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو انتہائی سنجیدگی اور دانائی پر مبنی ہو ایسے دلائل پیش کیے جائیں کہ مخاطب پر اثر ہو۔ داعی کا لہجہ انتہائی نرمی اور آسانی پر مبنی ہو، سخت موقف تلخ حقائق بیان کرنے اور سخت لب و لہجہ سے پرہیز کرے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"حکمت در اصل یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، بلکہ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے، جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔"[1]

یعنی نرمی کے ساتھ انتہائی دانائی اور سمجھ داری سے کام لیا جائے تا کہ مخاطب بات کو سمجھ سکے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"جس طرح ایک بیج کے نشو نما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھنی پڑتی ہے بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرح حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے۔ زمینوں کی طرح روحوں اور دلوں کے موسم بھی ہوتے ہیں۔ ایک داعی کا فرض ہے کہ ان موسموں سے اچھی طرح واقف ہو جس طرح ایک دہکان زمین کی فصلوں اور موسموں کو پہچانتا ہے اور اسی وقت کوئی بیج ڈالتا ہے جب موسم سازگار ہو۔ جو لوگ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں خواہ اپنی سادگی اور بھولے پن کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ حق اپنی ذاتی کشش سے خود بخود دلوں میں جگہ پیدا کرے گا، اس کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنی اس غلطی کی سزا اپنی دعوت کی ناکامی کی شکل میں پاتے ہیں۔ اور ان کی نیک نیتی ان کی اس بے تدبیری اور غفلت کے نتائج سے ان کو بتا نہیں سکتی

---
(1) تفہیم القرآن، 1/ 581

جو مخاطب کی نفسیات کی رعایت کے باب میں ان سے صادر ہوتی ہے۔"[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ میں عمدہ حکمت عملی اختیار کیا کرتے اور اصحابؓ کو ایسی نصائح فرماتے تھے جو ان کو عمل کے لیے ابھارتی اور برائی سے روک دیتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک نوجوان نے اپنی خواہش گناہ کا اظہار کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ طریقہ سے اس کی اصلاح فرمائی۔

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں:

«إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ وَقَالُوا: مَهْ. مَهْ. فَقَالَ:«ادْنُهْ، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا»قَالَ: فَجَلَسَ قَالَ«أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ»قَالَ:«أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ» . قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ» . قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ» فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ»[2]

"ایک نوجوان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سے فرمایا میرے قریب آجاؤ، وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی

[1] اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص: 133

[2] مسند احمد مخرجاً، رقم الحدیث: 22211

(ﷺ) نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی (ﷺ) نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعاء کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔"

مواعظ حسنہ:

مواعظ حسنہ میں مراد ایسی نصیحت ہے جو نرمی، ہمدردی، حسن خلق اور نہایت معتدل انداز میں کی جائے۔

امام بغوی لکھتے ہیں:

"وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ يَعْنِي مَوَاعِظَ الْقُرْآنِ. وَقِيلَ: الْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ هِيَ الدُّعَاءُ إِلَى اللَّهِ بالترغيب والترهيب. وقيل: هو قول اللين الرقيق من غير تغليظ وَلَا تَعْنِيفٍ"[1]

"موعظہ حسنہ سے مراد ہے قرآن مجید کے مواعظ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دعوت ہے جو ترغیب و ترھیب کے ساتھ اللہ کی طرف دی جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد وہ نرم بات ہے جو سختی اور تلخی کے بغیر کی جائے۔"

رسول اکرم ﷺ دعوت و تبلیغ میں اس قدر عمدہ نصیحت فرماتے تھے کہ سننے والے پر اثر کر جاتی تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

«بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْ مَهْ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُزْرِمُوهُ دَعُوهُ» فَتَرَكُوهُ حَتَّى بَالَ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: «إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ، وَلَا الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ» أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَأَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ»[2]

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے کھڑا ہو گیا تو اصحاب رسول ﷺ نے فرمایا ٹھہر جا ٹھہر جا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو مت روکو اور اس کو چھوڑ دو پس صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوایا اور اس کو فرمایا کہ مساجد میں پیشاب اور کوئی گندگی وغیرہ کرنا مناسب نہیں یہ تو اللہ عزوجل کے ذکر اور قرآن کے لئے

---

(1) معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، 103/3

(2) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الغسل البول وغیرہ من النجاسات اذا حصلت فی المسجد وان الارض تطھر بالماء من غیر حادۃ الی حضرھا، رقم الحدیث: 285

بنائی گئی ہیں یا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو وہ ایک ڈول پانی کا لے آیا اور اس جگہ پر بہا دیا۔"

رسول اکرم ﷺ دعوت و تبلیغ میں مخاطب کی صلاحیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ لوگ آپؐ کی بات پر مطمئن ہو جاتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے اس اسلوب کے بارے میں شیخ زین الدین عبد الرحیم عراقی لکھتے ہیں:

"فِيهِ الرِّفْقُ فِي إِنْكَارِ الْمُنْكَرِ وَتَعْلِيمِ الْجَاهِلِ بِاسْتِعْمَالِ التَّيْسِيرِ وَتَرْكِ التَّعْسِيرِ وَلِذَلِكَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ «إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ» وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَهْ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ بَعْدَ أَنْ فَقِهَ فَقَامَ إِلَيَّ بِأَبِي وَأُمِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُؤَنِّبْ وَلَمْ يَسُبَّ فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الْمَسْجِدَ لَا يُبَالُ فِيهِ، وَإِنَّمَا بُنِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ، وَالصَّلَاةِ، وَقَوْلُهُ هُنَا هَذَا الْمَسْجِدُ أَرَادَ بِهِ جِنْسَ الْمَسَاجِدِ لَا خُصُوصِيَّةَ مَسْجِدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا هُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ، وَإِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ، وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ "[1]

"اس میں نرمی ہے جاہل کو سیکھانے کے لیے آسانی کو استعمال کرنے کے ساتھ اور مشکل کو دور کرنے کے لیے ،اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا "تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کے لیے" ایک روایت میں ہے راوی نے کہا، جب وہ سمجھ گیا اور بڑا ہو گیا اور اس نے کہا میرے باپ آپ پر قربان ہوں آپ ﷺ نے اس کو ڈانٹا نہیں اور نہ جھڑکا اور نبی ﷺ نے فرمایا "بے شک یہ جو مسجد ہے اس میں پیشاب نہیں کرتے ،یہ تو خالص اللہ کے ذکر کرنے لیے ہوتی ہے ،اور نماز کے لیے ہیں" نبی ﷺ کی اس مسجد سے مراد تمام مساجد ہیں ،اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے ،اس کے بعد ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں آیا ہے پھر آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا "یہ مساجد جو ہیں پیشاب اور گندگی کے لیے نہیں بنائی گئی ،یہ تو اللہ کے ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت اور نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔"

حافظ ابن حجر اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ مِنَ الْفَوَائِدِ أَنَّ الِاحْتِرَازَ مِنَ النَّجَاسَةِ كَانَ مُقَرَّرًا فِي نُفُوسِ الصَّحَابَةِ وَلِهَذَا بَادَرُوا إِلَى الْإِنْكَارِ بِحَضْرَتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اسْتِئْذَانِهِ وَلِمَا تَقَرَّرَ عِنْدَهُمْ أَيْضًا مَنْ طَلَبَ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاسْتُدِلَّ بِهِ عَلَى جَوَازِ التَّمَسُّكِ بِالْعُمُومِ إِلَى أَن يظهر الْخُصُوص "[2]

---

(1) طرح التثریب فی شرح التقریب، 2/138

(2) فتح الباری، 1/324-325

"حدیث کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ گندگی سے بچنا صحابہ کرامؓ کے دلوں میں بہت زیادہ تھا، (وہ گندگی سے بہت زیادہ حد تک بچا کرتے تھے) اسی لیے انہوں نے اس اعرابی کو منع کرنے میں جلدی کی، باوجود اس کے آپ ﷺ ان میں موجود تھے ان کی اجازت لینے سے پہلے، اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک نیکی طلب کرنا اور برائی سے روکنا کتنا زیادہ تھا اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد کی جنس جو ہے وہ عموم پر دلالت کرتی ہے یعنی اس میں تمام مساجد شامل ہیں۔"

مجادلہ بطریق احسن:

دعوتی امور میں حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ مجادلہ یا بحث و تمحیص کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو یہ احسن انداز میں ہونا چاہیے، یعنی نرمی، آسانی اور گنجائش پر مبنی ہو۔ بحث و تمحیص میں مخاطب کے ساتھ گفتگو، انداز بیان اور تکلم کا طریقہ دلائل سے مزین ہو۔ اور ایسی بات نہ کی جائے جس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت اور بغض پیدا ہو جائے اور لوگ انداز تکلم کی وجہ سے حق کا انکار کر دیں۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے۔ اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہو گا۔ اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللہیت کے نور سے محروم ہو گی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔"[1]

مخالف کے مؤقف پر تنقید اور اس کے دلائل کی تردید چونکہ بہت نازک کام ہے، کیونکہ اس میں پہلے دونوں کاموں (دعوت بالحکمت اور موعظۂ حسنہ) کی نسبت مخاطب کے اشتعال میں آنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اس لیے یہاں بالصراحت یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ ایسا نازک کام انتہائی احسن طریقہ سے سرانجام دینا چاہیے تاکہ مخاطب میں ضد و عناد اور اشتعال پیدا نہ ہونے پائے۔[2]

سورۃ العنکبوت میں بحث تمحیص کا طریق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَ

---

(1) ضیاء القرآن، 2/617

(2) نعیم، نعیم الحق، دعوت واصلاح کے چند اہم اصول قرآن وسنت کی روشنی میں، رضیہ شریف ٹرسٹ، لاہور، ص:34

اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾[1]

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے... سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں.. اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم (فرمابردار) ہیں۔"

داعیِ دعوت کا انداز نہایت شائستہ، نرم اور انتہائی شفقت والا ہونا چاہیے تاکہ مدعو کے لیے بات سمجھنے میں آسانی اور سہولت رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾[2]

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

یعنی داعی کو اس قدر اچھا انداز تکلم اختیار کرنا چاہیے کہ اس سے احسن طریقہ گفتگو کا اندازہ ہو۔ جب کبھی رسول اکرم ﷺ کا بحث و مباحثہ ہوتا تو احسن انداز اپناتے اور عفو و درگزر سے کام لیتے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں:

«وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه يعفون عن المشركين وأهل الكتاب كما أمرهم الله، ويصبرون على الأذى، قال الله تعالى: {ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب} [آل عمران: 186] الآية. وقال: {ود كثير من أهل الكتاب} [البقرة: 109] فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتأول في العفو عنهم ما أمره الله به حتى أذن له فيهم »[3]

"رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا اور تکلیف پر صبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَتَسْمَعُنَّ مِنْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ودكثير من اهل الكتاب چنانچہ آپ اللہ کے حکم کے مطابق ان کو برابر معاف کرتے رہے یہاں تک کہ جہاد کا حکم دیا گیا۔"

صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی گفتگو ہوئی تو معاہدہ لکھتے وقت اس نے لفظ رسول اللہ ﷺ لکھنے پر اعتراض کیا تو رسول اکرم ﷺ نے اس میثاق کے عمل کو برقرار رکھنے کے لیے اس عبارت سے لفظ رسول

---

(1) العنکبوت 29: 46

(2) فصلت 41: 33

(3) الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب کیفیۃ المشرک، رقم الحدیث: 6207

اللہ خود مٹادیا تاکہ یہ کام جو امن اور آشتی کے لیے کیا جارہا ہے سبوتاژ نہ ہو۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: «اكْتُبْ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ»، قَالَ سُهَيْلٌ: أَمَّا بِاسْمِ اللهِ، فَمَا نَدْرِي مَا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَلَكِنِ اكْتُبْ مَا نَعْرِفُ بِاسْمِكَ اللهُمَّ، فَقَالَ: «اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ»، قَالُوا: لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ لَاتَّبَعْنَاكَ، وَلَكِنِ اكْتُبِ اسْمَكَ وَاسْمَ أَبِيكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ»، فَاشْتَرَطُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ، وَمَنْ جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوهُ عَلَيْنَا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَكْتُبُ هَذَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللهُ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا»[1]

"جن قریشیوں نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی ان میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سہیل نے کہا کہ بسم اللہ تو ہم نہیں جانتے بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہے البتہ بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھو جسے ہم جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے۔ (کفار) نے کہا اگر ہم آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ ﷺ کی پیروی کرتے بلکہ آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں نبی ﷺ نے فرمایا محمد بن عبد اللہ کی طرف سے لکھو انہوں نے نبی ﷺ سے یہ شرط باندھی کہ تم میں سے جو ہمارے پاس آجائے گا ہم اسے واپس نہ کریں گے اور اگر تمہارے پاس ہم میں سے کوئی آئے گا تو تم اسے ہمارے پاس واپس کر دو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ بھی لکھ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ اسے (اسلام سے) دور کر دے گا اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا اللہ عنقریب اس کے لئے کوئی راستہ اور کشائش پیدا فرما دیں گے۔"

اصول تدریج:

تدریج کا مطلب یہ ہے کہ احکام کا نفاذ یک بارگی کی بجائے آہستہ آہستہ کیا جائے تاکہ لوگوں پر بوجھ نہ پڑے۔ دعوت و اصلاح میں اگر اصول تدریج کو نظر انداز کر دیا جائے تو مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن نہیں ہو سکتا۔

اصول تدریج کے اسرار و حکم کی وضاحت حضرت عائشہؓ نے یوں بیان فرمائی:

« إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى إذا ثاب الناس إلى الإسلام نزل الحلال والحرام، ولو نزل أول شيء: لا تشربوا الخمر، لقالوا: لا ندع الخمر أبدا، ولو نزل: لا تزنوا،

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ، رقم الحدیث: 1784

لقالوا: لا ندع الزنا أبدا»[1]

"سورت مفصل میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیت نازل ہوئی اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہر گز زنا نہیں چھوڑیں گے۔"

دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ خود تدریج کو پسند کرتے تھے کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہوتی ہے اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو تبلیغ کے لیے جب روانہ کیا تو اصول تدریج کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: «إنك ستأتي قوما من أهل الكتاب، فإذا جئتهم فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، فإن هم طاعوا لك بذلك، فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم طاعوا لك بذلك فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم صدقة، تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم طاعوا لك بذلك فإياك وكرائم أموالهم، واتق دعوة المظلوم، فإنه ليس بينه وبين الله حجاب»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل سے جب انہیں یمن کی طرف بھیجنے لگے ان سے فرمایا کہ تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو، جو اہل کتاب ہیں جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ مان لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور وہ ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی اگر وہ اس کو بھی منظور کر لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوموں کی بد دعا سے بچو اس لئے کہ مظلوم کی بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔"

اصول تدریج کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کا عمل مزید آسان ہو جاتا ہے داعی دعوت اگر اس کو اپنا لے تو جن افراد کو دعوت دین دی جاتی ہے ان کے لیے بھی مزید آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے رسول اکرم ﷺ نے اصول تدریج کو خود بھی اپنایا اور اس کا حکم اپنے اصحاب کو بھی دیا۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا، فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ، فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ،

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، رقم الحدیث : 4993

(2) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن قبل حجۃ الوداع، رقم الحدیث :4347

فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»[1]

"تم میں سے جو بھی خلاف شرع کام دیکھے اور اسے چاہئے کہ زور بازو سے اسے مٹادے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل و دماغ سے کام لے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کعبۃ اللہ میں بت رکھے ہوئے دیکھتے تھے لیکن آپ نے انہیں نہ خود توڑا اور نہ صحابہ کرامؓ کو توڑنے کا حکم دیا کیونکہ اس وقت اہم مسئلہ بتوں کو توڑنے کا نہیں تھا بلکہ دلوں پر پڑے ہوئے تالے توڑنے کا فریضہ در پیش تھا کیونکہ جب دل فتح ہو جائیں تو یہ خود ان بتوں کو توڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔[2]

کسی بھی چیز کے خاتمہ اور اس کی بیخ کنی کے لیے تدریجی طریقہ مؤثر ترین ہتھیار ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کے اذہان کو آمادہ کیا جائے اور پھر آہستہ آہستہ ان پر حکم کی تنفیذ کر دی جائے۔ اگر دعوت حق میں تدریجی طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو کامیابی کے آثار کم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا داعی کا فرض ہے کہ دعوت دین میں تدریج کو نظر انداز نہ کرے اس میں فرد اور قوم دونوں کے لیے آسانی اور سہولت ہے۔

جذبات اور رجحانات کا خیال:

داعی دعوت کے لیے مخاطبین کے جذبات اور رجحانات سے باخبر ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ دعوت کی وجہ سے اگر لوگوں پر اکتاہٹ طاری ہو جائے تو دعوت غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے رسول اکرم ﷺ مخاطبین کے رجحانات، میلانات، جذبات اور طبائع کا خیال رکھتے تھے۔ آج بھی دعوت دین اسی صورت میں مؤثر ہو گی اگر مخاطبین کی ذہنی استعداد اور رجحانات کو پیش نظر رکھ کر دی جائے گی۔

ابو وائلؒ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا "[3]

"عبد اللہ بن مسعودؓ لوگوں کو ہر جمعرات میں وعظ کیا کرتے تھے، تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے

---

(1) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، رقم الحدیث: 4013

(2) زیدان، عبد الکریم، اصول دعوت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص: 99

(3) الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاماً معلومۃ، رقم الحدیث: 70

عبد الرحمن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ کیا کریں، وہ بولے کہ (روز روز کے وعظ سے) مجھے صرف یہ امر مانع ہے کہ کہیں تم لوگ اکتا نہ جاؤ اور میں تمہاری نصیحت کے لئے اسی طرح وقت معین رکھتا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو نصیحت کے لئے وقت مقرر رکھتے تھے، ہمارے اکتا جانے کے خوف سے وہ روز وعظ نہ فرماتے تھے۔"

اصحاب رسول دعوت دین میں اتباع رسول کو از حد ضروری سمجھتے تھے لوگوں کے اشتیاق کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب دعوت میں ہی اپنی دعوت کی کامیابی و اثر انگیزی پنہاں خیال کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ایک بار لوگوں کے انتظار کے باوجود ان کے ہاں واعظ و نصیحت کرنے کے لیے دیر سے تشریف لیکر گئے تو فرمایا کہ مجھے خدشہ تھا کہ کثرت خطاب کی وجہ سے تم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جاؤ۔

امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں باب باندھا ہے "باب الاقتصاد فی الموعظة" اور اس باب کے تحت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اس عمل کو بیان فرمایا ہے راوی بیان کرتے ہیں:

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ بَابِ عَبْدِ اللهِ نَنْتَظِرُهُ، فَمَرَّ بِنَا يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ النَّخَعِيُّ، فَقُلْنَا: أَعْلِمْهُ بِمَكَانِنَا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ خَرَجَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ، فَقَالَ: إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ، فَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ إِلَّا كَرَاهِيَةُ أَنْ أُمِلَّكُمْ، «إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ، مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا»[1]

"ہم حضرت عبد اللہ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس سے یزید بن معاویہ نخعی کا گزر ہوا تو ہم نے کہا (عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو) ہمارے یہاں حاضر ہونے کی اطلاع دے دینا تھوڑی دیر بعد ہی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے تو کہا مجھے تمہارے آنے کی اطلاع دی گئی اور مجھے تمہاری طرف آنے سے اس بات کے علاوہ کسی بات نے منع نہیں کیا کہ میں تمہیں تنگ دل کرنے کو پسند نہ کرتا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اکتا جانے کے خوف کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے وعظ و نصیحت کا ناغہ کر لیا کرتے تھے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے میلانات، جذبات اور رجحانات کے خیال رکھنے کی تلقین دعوت و تبلیغ میں تیسیر اور آسانی کے پہلو کو مد نظر رکھنے کو واضح کرتا ہے۔

ایجاز و اختصار:

واعظ و نصیحت میں طوالت کی وجہ سے لوگ بوجھ محسوس کرنے لگ جاتے ہیں اور لمبی نشست کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا اثر ختم ہو جاتا ہے، دعوت دین کو موثر بنانے کے لیے ایجاز و اختصار سے کام لینا انتہائی ضروری ہوتا ہے اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جب گفتگو فرماتے تھے اس میں خیر (نیکی) کی بات فرماتے آپؐ نے اپنے متبعین کو بھی یہی حکم دیا کہ جب

---

(1) صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب الاقتصاد فی الموعظة، رقم الحدیث: 2821

بات کریں خیر اور نیکی کی بات کی جائے فضول گفتگو سے اجتناب کیا جائے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا، أَوْ لِيَسْكُتْ»[1]

"اور جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو پس چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا چپ رہے۔"

واعظ و نصیحت میں ایجاز و اختصار کو اپنانا دعوت کی اثر انگیزی کو نمایاں کر دیتا ہے دعوت و تبلیغ کے میدان میں داعی دعوت اور مدعو کے لیے اس میں آسانی اور سہولت کا پہلو ہے کہ واعظ و نصیحت کا دورانیہ اختصار پر مبنی ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی اسی کی طرف نشاندہی فرمائی ہے حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں:

إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ، مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا»[2]

"کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کا لمبی نماز اور خطبہ کو مختصر پڑھنا یہ اس کی سمجھداری کی علامت ہے پس نماز کو لمبا کرو اور خطبہ کو مختصر کرو کیونکہ بعض بیان جادو جیسے اثر رکھتے ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے اصحابؓ نے بھی ایجاز و اختصار کو اپنایا اور اس کی اپنے حلقہ واحباب میں بھی تلقین فرمائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کی یوں وضاحت فرمائی:

«حدث الناس كل جمعة مرة، فإن أبيت فمرتين، فإن أكثرت فثلاث مرار، ولا تمل الناس هذا القرآن، ولا ألفينك تأتي القوم وهم في حديث من حديثهم، فتقص عليهم، فتقطع عليهم حديثهم فتملهم، ولكن أنصت، فإذا أمروك فحدثهم وهم يشتهونه، فانظر السجع من الدعاء فاجتنبه»، فإني عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه لا يفعلون إلا ذلك يعني لا يفعلون إلا ذلك الاجتناب»[3]

"ہر جمعہ کو ایک بار وعظ کہو اگر اس سے زیادہ چاہو تو دو بار اور اس سے زیادہ چاہو تو تین بار، لیکن لوگوں کو اس قرآن سے تھکا نہ دو اور میں تمہیں ایسا کرتا ہوا نہ پاؤں کہ تم کسی جماعت کے پاس آؤ جو اپنی گفتگو میں مشغول ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر انہیں وعظ کہنے لگو جس سے وہ پریشان ہو جائیں بلکہ خاموش رہو اور جب وہ تم سے وعظ کہنے کو کہیں اور اس کی خواہش ظاہر کریں تو وعظ کہو لیکن دعاء میں قافیہ آرائی سے بچو، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ اسی طرح کرتے تھے، یعنی اس سے اجتناب ہی کرتے تھے۔"

---

(1) سنن دارمی، کتاب الاطعمۃ، باب فی الضیافۃ، رقم الحدیث: 2079

(2) صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ، رقم الحدیث: 869

(3) الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب مایکرہ من السجع فی الدعاء، رقم الحدیث: 6337

حضرت عائشہؓ نے بھی دعوت دین میں ایجاز و اختصار کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ابن ابی السائب کو ایک مرتبہ فرمایا کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ وعظ و نصیحت میں ان باتوں کا خیال رکھو گے۔

«وَقُصَّ عَلَى النَّاسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ أَبَيْتَ فَثِنْتَيْنِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَثَلَاثًا، فَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْكِتَابَ، وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ، وَلَكِنِ اتْرُكْهُمْ فَإِذَا حَدَوْكَ عَلَيْهِ، وَأَمَرُوكَ بِهِ فَحَدِّثْهُمْ »[1]

”ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کیا کرو اگر یہ منظور نہیں تو دو دن، اگر اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن، لوگوں کو اللہ کی کتاب سے نہ اکتادو۔ ایسانہ کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہوں آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کر دو۔ بلکہ جب ان کی خواہش ہو۔ اور وہ درخواست کریں تب کہو۔“

رسول اکرم ﷺ جب وعظ و نصیحت فرماتے تو ایجاز و اختصار سے کام لیتے بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے اصرار کے باوجود اپنے خطبہ و وعظ کو طویل نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی تربیت کرتے ہوئے اسی طرف ان کو متوجہ کیا تھا کہ وہ اپنے خطابات یا مواعظ و نصائح کو مختصر رکھا کریں تا کہ سامعین اور مخاطبین کے لیے اکتاہٹ کا سبب نہ بن جائیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِقْصَارِ الْخُطَبِ»[2]

”رسول ﷺ نے ہمیں مختصر خطبہ دینے کی تاکید فرمائی۔“

صحابہ کرامؓ بھی رسول اکرم ﷺ کی اس نصیحت پر اس قدر عمل پیرا تھے کہ وہ اپنے خطبات میں اختصار سے کام لیتے اور باوجود لوگوں کے اصرار کے وہ طویل وعظ و نصیحت نہ فرماتے تھے۔ حضرت عمارؓ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا تو اختصار کی وجہ سے ایک آدمی نے کہا کہ کاش آپ اس کو طویل کرتے اور اس میں اختصار سے کام نہ لیتے تو اچھا ہوتا اور ہمیں مزید سیکھنے اور سننے کا موقع ملتا تو آپؓ نے اس آدمی کی خواہش کے جواب میں فرمایا:

«ان رسول الله ﷺ نہی ان الطیل الخطبة»[3]

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں طویل خطبہ سے منع کیا تھا۔“

رسول اکرم ﷺ جس طرح صحابہ کرامؓ کو طویل اور لمبی گفتگو اور تقریر کرنے سے منع فرمایا آپؐ خود بھی اکثر مختصر وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن سمرۃ السوائیؓ بیان کرتے ہیں:

---

(1) مسند احمد، حدیث عائشہ، رقم الحدیث : 25820

(2) سنن ابی داؤد، کتاب تفریع ابواب الجمعۃ، باب اقصار الخطب، رقم الحدیث: 1106

(3) مسند احمد، رقم الحدیث: 18889

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُطِيلُ الْمَوْعِظَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِنَّمَا هُنَّ كَلِمَاتٌ يَسِيرَاتٌ»[1]

"رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کو طول نہ دیتے تھے بلکہ وہ چند مختصر سے کلمات ہوتے تھے۔"

تلطّف و رفق:

داعی دعوت کے لیے نرم مزاج، نرم خو، نرم زبان اور نرم دل ہونا انتہائی ضروری ہے جب تک کوئی داعی نرم لہجہ نہیں اختیار کرتا اس کی دعوت مؤثر نہیں ہوگی اور مخاطبین کے دل میں نفرت، عداوت اور بغض پیدا کر دے گی۔

رسول اکرم ﷺ میں نرمی اور رفق کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ ﷺ لوگوں کو دعوت و تبلیغ کرتے ہوئے نرمی اور رفق سے کام لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی آپؐ کی اس خوبی کا ذکر قرآن مجید یوں کیا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[2]

"(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔"

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فتأويل الكلام: فبرحمة الله، يا محمد، ورأفته بك وبمن آمن بك من أصحابك"لنت لهم"، لتبَّاعك وأصحابك، فسُهلت لهم خلائقك، وحسنت لهم أخلاقك، حتى احتملت أذى من نالك منهم أذاه، وعفوت عن ذي الجرم منهم جرمَه، وأغضيت عن كثير ممن لو جفوت به وأغلظت عليه لتركك ففارقك ولم يتَّبعك ولا ما بُعثت به من الرحمة، ولكن الله رحمهم ورحمك معهم، فبرحمة من الله لنت لهم"[3]

"آیت کی مراد یہ ہے کہ اے محمدؐ آپ اور آپ کے اصحاب میں سے جو ایمان لائے ان پر جو اللہ کی رحمت و رافت ہے اس کی وجہ سے آپ اپنے پیروکاروں اور اپنے ساتھیوں کے لیے نرم ہیں آپ کی عادتیں ان کے لیے نرم ہیں اور آپ کے اخلاق ان کے لیے عمدہ ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی طرف سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے تو آپ اس کو برداشت کرتے ہیں اور قصور واروں کے قصور معاف کرتے ہیں اور بہت سے ایسے لوگوں سے

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب تصریع ابواب الجمعۃ، باب اقصار الخطب، رقم الحدیث: 1107

(2) آل عمران 3: 159

(3) تفسیر طبری، 7/341

چشم پوشی کرتے ہیں کہ اگر آپ ان سے سختی سے پیش آتے اور ان پر سختی کرتے تو وہ آپ کو چھوڑ جاتے اور آپ کی پیروی نہ کرتے پس آپ اللہ کی رحمت کی وجہ سے ان کے لیے نرم اور رحم والے بن گئے۔"

رسول اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ نرمی اور رحم دلی سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ رحمدلی اور نرم مزاجی والا معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت مالک بن الحویرثؓ بیان کرتے ہیں:

«أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا»[1]

"ہم سب جوان اور ہم عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور ہم آپ ﷺ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے اور رسول اللہ ﷺ نہایت مہربان اور نرم دل تھے۔"

نرمی اور رفق سے بات کرنے سے بات کی اہمیت و افادیت بڑھ جاتی ہے اور مخاطب جلد سمجھ جاتا ہے۔ اگر بات میں تلخی اور سختی پائی جائے تو مخاطب کے دل میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی ضد پر اڑ جاتا ہے اور دعوت و تبلیغ کے مطلوبہ مقاصد کا حصول نہ ممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ حُرِمَ الرِّفْقَ، حُرِمَ الْخَيْرَ أَوْ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی نرمی اختیار کرنے سے محروم رہا وہ آدمی بھلائی سے محروم رہا۔"

دعوت و تبلیغ میں جو نتائج نرمی اور رفق سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ قساوت قلبی، سختی اور تلخی سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَا عَائِشَةُ» إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ »[3]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اللہ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔"

دعوت دین میں نرمی وہ اسلوب ہے جس کی وجہ سے معاملات احسن طریق سے طے پا جاتے ہیں اگر نرمی اور رفق سے کام نہ لیا جائے تو معاملات بگاڑ کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لیے رسول اکرم ﷺ نے "نرمی" کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد، مواضع الصلاۃ، باب من احق بالاماۃ، رقم الحدیث : 674

(2) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب فضل الرفق، رقم الحدیث : 2592

(3) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق، رقم الحدیث :2593

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»[1]

”نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے وہ اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز میں سے نرمی نکال دی جاتی ہے تو وہ چیز بدصورت ہو جاتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ جو مدد نرمی اور رفق میں کرتے ہیں وہ سختی اور قساوت میں نہیں فرماتے۔ دعوت میں تلخی اور سختی کرنے سے لوگوں کے دلوں میں نفرت اور تنگی پیدا ہو جاتی ہے اور بجائے دعوت دین کو قبول کرنے اس سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس نرمی، آسانی اور سہولت سے لوگوں کے لیے دعوت دین کے پھیلنے کے زیادہ امکان موجود ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں کبھی لوگ کسی حکم پر عمل کرنے سے اپنی مشکلات کا ذکر کرتے تو آپؐ ان کے لیے اس عمل میں کوئی آسانی، گنجائش اور سہولت کا راستہ نکال دیتے تھے تاکہ عمل کرنے میں مشکل نہ رہے۔

مخاطبین کے لیے خیر خواہی کا جذبہ:

داعی، دعوت دین کو چاہیے کہ وہ مخاطبین کے لیے خیر خواہی اور ہدایت کا جذبہ رکھے مخاطبین اس کی دعوت کا اچھے انداز میں جواب نہ بھی دیتے تب بھی ان کے لیے نقصان یا سختی کا خواہاں نہ ہو۔ دعوت دین کو مؤثر بنانے کے لیے لوگوں کے فائدے کی بات کی جائے اور لوگوں کو یہ بھی یقین دلایا جائے کہ اس دعوت کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہے نہ کہ کوئی دنیوی منفعت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو دعوتی میدان میں کئی ایک مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی قوم کے لیے نقصان، عذاب یا آزمائش میں مبتلا ہونے کی بدعا نہیں کی بلکہ اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ ان کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں اور تکلیفوں کے باوجود ان کے لیے دعائے ہدایت فرماتے رہے۔

ہمدردی اور خیر خواہی اسلام کا ایک مسلمہ اصول ہے رسول اکرم ﷺ نے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو یوں اجاگر فرمایا ہے۔

"الخلق عيال الله واحب العباد الى الله انفسهم لعياله"[2]

”ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔“

رسول اکرم ﷺ کی سیرت میں رحم دلی اور خیر خواہی کی بہترین امثلہ موجود ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر آپؐ کو انتہائی اذیت اور تکلیف کا سامنا ہوا اس کے باوجود دشمنان اسلام کے لیے دعائے ہدایت فرمائی۔

حضرت عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں:

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب فضل الرفق، رقم الحدیث: 2594

(2) شعب الایمان، کتاب طاعۃ اولی الامر بعضوھا، باب قیام الاوزاعی مع المنصور، رقم الحدیث: 7045

وَجْهِهِ، وَيَقُولُ: «رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»[1]

"گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا قصہ بیان فرما رہے تھے کہ انہیں ان کی قوم نے مارا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور فرماتے تھے اے میرے پروردگار میری قوم کی بخشش فرما وہ جانتے نہیں۔"

اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کو تکلیف اور اذیت دی گئی تب بھی آپ ﷺ نے بد دعا نہ فرمائی۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ غزوہ احد سے بھی بڑھ کر کبھی کوئی اذیت کا سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا طائف کے موقع پر اس سے بھی زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

«هل أتى عليك يوم كان أشد من يوم أحد، قال: " لقد لقيت من قومك ما لقيت، وكان أشد ما لقيت منهم يوم العقبة، إذ عرضت نفسي على ابن عبد ياليل بن عبد كلال، فلم يجبني إلى ما أردت، فانطلقت وأنا مهموم على وجهي، فلم أستفق إلا وأنا بقرن الثعالب فرفعت رأسي، فإذا أنا بسحابة قد أظلتني، فنظرت فإذا فيها جبريل، فناداني فقال: إن الله قد سمع قول قومك لك، وما ردوا عليك، وقد بعث إليك ملك الجبال لتأمره بما شئت فيهم، فناداني ملك الجبال فسلم علي، ثم قال: يا محمد، فقال، ذلك فيما شئت، إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده، لا يشرك به شيئا »[2]

"یوم احد سے بھی سخت دن آپ ﷺ پر آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری قوم کی جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اٹھائی ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف جو میں نے اٹھائی وہ عقبہ کے دن تھی جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا تو اس نے میری خواہش کو پورا نہیں کیا پھر میں رنجیدہ ہو کر سیدھا چلا ابھی میں ہوش میں نہ آیا تھا کہ قرن الثعالب میں پہنچا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو بادل کے ایک ٹکڑے کو اپنے اوپر سایہ فگن پایا میں نے دیکھا تو اس میں جبرائیل علیہ السلام تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قوم کی گفتگو اور ان کا جواب سن لیا ہے اب پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ ﷺ ایسے کافروں کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کیا پھر کہا کہ اے محمد ﷺ یہ سب کچھ آپ ﷺ کی مرضی ہے اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں اخشبین نامی دو پہاڑوں کو ان کافروں پر لا کر رکھ دوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ احد، رقم الحدیث: 1792

(2) الجامع الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم امین والملائکۃ فی السماء من...، رقم الحدیث: 3231

کریں گے۔"

رسول اکرم ﷺ صحابہؓ کے اصرار کے باوجود بھی دشمنان اسلام کے لیے بدعانہ فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ کے دل میں دشمنوں کے لیے بھی جذبہ خیر موجود تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ: «إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً»[1]

"آپ ﷺ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول مشرکوں کے خلاف بد دعا فرمائیں آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

اس کی تشریح میں شیخ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"أَيْ لِلنَّاسِ عَامَّةً وَلِلْمُؤْمِنِينَ خَاصَّةً، مُتَخَلِّقًا بِوَصْفِي الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى: {وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} [الأنبياء: 107] قَالَ ابْنُ الْمَلِكِ: أَمَّا لِلْمُؤْمِنِينَ فَظَاهِرٌ، وَأَمَّا لِلْكَافِرِينَ فَلِأَنَّ الْعَذَابَ رُفِعَ عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا بِسَبَبِهِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: {وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ} [الأنفال: 33] أَقُولُ: بَلْ عَذَابُ الِاسْتِئْصَالِ مُرْتَفِعٌ عَنْهُمْ بِبَرَكَةِ وَجُودِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَقَالَ الطِّيبِيُّ أَيْ: إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُقَرِّبَ النَّاسَ إِلَى اللهِ، وَإِلَى رَحْمَتِهِ، وَمَا بُعِثْتُ لِأُبْعِدَهُمْ عَنْهَا، فَاللَّعْنُ مُنَافٍ لِحَالِي فَكَيْفَ أَلْعَنُ؟"[2]

"اس سے مراد ہے کہ میں مسلمانوں کے لیے خصوصی اور عام لوگوں کے لیے عمومی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے طبعاً رحمان اور رحیم کی صفت سے نوازا گیا ہے، کہ اللہ تعالی کا میرے بارے میں فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) ابن الملک فرماتے ہیں اہل ایمان کے بارے میں آپ ﷺ کا باعث رحمت ہونا ظاہر ہی ہے، کافروں کے بارے میں آپ ﷺ کا باعث رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بابرکت وجود کی وجہ سے ان سے دنیا کا عذاب اٹھالیا گیا ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ (آپ ان میں موجود ہیں اس لیے اللہ ان کو عذاب نہیں دیتا) میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کے وجود کی وجہ سے ان پہ قیامت تک عذاب نازل نہیں ہو گا۔ امام طیبی نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میں اس دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ کسی کو اللہ کی رحمت دور کر دوں، بلکہ بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ کی رحمت کے قریب کرنا ہے۔ کسی پر لعنت کرنا میرے حال کے غیر مناسب ہے۔ میں ان کافروں پر کیسے لعنت بھیجوں؟"

---

(1) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب النہی عن نص الدواب، رقم الحدیث : 2599

(2) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 9/3714

بدعا لوگوں کو خدا کی رحمت سے دور کر دیتی ہے اور نبی کی بدعا کی وجہ سے لوگ یقیناً عذاب کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں اس لیے آپؐ نے اکثر مواقع پر بدعا کرنے سے احتراز فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«قدم طفيل بن عمرو الدوسي وأصحابه، على النبي صلى الله عليه وسلم، فقالوا: يا رسول الله، إن دوسا عصت وأبت، فادع الله عليها، فقيل: هلكت دوس، قال: «اللهم اهد دوسا وأت بهم»[1]

"طفیل بن عمرو الدوسی اور ان کے ساتھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ (قبیلہ) دوس نے نافرمانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ان کیلئے بددعا کیجئے۔ پس کہا گیا کہ اب دوس والے ہلاک ہو جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے دے اور ان کو دائرہ اسلام میں داخل کر دے۔"

جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ کی خواہش کے باوجود ان کے قبیلہ دوس کے لیے بدعا کی بجائے دعائے ہدایت فرمائی اسی طرح آپ کے سامنے قبیلہ بنو ثقیف کے لیے بدعا کی خواہش کا اظہار کیا گیا تو آپؐ نے ثقیف والوں کے لیے بھی دعائے ہدایت فرمائی۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں:

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ أَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيفٍ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهِمْ. قَالَ: «اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا»[2]

"لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں بنو ثقیف کے تیروں نے جلا دیا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ ثقیف والوں کو ھدایت دے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود لوگوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے بلکہ اپنے اصحابؓ کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور آسانی والا معاملہ کریں، قساوت قلبی اور سختی کا معاملہ نہ کیا کریں آپؐ کی تلقین سے صحابہ کرامؓ کا بھی رسول اکرمؐ کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ نرمی، عفو و درگزر اور آسانی پر مبنی برتاؤ ہوا کرتا تھا۔

حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں:

«وكان النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه يعفون عن المشركين، وأهل الكتاب، كما أمرهم الله، ويصبرون على الأذى، قال الله عز وجل: {ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذى كثيرا»[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا اور تکلیف پر صبر کرتے تھے۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعا للمشرکین بالھدی، رقم الحدیث: 2937

(2) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی ثقیف وبنی حنیفۃ، رقم الحدیث: 3942

(3) الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب…، رقم الحدیث: 4566

مذکورہ بالا ادلہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ نرمی، آسانی اور گنجائش کے پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں کہ بجائے سختی، قساوت قلبی اور نقصان کی خواہش کے ان کے لیے ہدایت کی خواہش کا جذبہ رکھنا چاہئے انہیں نقصان یا پریشانی کی بجائے آسانی اور سہولت دی جائے۔ان کی استطاعت، قدرت، مساکن اور ان کی طبائع کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کو وعظ و نصیحت کی جائے تاکہ دعوت مخاطبین پر مؤثر ہو سکے اور لوگوں کے لیے اکتاہٹ اور مشکلات کا سبب بننے سے اجتناب کیا جائے۔

قساوت قلبی، تلخی اور سختی کے افعال مخاطبین کے دلوں میں نفرت پیدا کر دیتے ہیں اس لیے رسول اکرم ﷺ نے ایسے تمام اسالیب کو دعوتی میدان میں اختیار کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حکمت، مواعظ حسنہ، مجادلہ احسن، نرمی، رفق، ایجاز و اختصار کو اپنانے اور جبر واکراہ کے خاتمے جیسے تمام اسالیب دعوت کے میدان میں مخاطبین اور سامعین کے لیے سہولت آسانی ،تیسیر اور گنجائش پیدا کر دیتے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے ان تمام اسالیب کو دعوت و اصلاح میں خود بھی اپنایا اور اپنے اصحابؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے دعوت کے عمل سے آسانی، تیسیر اور سہولت پر مبنی اصولوں اور اسالیب پر عمل کر کے مسلمانوں کے لیے ایک مثالی نمونہ چھوڑا تاکہ دعوت کے میدان میں قساوت قلبی، تلخی اور سختی سے کام نہ لیا جائے۔

ماحاصل

انسان کمزور ہے اس کی طبع آسانی اور سہولت کو پسند کرتی ہے مشکلات اور تنگیوں سے انسان چھٹکارا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انسانی فطرت کے مد نظر رکھتے ہوئے انسان کے لیے مشکل امور میں آسانی اور سہولت عطا فرمائی ہے شریعت اسلامیہ میں موجود تیسیر نہ صرف عبادات میں ہے بلکہ ہر معاملہ میں انسانوں کی ضروریات کے پیش نظر آسانی اور سہولت عطا کی گئی ہے۔ اس باب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل معاشرہ کی فلاح و بہبود میں تیسیر نبویؐ کے متعلق ہے کہ رسول اکرم ﷺ انسانی ضروریات میں تیسیر اور آسانی کے پہلو کو فوقیت دیتے تھے، آپ ﷺ لوگوں کی مشکلات کو دیکھ کر ان کے لیے آسانی اور تیسیر کی طرف ان کی راہنمائی کرتے تھے، ان تعلیمات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک مسلم کے لیے آپ ﷺ کس قدر گنجائش اور وسعت کا دامن رکھتے تھے ۔ معاشرتی امور ہوں خواہ معاشی معاملات ہوں لوگوں کے لیے زندگی گزارنے کا دائرہ تنگ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا جائے تو اصلاح اور بہتری کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ آپؐ معاشرتی، اخلاقی اور معاشی مسائل میں لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی حالات، استطاعت، قوت اور قدرت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لیے نرمی، وسعت اور گنجائش پیدا فرماتے تھے، ان کی تنگیوں اور مشکلات کا خاتمہ فرما دیتے تھے۔

دوسری فصل میں دعوت دین میں جو آپؐ نے نرمی اور آسانی کی تعلیمات دی ہیں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دعوت دین میں داعی کو نرمی، تدریج، آسانی اور فراخ دلی سے کام لینا چاہئے، اگر کوئی داعی نرمی اور آسانی کو پہلو کو نظر انداز کرے گا تو اس کی دعوت مؤثر نہیں ہو گی۔ دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنانے کے لیے آسانی اور نرمی کے پہلو اور لوگوں کی نفسیات اور طبائع کے خیال رکھنا بھی از حد ضروری ہے۔

مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ معاملات زندگی اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں لوگوں کی ضروریات، مشکلات اور پریشانیوں کا حتی المقدور خیال رکھنا چاہئے ان کے لیے وسعت، گنجائش اور نرمی کو ترجیح دینی چاہیے، ایسا کوئی عمل یا معاملہ نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے لوگوں کی زندگی مشکلات اور بے جا پابندیوں میں جکڑ جائے۔ اگر کوئی شخص معاملات زندگی اور دعوت و تبلیغ میں بے جا سختی، تلخی اور شقاوت قلبی سے کام لیتا ہے تو اس کا یہ عمل رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے برعکس ہے ایسے تمام افعال اور اعمال سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ سخت رویوں کی وجہ سے جہاں لوگوں کی زندگی میں مشکلات بڑھیں گی وہاں لوگ دینی تعلیمات سے راہ فرار اختیار کریں گے۔ لہٰذا لوگوں کے لیے عسر کی بجائے یسر کو ترجیح دی جائے تنگی اور حرج پیدا کرنے کی بجائے وسعت اور عدم حرج کی کوشش کی جائے۔

جہاد اور حدود و تعزیرات کی بحث باب پنجم میں آئے گی۔

⑤

بابِ پنجم

جہاد اور حدود و تعزیرات میں تیسیر نبویؐ
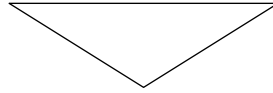
فصل اول: امورِ جہاد میں تیسیر

فصل دوم: نفاذِ حدود و تعزیرات میں تیسیر

1

فصلِ اول

امورِ جہاد میں تیسیر

امورِ جہاد میں تیسیر

جہاد کا لغوی معنی:

لفظ جہاد، جہد سے ہے اس کے معنی محنت و مشقت کے ہیں۔

امام راغب الاصفہانی لکھتے ہیں:

الجُهد و الجَهد کے معنی طاقت و مشقت کے ہیں۔ بعض نے الجَهد کے معنی مشقت اور الجُهد کے معنی وسعت کیے ہیں۔

جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ خواہش کے خلاف اپنی طاقت اور وسعت کو خرچ کیا جائے۔ اس کی تین اقسام ہیں ظاہری دشمن سے جہاد کرنا۔ شیطان سے جہاد کرنا اور نفس سے جہاد کرنا اور یہ تینوں قسمیں اس آیت میں داخل ہیں۔ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾[1] علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الجُهد، بِضَمِّ الجِيمِ، الوُسع وَالطَّاقَةُ، والجَهْدُ الْمُبَالَغَةُ وَالْغَايَةُوَالْجِهَادُ: الْمُبَالَغَةُ وَاسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِي الْحَرْبِ أَو اللِّسَانِ أَو مَا أَطاق مِنْ شَيْءٍ"[2]

جہاد کا اصطلاحی مفہوم:

علامہ کاسانی جہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"وَأَمَّا الْجِهَادُ فِي اللُّغَةِ فَعِبَارَةٌ عَنْ بَذْلِ الْجُهْدِ بِالضَّمِّ وَهُوَ الْوُسْعُ وَالطَّاقَةُ،أَوْ عَنْ الْمُبَالَغَةِ فِي الْعَمَلِ مِنْ الْجَهْدِ بِالْفَتْحِ، وَفِي عُرْفِ الشَّرْعِ يُسْتَعْمَلُ فِي بَذْلِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ بِالْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَاللِّسَانِ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ، أَوْ الْمُبَالَغَةِ فِي ذَلِكَ"[3]

> "لغت میں جہاد کا تعلق انتہائی کوشش سے وابستہ ہے۔ "الجہد" جیم کے ضمہ کے ساتھ اس کے معنی انتہائی قوت اور طاقت کے ہیں یا انتہائی عمل کرنے کے ہیں۔ "الجہد" جیم کے فتح کے ساتھ عرف عام میں اس سے مراد انتہائی طاقت اور قوت کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑائی کرتے ہوئے استعمال کرنا ہے۔ وہ جان، مال، زبان یا اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں ہو سکتی ہے۔"

---

(1) الحج22: 78

(2) لسان العرب، 3/135

(3) الکاسانی، علامہ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبعہ الجمالیۃ، مصر، 1910ء، 7/97

امام ابن حزم جہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"الْجِهَاد يَنْقَسِم أقساما ثَلَاثَة أَحدهَا الدُّعَاء إِلَى الله عز وَجل بِاللِّسَانِ وَالثَّانِي الْجِهَاد عِنْد الْحَرْب بِالرَّأْيِ وَالتَّدْبِير وَالثَّالِث الْجِهَاد بِالْيَدِ فِي الطعْن وَالضَّرْب "[1]

"جہاد تین اقسام میں منقسم ہے پہلی قسم یہ ہے کہ زبان سے دعوت الی اللہ دی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جنگ مسلط ہونے کی صورت میں حکمت اور تدبر کے ساتھ لڑا جائے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ہاتھ سے چوٹ لگا کر یا چوب لگا کر جہاد کیا جائے۔"

شیخ ابن القیم جہاد کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لَمَّا كَانَ الْجِهَادُ ذِرْوَةَ سَنَامِ الْإِسْلَامِ وَقُبَّتَهُ، وَمَنَازِلُ أَهْلِهِ أَعْلَى الْمَنَازِلِ فِي الْجَنَّةِ، كَمَا لَهُمُ الرِّفْعَةُ فِي الدُّنْيَا، فَهُمُ الْأَعْلَوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الذِّرْوَةِ الْعُلْيَا مِنْهُ، وَاسْتَوْلَى عَلَى أَنْوَاعِهِ كُلِّهَا فَجَاهَدَ فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ بِالْقَلْبِ وَالْجَنَانِ وَالدَّعْوَةِ وَالْبَيَانِ وَالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ، وَكَانَتْ سَاعَاتُهُ مَوْقُوفَةً عَلَى الْجِهَادِ بِقَلْبِهِ وَلِسَانِهِ وَيَدِهِ. وَلِهَذَا كَانَ أَرْفَعَ الْعَالَمِينَ ذِكْرًا"[2]

شاہ ولی اللہ جہاد کے طریقہ کار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اعْلَم أَن أتم الشَّرَائِع وأكمل النواميس هُوَ الشَّرْع الَّذِي يُؤمر فِيهِ بِالْجِهَادِ، وَذَلِكَ لِأَن تَكْلِيف الله عباده بِمَا أَمر وَنهى - مثله كَمثل رجل مرض عبيده، فَأمر رجلا من خاصته أَن يقيهم دَوَاء، فَلَو أَنه قهرهم على شرب الدَّوَاء، وأوجره فِي أَفْوَاههم لَكَانَ حَقًا، لَكِن الرَّحْمَة اقْتَضَت أَن يبين لَهُم فَوَائِد الدَّوَاء؛ ليشربوه على رَغْبَة فِيهِ"[3]

"جان لیں کہ تمام شریعت اور تمام قوانین میں سے وہ قانون جو کامل ہے وہ جہاد ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اوامر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کے غلام بیمار ہو رہے ہوں اور اس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک کو کہا کہ ان کو دوائی پیلا دو پس اگر وہ شخص انہیں مجبور کر کے وہ دوائی پلائے یہ مناسب نہیں ہو گا بلکہ رحمت کا تقاضا یہ ہو گا کہ وہ دوائی پلانے سے پہلے اس کے فوائد بتا دے تاکہ وہ خوشی سے پی لیں۔"

---

(1) ابن حزم، علی بن احمد، الاندلسی، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، مکتبہ الخانجی القاہرہ، 107/4

(2) ابن القیم، الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مکتبہ المنار الاسلامیہ، 1981ء، 5/3

(3) حجۃ اللہ البالغہ، 170/1

لفظ جہاد ہر اس کوشش پر بولا جاتا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی جائے، چاہے وہ زبان، قلم یا تلوار کے ساتھ ہو۔ لیکن اس کے عام طور پر معنی قتال ہی مراد لیے جاتے ہیں محدثین کرام نے کتب حدیث میں جہاد سے مراد، قتال ہی لیا ہے اس لیے احادیث کی کتب میں کتاب الجہاد کے تحت غزوات اور قتال وغیرہ کے ابواب باندھے ہیں۔

قتال کے مفہوم کی وضاحت سید قطب نے یوں فرمائی ہے:

"قتال صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو سکتا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد میں کہیں بھی دنیا کی جاہ، شہرت و نیک نامی، مال و دولت کا حصول نہ ہو۔ بلکہ یہ تمام اہداف کے بعد کا ہدف ہے کہ سارے ہتھیار ناکام ہونے کے بعد قتال پر عمل کیا جائے گا اور اس کا مقصد صرف فساد اور شر کا خاتمہ اور مؤمنین کی حیات اسلامی کا احیاء ہے اور اس کا مقام صرف اللہ کے پاس ہے۔"[1]

دین اسلام میں قتال یا جنگ کو پسند نہیں کیا گیا یہ حسن لغیرہ ہے، جب کسی جابر و ظالم کا زور توڑنا ضروری ہو جائے، لڑائی کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہ ہو اور طاقت کے استعمال سے حالات کی درستگی کی پوری امید ہو تو ایسے حالات میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کی اجازت دی ہے۔ جہاد و قتال کا مقصد یہ ہے کہ سفاکاروں کے شکنجوں سے انسانیت کو نجات دلائی جائے باالفاظ دیگریوں کہنا مناسب ہو گا کہ اسلام کا تصور جہاد زندگی کی بقاء، انسانیت کے تحفظ اور لوگوں کی سہولتوں کا خیال رکھنے پر مبنی ہے۔

شریعت اسلامیہ سے قبل بین الاقوامی مروّت کا کوئی تصور موجود نہ تھا جب قومیں یا قبیلے جنگ کرتے تھے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ بغیر مرد و زن اور چھوٹے بڑے کی تمیز کیے سب کو تہہ و تیغ کر دیا جاتا تھا اور فتح کے بعد سب کچھ لوٹ لیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت کا جب ظہور ہوا تو اس وقت بھی عربوں اور دیگر اقوام عالم میں جنگ کے ایسے ہی تصورات موجود تھے، لیکن آپ ﷺ نے جنگی قوانین میں تیسیر، سہولت اور آسانی کے دامن کو تھاما اور ایسے قوانین رائج کر دیے جن میں فریق مخالف کے لیے بہت ساری رعائتیں اور گنجائشیں پیدا کر دی گئیں، مثلاً غیر متقاتلین کے قتل کی ممانعت فرمادی اور اسی طرح آپؐ نے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر دست درازی سے منع کیا۔ دشمنوں کے درخت کاٹنے اور ان کی فصلوں کو تباہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ حقیقت بات یہ ہے کہ جہاد یا قتال کے متعلق آپؐ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ لڑائی کے خواہشمند انہ تھے۔ آپؐ نے لوگوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے مدافعانہ جنگ کو قبول کیا تھا یعنی دشمن کی جارحانہ اور سفاکانہ عداوت نے آپ ﷺ کو مدافعانہ اقدامات کرنے پر مجبور کیا۔

یہاں تک آپؐ کی جنگی حکمت عملی کا معاملہ ہے اس کا جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ نے جہاد و قتال کے جو اصول و قوانین بیان کیے ہیں ان میں دشمنوں کے لیے بہت سی رعائتیں رکھی گئی ہیں اور ان کو جینے کا حق دیا گیا ہے۔ جہاد و قتال کا مقصد مدمقابل دشمن کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کے شر اور ضرر کا خاتمہ مقصود تھا۔

---

(1) تفسیر فی ظلال القرآن، 2/101

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"جنگ کا یہ تصور ان تصورات سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے۔ اس لیے اسلام نے تمام رائج الوقت الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنی موضوع لہ پر ٹھیک ٹھیک دلالت کرتی ہے اور وحشیانہ تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔ لغت کے اعتبار سے جہاد کے معنی ہیں "کسی کام یا مقصد کے حصول میں انتہائی کوشش صرف کرنا۔" اس لفظ میں نہ تو حرب کی طرح خشم اور سلب و نہب کا مفہوم شامل ہے نہ روع کی طرح خوف و دہشت کا، نہ شر کی طرح بدی و شرارت کا، نہ نکاح کی طرح بہیمیت و حیوانیت کا اور نہ کریہہ کی طرح مصیبت و دشت کا۔ بر عکس اس کے وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ مجاہد کا اصل منشا مضرت کو رفع کرنا ہے اور اس کے لیے وہ اتنی کوشش کرنا چاہتا ہے جتنی دفع مضرت کے لیے درکار ہو۔"[1]

درج ذیل میں جہاد کے امور میں نبی کریم ﷺ کی تیسیر اور آسانی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

جنگ کی تمنا کی ممانعت:

اسلام میں جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے، شہرت کی خواہش، مال و دولت کی طمع اور دشمنی کے انتقام یا کوئی بھی دنیوی حصول کے لیے جنگ جائز نہیں ہے۔ اسلام میں جنگ ناگزیر حالات میں ہی جائز ہے جب ظلم و جبر کا خاتمہ یا اشاعت اسلام میں حائل رکاوٹ کا قلع قمع کرنا ہو تو ایسے حالات میں اس کی اجازت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے قتال اور لڑائی کی خواہش اور تمنا کرنے سے منع کیا ہے لیکن اگر دشمن کا سامنا ہو جائے تو ایسے حالات میں صبر و ثابت قدمی کی تعلیم دی ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«أيها الناس، لا تمنوا لقاء العدو، وسلوا الله العافية، فإذا لقيتموهم فاصبروا، واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف» ثم قال: «اللهم منزل الكتاب، ومجري السحاب، وهازم الأحزاب، اهزمهم وانصرنا عليهم»[2]

"اے لوگو! تم دشمن سے دوبدو ہونے کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی طلب کرو اور جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو صبر کرو اور سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر فرمایا کہ اے اللہ کتاب نازل فرمانے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور کافروں کو لرزاں وخیزاں بھگانے والے مالک تو ان کافروں کو شکست دے دے اور ہم کو ان پر فتح عنایت فرما۔"

---

(1) مودودی، ابو اعلیٰ، سید، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن، 1995ء، ص:217

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب لاتمنوا لقاء العدو، رقم الحدیث، 3024

دراصل اسلام میں عمل جہاد سے دشمنوں کو نیست ونابود کرنے کی بجائے ان کے دلوں کو فتح کرنا مراد ہے۔ آپؐ کی زندگی میں جتنی جنگیں ہوئیں ان کا مقصد زمینی ٹکڑوں کا حصول نہ تھا بلکہ فتنہ وفساد کا خاتمہ مقصود تھا۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قَالَ بن بَطَّالٍ حِكْمَةُ النَّهْيِ أَنَّ الْمَرْءَ لَا يَعْلَمُ مَا يؤول إِلَيْهِ الْأَمْرُ وَهُوَ نَظِيرُ سُؤَالِ الْعَافِيَةِ مِنَ الْفِتَنِ وَقَدْ قَالَ الصِّدِّيقُ لَأَنْ أُعَافَى فَأَشْكُرَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُبْتَلَى فَأَصْبِرَ وَقَالَ غَيْرُهُ إِنَّمَا نَهَى عَنْ تَمَنِّي لِقَاءِ الْعَدُوِّ لِمَا فِيهِ مِنْ صُورَةِ الْإِعْجَابِ وَالِاتِّكَالِ عَلَى النُّفُوسِ وَالْوُثُوقِ بِالْقُوَّةِ وَقِلَّةِ الِاهْتِمَامِ بِالْعَدُوِّ وَكُلُّ ذَلِكَ يُبَايِنُ الِاحْتِيَاطَ وَالْأَخْذَ بِالْحَزْمِ وَقِيلَ يُحْمَلُ النَّهْيُ عَلَى مَا إِذَا وَقَعَ الشَّكُّ فِي الْمَصْلَحَةِ أَوْ حُصُولِ الضَّرَرِ وَإِلَّا فَالْقِتَالُ فَضِيلَةٌ وَطَاعَةٌ وَيُؤَيِّدُ الْأَوَّلَ تَعْقِيبُ النَّهْيِ بِقَوْلِهِ وَسَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ وَأَخْرَجَ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ مِنْ طَرِيقِ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ مُرْسَلًا لَا تمنوالِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ عَسَى أَنْ تبتلوا بهم وَقَالَ بن دَقِيقِ الْعِيدِ لَمَّا كَانَ لِقَاءُ الْمَوْتِ مِنْ أَشَقِّ الْأَشْيَاءِ عَلَى النَّفْسِ وَكَانَتِ الْأُمُورُ الْغَائِبَةُ لَيْسَتْ كَالْأُمُورِ الْمُحَقَّقَةِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ الْوُقُوعِ كَمَا يَنْبَغِي فَيُكْرَهُ التَّمَنِّي لِذَلِكَ وَلِمَا فِيهِ لَوْ وَقَعَ مِنَ احْتِمَالِ أَنْ يُخَالِفَ الْإِنْسَانُ مَا وَعَدَ مِنْ نَفْسِهِ ثُمَّ أُمِرَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ وُقُوعِ الْحَقِيقَةِ انْتَهَى وَاسْتُدِلَّ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَلَى مَنْعِ طَلَبِ الْمُبَارَزَةِ وَهُوَ رَأْيُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَكَانَ عَلِيٌّ يَقُولُ لَا تَدْعُ إِلَى الْمُبَارَزَةِ فَإِذَا دُعِيتَ فَأَجِبْ تُنْصَرْ لِأَنَّ الدَّاعِيَ بَاغٍ "[1]

"ابن بطال فرماتے ہیں اس عدم تمنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم نہیں کہ کیا معاملہ ہو سکتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے فتنوں سے پناہ مانگنا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ایسی عافیت جس پر میں شکر گزار بن جاؤں یہ مجھے اس آزمائش سے زیادہ پسند ہے جس میں مبتلا ہو کر صبر کرنا پڑے۔ بعض شارحین لکھتے ہیں کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بظاہر تکبر اور خود نمائی کی ایک صورت ہے، اپنے اوپر اعتماد، بھروسہ، اپنی طاقت پر اندھا دھند وثوق اور دشمن سے لاپرواہی کا امکان ہو سکتا ہے، اور یہ سب احتیاط اور حزم کے منافی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نہی اس پر محمول ہے کہ اگر اپنے مفاد اور مصلحت کی بابت کوئی شک ہو اور اذیت پہنچنے کا خدشہ ہو ورنہ قتال فضیلت اور اطاعت والا عمل ہے۔ پہلے مفہوم کو تقویت بعد والے جملہ سے ملتی ہے " وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ "سعید بن منصور نے یحیٰ بن ابو کثیر سے مرسل روایت بیان کی ہے جس میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دشمن سے معرکہ کی تمنامت کرو کیونکہ تمہیں علم نہیں ہے، ہو سکتا ہے ان کے سبب تم آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ۔

---

(1) فتح الباری، 6/156۔157

ابن دقیق العید لکھتے ہیں موت کا سامنا چونکہ ایک دشوار اور پر کٹھن مرحلہ ہے۔ اور غیبی امور حاضر کاموں کی مانند نہیں ہوتے یہ اندیشہ خارج از امکان نہیں ہے کہ کسی بری صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے اس لیے معرکہ کی تمنا کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ حسن بصری اس حدیث سے مبارزت طلب کرنے کی ممانعت کا استدلال کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مبارزت طلب نہ کرو تاہم اگر مخالف سمت سے کوئی نام لے کر پکارے تو اس کا سامنا کرو، تم مدد کیے جاؤ گے کیونکہ بلانے والا باغی ہے۔"

جہاد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے ساتھ بغیر کسی وجہ کے لڑائی اور قتال کیا جائے بلکہ جہاد اسی صورت میں جائز ہے جب فتنہ وفساد، ظلم وجبر اور اشاعت اسلام میں حائل رکاوٹ کا خاتمہ ضروری ہو جائے۔

اظہار اسلام پر لڑائی سے دستبرداری:

جہاد کے قوانین واصول میں تیسیر اور سہولت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی فرد دوران جنگ اسلام کی قبولیت کا اقرار کرلے تو اس کے ساتھ لڑائی نہیں کی جائے گی اور نہ اس کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى الْحُرَقَاتِ فَنَذِرُوا بِنَا فَهَرَبُوا فَأَدْرَكْنَا رَجُلًا، فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَضَرَبْنَاهُ حَتَّى قَتَلْنَاهُ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟». فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلَاحِ. قَالَ: «أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَالَهَا أَمْ لَا؟ مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أُسْلِمْ إِلَّا يَوْمَئِذٍ»[1]

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک چھوٹے لشکر میں حرقات کی طرف بھیجا ان کو ہمارے حملہ کی خبر ہو گئی پس وہ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک آدمی کو ہم نے پکڑ لیا جب ہم نے اس پر قابو پالیا تو اس نے لَا إِلَهَ إِلَّا الله پڑھا (یعنی اپنے اسلام کا اقرار کیا) لیکن ہم نے اس کو مارا یہاں تک کہ قتل کر ڈالا پھر میں نے اس واقعہ کا ذکر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا الله کے مقابلہ میں کون تیری مدد کرے گا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے یہ کلمہ ہتھیار سے ڈر کر پڑھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا جو تجھے اس کی وجہ معلوم ہو گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا روز قیامت لَا إِلَهَ إِلَّا الله کے مقابلہ میں کون تیری مدد فرمائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کلمات باربار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب علی مایقال المترکون، رقم الحدیث: 2643

خواہش کی کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا (تاکہ سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے)۔"

اس حدیث کی تشریح میں شیخ حمد بن محمد بن ابراہیم لکھتے ہیں:

"فيه من الفقه أن الكافر إذا تكلم بالشهادة وإن لم يصف الأيمان وجب الكف عنه والوقوف عن قتله سواء كان بعد القدرة عليه أو قبلها.وفي قوله هلا شققت عن قلبه دليل على أن الحكم إنما يجري على الظاهر وإن السرائر موكولة إلى الله سبحانه"[1]

"اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنی زبان سے گواہی دے کہ وہ ایمان لے آیا ہے، چاہے وہ ایمان سے متصف نہ بھی ہو تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے گا اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ اس کی یہ گواہی اس پر غلبہ حاصل کرنے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو آپ ﷺ کا فرمان: " أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ"(کیا تو اس کے دل کو چیر لیا تھا) اس میں دلیل ہے کہ حکم ظاہری چیزوں پر ہو گا باطنی چیزوں کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔"

شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین فرماتے ہیں:

"حمل الناس على ظواهرهم، وأن يكل الإنسان سرائرهم إلى الله عز وجل.أولاً: اعلم أن العبرة في الدنيا بما في الظواهر؛ اللسان والجوارح، وأن العبرة في الآخرة بما في السرائر بالقلب.فالإنسان يوم القيامة يحاسب على ما في قلبه، وفي الدنيا على ما في لسانه وجوارحه، ..... أما في الدنيا بالنسبة لنا مع غيرنا، فالواجب إجراء الناس على ظواهرهم؛ لأننا لا نعلم الغيب، ولا نعلم ما في القلوب، ولا يكلف الله نفساً إلا وسعها، وقد قال النبي عليه الصلاة والسلام: ((إنما أقضي بنحو ما أسمع))ولسنا مكلفين بأن نبحث عما في قلوب الناس، ولهذا قال الله تعالى: (فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) [التوبة: 5] ، يعني المشركين إن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة؛ فخلوا سبيلهم وأمرهم إلى الله، إن الله غفور رحيم"[2]

"لوگوں کو ان کے ظاہری اعمال پر محمول کیا جائے گا اور انسانوں کے باطنی اعمال کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پہلی بات یہ جان لینی چاہیے کہ دنیا میں کوئی بھی سزا ظاہر پر ہو گی یعنی زبان اور عمل پر اور آخرت میں پوشیدہ پر یعنی دل پر۔ پس قیامت کے دن انسان کے دل پر حساب و کتاب لیا جائے گا اور دنیا میں اس کے الفاظ اور اعمال پر فیصلہ ہو گا..... دنیا میں اس مناسبت سے ہمارے لیے دوسرا معاملہ ہے۔ لوگوں کے ظاہر پر اشیاء کو واجب کیا جائے گا

---

(1) معالم السنن، 2/270

(2) شرح ریاض الصالحین، 3/277-278

کیونکہ ہم غیب کے بارے میں نہیں جانتے اور نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کے دلوں میں کیا ہے "اللہ تعالیٰ کسی بھی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا" اور نبی ﷺ کا فرمان ہے "بے شک میں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو میں سنتا ہوں" ہم اس کے مکلف نہیں ہیں کہ یہ تلاش کرنے لگ جائیں کہ لوگوں کے دلوں میں کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "پس اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کو ان کے راستے پر چھوڑ دو اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

یعنی اگر کوئی فرد اسلام کا اظہار کر دیتا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی مضمون سے متعلق ایک اور حدیث ہے جس کو حضرت مقداد بن عمرو الکندیؓ بیان کرتے ہیں:

«أنه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أرأيت إن لقيت رجلا من الكفار فاقتتلنا، فضرب إحدى يدي بالسيف فقطعها، ثم لاذ مني بشجرة، فقال: أسلمت لله، أأقتله يا رسول الله بعد أن قالها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تقتله» فقال: يا رسول الله إنه قطع إحدى يدي، ثم قال ذلك بعد ما قطعها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تقتله، فإن قتلته فإنه بمنزلتك قبل أن تقتله، وإنك بمنزلته قبل أن يقول كلمته التي قال»[1]

"میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے بتایئے کہ اگر میں کسی کافر سے بھڑ جاؤں اور باہم خوب مقابلہ ہو اور وہ میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے اور پھر درخت کی پناہ لے اور کہے میں اللہ پر ایمان لایا ہوں اور اسلام کو قبول کرتا ہوں تو اب اس اقرار کے بعد میں اس کو مار دوں یا نہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسے مت مار۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے اور اس کے بعد کلمہ پڑھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ بھی ہو اسے مت قتل کرو ورنہ اس کو وہ درجہ حاصل ہو گا جو تم کو اس کے قتل کرنے سے پہلے حاصل تھا اور پھر تمہارا وہی حال ہو جائے گا جو کلمہ اسلام کے پڑھنے سے پہلے اس کا تھا۔"

جہاد و قتال کے قوانین میں تیسر، آسانی اور گنجائش یہ ہے کہ میدان کارزار میں بھی اگر کوئی شخص اسلام کی قبولیت کا اظہار کر دے تو اس کے قتل کی بھی ممانعت فرما دی۔ اسی طرح اگر کسی خاص علاقہ یا قبیلہ کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہو اور وہ لڑائی کے دوران یا اس کے آغاز میں اقرار کر لیں کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کے ساتھ بھی جنگ نہیں کی جائے گی۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی نگرانی میں بنی جذیمہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تو ان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب بلا عنوان، رقم الحدیث: 4019

بعث النبي صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد إلى بني جذيمة، فدعاهم إلى الإسلام، فلم يحسنوا أن يقولوا: أسلمنا، فجعلوا يقولون: صبأنا صبأنا، فجعل خالد يقتل منهم ويأسر، ودفع إلى كل رجل منا أسيره، حتى إذا كان يوم أمر خالد أن يقتل كل رجل منا أسيره ، فقلت: والله لا أقتل أسيري، ولا يقتل رجل من أصحابي أسيره، حتى قدمنا على النبي صلى الله عليه وسلم فذكرناه، فرفع النبي صلى الله عليه وسلم يده فقال: «اللهم إني أبرأ إليك مما صنع خالد مرتين»[1]

"نبی ﷺ نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کے پاس بھیجا تو وہ لوگ اچھی طرح نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے بلکہ ان لوگوں نے کہا کہ ہم دین سے پھر گئے، چنانچہ حضرت خالد قتل اور قید کرنے لگے اور ہم میں سے ہر شخص کو قیدی دیے اور ہم میں سے ہر ایک کو حکم دیا کہ اپنے قیدی کو قتل کر دے، تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا، ہم نے یہ نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یا اللہ میں تیرے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد نے کیا آپ نے یہ دو مرتبہ فرمایا۔"

امور جہاد و قتال میں رسول اکرم ﷺ نے اس قدر آسانی اور تیسیر کے پہلو کو مد نظر رکھا تھا کہ آپؐ جب کسی علاقہ کی طرف صحابہ کرامؓ کے لشکر کو روانہ کرتے تو ان کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کسی بستی میں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو اس پر حملہ نہ کرو کیونکہ یہ ان کے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً يَقُولُ لَهُمْ: «إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا، أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا، فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا»[2]

"نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کو بھیجتے تو ان سے فرماتے اگر تم لوگ کہیں مسجد دیکھ لو یا اذان کی آواز سن لو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔"

رسول اکرم ﷺ کی جہاد میں حکمت عملی یہ ہوتی تھی کہ آپؐ کسی بھی بستی میں جنگ کرنے کی غرض میں جاتے تورات کی بجائے صبح کے وقت پہنچتے تھے اور اگر وہاں اذان سن لیتے تو اس بستی پر حملہ آور نہ ہوتے تھے حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

«كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا غزا قوما لم يغر حتى يصبح، فإن سمع أذانا أمسك، وإن لم يسمع أذانا أغار بعد ما يصبح، فنزلنا خيبر ليلا»[3]

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالد بن الولید بنی خذیمہ، رقم الحدیث:4339

(2) سنن الترمذی، ابواب السیر، باب بلا عنوان، رقم الحدیث:1549

(3) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب دعا النبی ﷺ الناس الی الاسلامہ.... من دون اللہ، رقم الحدیث:2943

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے جہاد کرتے تھے تو بغیر اس کے کہ صبح ہو جائے، جہاد شروع نہ کرتے، پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کی آواز سن لیتے، تو جہاد موقوف کر دیتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے، تو صبح کے بعد فوراً لڑائی کا حکم دیتے چنانچہ ہم خیبر میں بھی رات ہی کے وقت گئے تھے۔"

شیخ مبارک پوری مرعاۃ المفاتیح میں لکھتے ہیں:

"قوله: (يغير) من الإغارة. (إذا طلع الفجر) ليعلم أنهم مسلمون أو كفار. (وكان يستمع الأذان) أي يطلب سماعه، ويتوجه بسمعه إلى صوت الأذان ليعرف حالهم. (أمسك) أي عن الإغارة به. (وإلا) أي وإن لم يسمع الأذان (أغار) قال القاضي: أي كان يتثبت فيه ويحتاط في الإغارة حذراً عن أن يكون فيهم مؤمن، فيغير عليه غافلا عنه جاهلا بحاله. وفي الحديث دليل على جواز الحكم بالدليل لكونه - صلى الله عليه وسلم - كف عن القتال بمجرد سماع الأذان، وفيه الأخذ بالأحوط في أمر الدماء؛ لأنه كف عنهم في تلك الحال مع احتمال أن لا يكون ذلك على الحقيقة، وقال الخطابي: فيه بيان أن الأذان شعار لدين الإسلام"[1]

یعنی آپؐ کے طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی علاقہ یا بستی میں شعائر اسلام موجود ہوں تو وہاں کے لوگوں کو مسلم سمجھا جائے گا خواہ ان کا عمل کیسا ہی ہو۔ ان کے خلاف جنگ نہیں کی جائے گی الّا کہ وہ عقائد اسلام یا ارکان اسلام میں سے کسی کا انکار کر دیں یا ان کے اعمال سے نفاق کی صراحت ہو جائے۔

غیر محاربین کے قتل کی ممانعت:

غیر محاربین سے مراد وہ افراد ہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑائی کرنے اور ان کو جانی و مالی نقصان پہنچانے سے منع کیا ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: «اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَمْثُلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا»[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے

---

(1) مبارک پوری، عبد اللہ بن محمد، عبد السلام، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ادارۃ البحوث العلمیہ والدعوۃ والافتاء، جامعہ سلفیہ، بنارس الھند، 1404ھ، 2/366

(2) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، بَابُ تَأْمِيرِ الْإِمَامِ الْأُمَرَاءَ عَلَى الْبُعُوثِ، وَوَصِيَّتِهِ إِيَّاهُمْ بِآدَابِ الْغَزْوِ وَغَيْرِهَا، رقم الحدیث: 1731

اور مسلمان (مجاہدین) کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو عہد شکنی نہ کرو اور مثلہ (کسی کے اعضاء کاٹ کر شکل بگاڑنا) نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔"

اسی مضمون کی مزید وضاحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً، وَلَا تَغُلُّوا، وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ، وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے (مجاہدین کو بھیجتے وقت) فرمایا اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور رسول اللہ (ﷺ) کے دین پر روانہ ہو جاؤ۔ (دیکھو) قتل نہ کرنا بوڑھے آدمی کو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو اور تم مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا بلکہ مال غنیمت کو جمع کرنا اور اپنے احوال کی اصلاح کرنا اور بھلائی کرنا۔ بیشک اللہ نیکی اور بھلائی کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔"

ان احادیث میں صراحت ہو رہی ہے کہ ایسے افراد جو محاربین میں سے نہ ہوں آپ ﷺ نے ان سے لڑائی کرنے اور ان کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے ۔ آپ ﷺ نے ایک غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ لڑائی میں شامل نہ تھی تو اس کو کیوں قتل کیا گیا ہے۔[2]

علامہ الکاسانی لکھتے ہیں:

" وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ يَحِلُّ قَتْلُهُ، سَوَاءٌ قَاتَلَ أَوْ لَمْ يُقَاتِلْ، وَكُلُّ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ إِلَّا إِذَا قَاتَلَ حَقِيقَةً أَوْ مَعْنًى بِالرَّأْيِ وَالطَّاعَةِ وَالتَّحْرِيضِ "[3]

"اور اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اہل قتال میں سے ہو اس کا قتل کرنا جائز ہے وہ لڑے یا نہ لڑے اور ہر وہ شخص جو اہل قتال میں سے نہ ہو اس کا قتل جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ جب وہ حقیقت یا مخفی میں خود لڑے یا ترغیب دلائے۔"

شبخون کی ممانعت:

اہل عرب رات کو دشمنوں پر حملہ آور ہوا کرتے تھے۔ خاص طور پر رات کے اس پہر میں جب لوگ اپنی نیند میں خوب سو رہے ہوتے تھے۔ ان کی نیند کا فائدہ اٹھاتے اور ان پر حملہ کر دیتے رسول اکرم ﷺ نے اس طریقہ کو اپنانے سے منع فرمایا

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، رقم الحدیث:2614

(2) ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب الغارۃ والبیات، رقم الحدیث:2842

(3) الکاسانی، ابو بکر بن مسعود بن احمد، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ، 1966ء، 7/101

کہ غفلت میں حملہ نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ صبح سے قبل کسی بھی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے اگر رات کے وقت لشکر کسی بستی یا علاقہ کے قریب پہنچ جائے تو وہ حملہ کرنے کی بجائے صبح ہونے کا انتظار کرے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

«كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا غزا قوما لم يغر حتى يصبح، فإن سمع أذانا أمسك، وإن لم يسمع أذانا أغار بعد ما يصبح، فنزلنا خيبر ليلا»[1]

"رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم سے جہاد کرتے تھے تو بغیر اس کے کہ صبح ہو جائے، جہاد شروع نہ کرتے، پھر اگر آپ ﷺ اذان کی آواز سن لیتے، تو جہاد موقوف کر دیتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے، تو صبح کے بعد فوراً قتل و خونریزی کا حکم دیتے چنانچہ ہم خیبر میں بھی رات ہی کے وقت گئے تھے۔"

یہ صرف خیبر کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کا اصول ہی یہ تھا کہ آپ رات کو کسی علاقہ یا بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے۔

تباہ کاری اور نقصان کی ممانعت:

رسول اکرم ﷺ نے ان تمام افعال سے منع کر دیا تھا جن کی وجہ سے دشمنوں کو نقصان پہنچایا جاتا تھا یا ان کے اموال وغیرہ کو تباہ و برباد کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسے تمام امور کی ممانعت فرما دی اور ان کو حرام قرار دے دیا تاکہ لوگ نقصان سے بچ سکیں۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: «اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَمْثُلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا»[2]

"رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو آپ ﷺ اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور مسلمان (مجاہدین) کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو عہد شکنی نہ کرو اور مثلہ (یعنی کسی کے اعضاء کاٹ کر شکل بگاڑنا) نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔"

آپ جب کسی لشکر کو جہاد کے لیے روانہ کرتے تو آپ ﷺ ان کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کا نقصان کم سے کم ہو۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب دعا النبی ﷺ الناس الی الاسلامہ.... من دون اللہ، رقم الحدیث: 2943

(2) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب تامیر الامام والامراء علی البحوث، رقم الحدیث: 1731

لوٹ مار کی ممانعت:

عام طور پر لشکر یا فوجیں غالب آجائیں تو وہ ماتحتوں کے مال و متاع کو لوٹ لیتی ہیں اور ان کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں اس طرح کی شکایت موصول ہوئی تو آپ نے اعلان کر دیا کہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے گا تو اس کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

حضرت معاذ بن انس اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

غَزَوْتُ مَعَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ كَذَا وَكَذَا، فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيقَ، فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِي فِي النَّاسِ «أَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ»[1]

"ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر فلاں فلاں جہاد کیا ہے پس لوگوں نے اترنے کی جگہ کو تنگ کیا اور راستے مسدود کر دیئے (یعنی چلنے کے لئے جگہ نہ چھوڑی) تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے جائے قیام کو تنگ کیا اور راستہ بند کیا اس کو جہاد کا ثواب نہ ملے گا۔"

شیخ ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"«مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا، أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا، فَلَا جِهَادَ لَهُ»: أَيْ: لَيْسَ لَهُ كَمَالُ ثَوَابِ الْمُجَاهَدَةِ لِإِضْرَارِهِ النَّاسَ"[2]

"جس نے راستہ تنگ کیا یا ختم کر دیا پس اس کا کوئی جہاد نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف سے ملنے والے نقصان کی وجہ سے اس کی کوشش کا کامل ثواب نہیں ملے گا۔"

رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کے راستے تنگ کر کے ان کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا یہ عمل اس قدر ناپسند کیا کہ جہاد جیسے عظیم عمل کو ہی ساقط کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار صحابہ کرامؓ کے پاس لوٹا ہوا مال دیکھا تو اس کے بارے میں فرمایا کہ لوٹا ہوا مال مردار ہے۔

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ النَّاسَ حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ وَجَهْدٌ، وَأَصَابُوا غَنَمًا فَانْتَهَبُوهَا، فَإِنَّ قُدُورَنَا لَتَغْلِي إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي عَلَى قَوْسِهِ، فَأَكْفَأَ قُدُورَنَا بِقَوْسِهِ، ثُمَّ جَعَلَ يُرَمِّلُ اللَّحْمَ بِالتُّرَابِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ النُّهْبَةَ لَيْسَتْ بِأَحَلَّ مِنَ الْمَيْتَةِ» أَوْ

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یؤمر من انضمام العسکر وسعتہ، رقم الحدیث: 2629

(2) مرقاۃ المصابیح شرح مشکاۃ المصابیح، 6/2522

«إِنَّ الْمَيْتَةَ لَيْسَتْ بِأَحَلَّ مِنَ النُّهْبَةِ»[1]

"ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں روانہ ہوئے پس لوگوں کو دوران سفر کھانے پینے کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر کچھ بکریاں ملیں ہر شخص نے جو پایا لوٹ لیا پس ہماری دیگچیاں ابل رہی تھیں (یعنی ان میں گوشت پک رہا تھا) اتنے میں آپ ﷺ اپنی کمان ٹیکتے ہوئے تشریف لائے اور اپنی کمان سے ہماری دیگچیاں الٹ دیں اور گوشت کو مٹی میں لتھیڑنے لگے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا لوٹ کا مال مردار سے کم نہیں ہے۔ یا یہ فرمایا کہ مردار لوٹ کے مال سے کچھ کم نہیں ہے۔"

ایک اور حدیث میں آپ نے اس کی واضح طور پر ممانعت فرمادی:

« نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن النهبى والمثلة»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے نہبہ (لوٹ مار) اور مثلہ (ناک کان وغیرہ کاٹنے) سے منع فرمایا ہے۔"

غزوہ خیبر میں جب مسلمانوں میں سے کچھ افراد نے لوٹ کھسوٹ شروع کر دی تو یہودیوں کے ایک سردار نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے سختی سے منع کر دیا کہ کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی گھر میں داخل ہو کر لوٹ مار کرے اور ساتھ یہ فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ قرآن میں جو چیزیں ہیں صرف وہی حرام ہیں اس کو بھی قرآن کی حرام کردہ اشیاء کی طرح ہی حرام سمجھو۔

حضرت عرباض بن ساریہ اسلمیؓ بیان کرتے ہیں:

نَزَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ وَمَعَهُ مَنْ مَعَهُ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَكَانَ صَاحِبُ خَيْبَرَ رَجُلًا مَارِدًا مُنْكَرًا، فَأَقْبَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَلَكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا حُمُرَنَا، وَتَأْكُلُوا ثَمَرَنَا، وَتَضْرِبُوا نِسَاءَنَا، فَغَضِبَ - يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَقَالَ: " يَا ابْنَ عَوْفٍ ارْكَبْ فَرَسَكَ ثُمَّ نَادِ: أَلَا إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِمُؤْمِنٍ، وَأَنِ اجْتَمِعُوا لِلصَّلَاةِ "، قَالَ: فَاجْتَمَعُوا، ثُمَّ صَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ: «أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ، قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ، أَلَا وَإِنِّي وَاللهِ قَدْ وَعَظْتُ، وَأَمَرْتُ، وَنَهَيْتُ، عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ، أَوْ أَكْثَرُ، وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ، وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ، وَلَا أَكْلَ ثِمَارِهِمْ، إِذَا أَعْطَوْكُمُ الَّذِي عَلَيْهِمْ»[3]

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی النہی عن النھبۃ اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو، رقم الحدیث: 2705

(2) الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب النہی بغیر اذن صاحبہ، رقم الحدیث: 2474

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب فی تعشیر اہل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ، رقم الحدیث: 3050

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں اترے۔ اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اصحاب بھی تھے اور خیبر کا حاکم ایک شریر اور سرکش شخص تھا۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس آیا اور بولا اے محمدؐ! کیا تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ہمارے گدھوں کو ذبح کر ڈالو ہمارے پھل کھاجاؤ اور ہماری عورتوں کو مارو۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا اور فرمایا اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور یہ اعلان کر دو کہ جنت حلال نہیں ہے مگر مومن کے لئے اور نماز کے لئے جمع ہو جاؤ پس سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو گئے اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد آپؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انہی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے اچھی طرح سن لو میں نے تم کو نصیحت کی اور حکم کیا اور چند باتوں کی ممانعت کی اور یہ سب چیزیں اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ قرآن میں ہیں یا اس سے زائد۔ اور اہل کتاب کے گھروں میں داخلہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال نہیں کیا مگر اجازت سے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنا جائز ہے اور نہ ان کے پھل کھانا مگر جب کہ وہ پھل وغیرہ تم کو اس طرح دیئے جائیں جس طرح دینا ان پر مقرر کیا گیا ہے (یعنی بطور جزیہ)"

بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل کی ممانعت:

اسلام میں جنگ کے اصول و قوانین میں اس قدر گنجائش اور تیسیر موجود ہے کہ دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہتھیار اٹھانے، اذیت دینے اور ان کو قتل کرنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں مقتولہ کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم، «فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتل النساء والصبيان»[1]

"رسالت مآب ﷺ نے کسی جہاد میں ایک قتل شدہ عورت دیکھی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرمادی۔"

شیخ حمزہ محمد قاسم لکھتے ہیں:

"دل هذا الحديث على تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، وهو أمر مجمع عليه فيما إذا لم يقاتلوا أو يختلطوا بالرجال. أما إذا قاتلت المرأة أو الصبي، أو اختلطوا بالرجال، فيجوز قتلهم عند الجمهور لما جاء في حديث ابن عمر أنه - صلى الله عليه وسلم - لما دخل مكة أتي بامرأة مقتولة

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء فی الحرب، رقم الحدیث: 3015

فقال: " ما كانت هذه تقاتل " أخرجه الطبراني، قال الصنعاني: قوله: " ما كانت هذه تقاتل " يدل على أنها إذا قاتلت قتلت، وإليه ذهب الشافعي وأبو حنيفة أيضاً. اهـ. وأما جواز قتل المرأة إذا اختلطت بالرجال المقاتلين فيدل عليه حديث البخاري عن الصعب بن جثامة أن النبي - صلى الله عليه وسلم - سئل عن أهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم وذراريهم قال: " هم منهم " أخرجه الستة، فدل ذلك على جواز قتل النساء والصبيان إذا لم يمكن الوصول إلى الرجال إلا بقتلهم وقال مالك والأوزاعي: لا يجوز قتلهم حتى لو تترس أهل الحرب بهم"[1]

ایک اور حدیث میں ہے رسول اکرم ﷺ نے بچوں، عورتوں کے علاوہ بوڑھوں کو بھی قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللهِّ وَبِاللهِّ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِّ، وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً، وَلَا تَغُلُّوا، وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ، وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَّ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے (مجاہدین کو بھیجتے وقت) فرمایا اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور رسول اللہ (ﷺ) کے دین پر روانہ ہو جاؤ۔ (دیکھو) قتل نہ کرنا بوڑھے آدمی کو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو اور تم مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا بلکہ مال غنیمت کو جمع کرنا اور اپنے احوال کی اصلاح کرنا اور بھلائی کرنا۔ بیشک اللہ نیکی اور بھلائی کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔"

فصلوں، باغات اور درختوں کی تباہ کاری کی ممانعت:

جنگ میں عام طور پر دہشت پھیلانے کے لیے درختوں، فصلوں اور باغات وغیرہ کو تباہ کر دیا جاتا ہے اس کا مقصد لوگوں میں خوف وہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ تاکہ لوگ ڈر جائیں اور مقابلہ کرنے کی ہمت نہ کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی ہدایات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ایسے تمام افعال جن کی وجہ سے دہشت یا خوف وہراس پھیلتا ہے ان کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں:

" كَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ: " انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللهِ

---

(1) منار القاری شرح مختصر الجامع الصحیح، 4/118

(2) سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین، رقم الحدیث:2614

"، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ: " وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا طِفْلًا، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا شَيْخًا كَبِيرًا، وَلَا تُغَوِّرُنَّ عَيْنًا، وَلَا تَعْقِرُنَّ شَجَرَةً إِلَّا شَجَرًا يَمْنَعُكُمْ قِتَالًا أَوْ يَحْجِزُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ، وَلَا تُمَثِّلُوا بِآدَمِيٍّ وَلَا بَهِيمَةٍ، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تَغُلُّوا"[1]

"نبی کریم ﷺ مسلمانوں میں سے کسی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ کرتے تو آپ فرماتے: اللہ کا نام لے کر چلو۔ اس حدیث کو ذکر کیا جس میں ہے۔ چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خراب نہ کرنا صرف ان درختوں کو جو لڑائی کرنے میں رکاوٹ ہوں یا تمہارے اور مشرکین کے درمیان میں آڑ بن رہے ہوں کے علاوہ درختوں کو تباہ نہ کرنا۔ کسی آدمی یا جانور کا مثلہ نہ کرنا۔ دہشت اور خوف نہ پھیلانا۔"

مثلہ کی ممانعت:

عام طور پر جنگوں کے دوران دشمنوں کی لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے ان کے اعضاء وغیرہ کو کاٹ کر ان کی شکل و صورت کو بگاڑا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ جب جنگ کے دوران کسی آدمی کا قتل ہو جائے تو اس کے اعضاء کاٹ کر لاش کو خراب نہ کیا جائے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں:

«ان النبی ﷺ نہی عن المثلة»[2]

"نبی ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع کیا ہے۔"

مزید آپؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"ان الله كتب الاحسان على كل شئي فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبيح وليحداحدكم شغرته واليرح ذبيحته "[3]

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو لکھ دیا ہے جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو، جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو سکون پہنچائے۔"

نبی اکرم ﷺ مثلہ کی ممانعت پر اس قدر زور دیتے تھے کہ آپؐ اپنے اکثر خطبوں میں اس کا ذکر کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اس طرح کے افعال جس میں میت کی بے حرمتی ہوتی ہو وہ نہ کیے جائیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں:

---

(1) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب جماع ابواب السیر، باب ترک قتل من لا قتال فیہ من الرہبان والکبیر وغیرھما، رقم الحدیث: 18155

(2) احمد بن محمد، ابو جعفر، شرح معانی الآثار، کتاب الجنایات، باب الرجل یقتل رجلا کیف یقتل؟، رقم الحدیث: 5020، عالم الکتب، 1414ھ

(3) ایضاً

« مَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً إِلَّا " أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ، وَنَهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ»[1]

"آپ ﷺ جب بھی ہمیں واعظ کرتے اس میں صدقہ کرنے کا حکم دیتے اور مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔"

اسی ضمن میں ایک اور حدیث بیان ہوئی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو صدقہ کرنے اور مثلہ سے اجتناب کرنے پر ابھارتے تھے۔

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّنَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔"

رسول اکرم ﷺ نے مثلہ کی ممانعت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزو جل کا یہ حکم ہے کہ اس کے بندوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔

حضرت یعلیٰ بن مرۃ الثقفیؓ بیان کرتے ہیں:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللهُ: لَا تُمَثِّلُوا بِعِبَادِي »[3]

"میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے میرے بندوں کا مثلہ مت کرو۔"

آپ ﷺ نے جس طرح جان کو محترم قرار دیا اسی طرح انسانی لاش کو بھی قابل احترام قرار دیا ہے۔ جنگ بدر میں مشرکین کی لاشیں کھلے میدان میں پڑی تھیں۔ گرمی کا موسم تھا۔ ان لاشوں سے بدبو پھیل رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے اکثر پر مٹی ڈالوادی۔ باقی لاشوں کو بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا تھا تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو۔

جنگ خندق میں "اتحادی" خندق کی وجہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں بے بس ہو گئے تھے ایک دن چار شہسواروں نے گھوڑوں کو پیچھے سے دوڑا کر جست لگائی تو وہ ایک کم چوڑائی والی جگہ سے خندق پار کر گئے۔ ان میں سے ایک شہسوار عمرو بن عبدود نے مقابلہ کے لیے للکارا، تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی تین مقابلہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ ان پیچھے ہٹنے والوں میں ایک نوفل تھا جو خندق میں گر پڑا مسلمانوں نے نیزوں پر بھر لیا اور حضرت علیؓ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ قریش مکہ نے نوفل کی لاش حاصل کرنے کے لیے دس ہزار درہم کی پیشکش کی۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہیں مسلمان بھی شاید اس کی لاش میں وہی سلوک کریں گے جو عام دستور ہے۔ ان کی اس پیش کش پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا۔ لاش دے دو قیمت کی ضرورت نہیں ہم لاشوں کی قیمت نہیں لیا کرتے۔[4]

---

(1) مسند احمد، رقم الحدیث: 19858

(2) سنن ابی داوٗد، کتاب الجہاد، باب فی النہی عن المثلۃ، رقم الحدیث: 2667

(3) مسند احمد، 17568

(4) کیلانی، عبد الرحمان، مولانا، نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، مکتبہ السلام، لاہور، ص: 176-177

قتل اسیر (قیدی) کی ممانعت:

عربوں کا دستور تھا کہ قیدیوں کے ساتھ انتہائی برا سلوک کرتے تھے ان کو مختلف طرح کی اذیتیں دے کر قتل کر دیتے تھے عام طور پر جنگوں کے موقع پر بھی پوری دنیا میں یہی روش جاری تھی کہ قیدیوں کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا جاتا ان کو ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس قیدیوں کو لایا گیا تو وہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کا حسن سلوک دیکھ کر قبول اسلام کے لیے تیار ہو گئے۔ قیدیوں کے ساتھ جو رسول اکرم ﷺ نے سلوک کیا تھا وہ اس طرح کا تھا کہ بعض مواقع پر آپ نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا بعض کو تبادلہ کے ذریعے چھوڑ دیا اور بعض کو غلام بنایا جن کو غلام بنایا تھا، دور نبویؐ میں جیل خانہ جات موجود نہیں تھے کہ جہاں قیدیوں کو رکھا جائے ان کی حفاظت کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ قیدیوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ان کی رہائش وخوراک اور نگہداشت کی ذمہ داری بھی ان پر تھی۔

دور نبویؐ کے قیدیوں کے بارے میں مولانا عبد الرحمان کیلانی لکھتے ہیں:

"دور نبویؐ کے کل اسیر ان جنگ کی تعداد 6872 ہے جن میں 70 فدیہ لے کر چھوڑے گئے۔ 6202 صرف ازراہ احسان چھوڑ ہی نہیں دیئے گئے بلکہ ان پر مزید احسان بھی کئے گئے۔ 300 اسیر ان جنگ (یہودیوں) کو لونڈی، غلام اور 400 کو تہ تیغ کیا گیا یہ فیصلہ انہی کے پسندیدہ ثالث کا فیصلہ تھا اور یہ ان کی مسلسل عہد شکنیوں اور سازشوں کی سزا انہیں قدرت کی طرف سے ملی تھی۔" [1]

رسول اکرم ﷺ نے قیدیوں یا مفتوحین کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا دشمنان اسلام اس کے معترف تھے وہ بھی رسول اکرم ﷺ کی صفت نرمی سے خوب واقف تھے اس کی مثال فتح مکہ کے موقع پر یوں ملتی ہے۔

«قَالَ لَهُمْ حِينَ اجْتَمَعُوا فِي الْمَسْجِدِ: "مَا تَرَوْنَ أَنِّي صَانِعٌ بِكُمْ؟ " قَالُوا:خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ. قَالَ: " اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ "» [2]

"جب وہ مسجد میں جمع تھے تو آپ نے ان سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ بہتر کرو گے کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہو تو آپؐ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"فتح مکہ کے دن آپ نے جو عفو و درگزر کی مثال قائم کی تھی اس کے ہوتے ہوئے حضورؐ پر تشدد پسندی اور سنگ دلی کا الزام لگانا پرلے درجے کی سنگ دلی ہے۔ اس موقع پر حضورؐ نے بیک جنبش لب ان لوگوں کو معاف کرنے کا

---

(1) نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، ص:182

(2) السنن الکبری، کتاب جماع ابواب السیر، باب فتح مکہ حرمھا اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث:18276

اعلان کیا تھا۔ جنہوں نے گزشتہ اس سال کے عرصہ میں آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ عفو و درگزر کے یہ حیران کن مظاہرے صرف وہی ہستی کر سکتی ہے جس کو بارگاہ حمدیت سے رحمت عالم ہونے کا اعزاز ملا ہو۔" [1]

ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرنے لگے کہ ہمیں ہمارے قیدی اور مال واپس کر دیں تو آپؐ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے فرمایا کہ دونوں میں سے کوئی ایک چیز منتخب کر لو۔

«قام حين جاءه وفد هوازن مسلمين، فسألوه أن يرد إليهم أموالهم وسبيهم، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: " معي من ترون، وأحب الحديث إلي أصدقه، فاختاروا إحدى الطائفتين: إما السبي، وإما المال، وقد كنت استأنيت بكم ". وكان أنظرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بضع عشرة ليلة حين قفل من الطائف، فلما تبين لهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غير راد إليهم إلا إحدى الطائفتين، قالوا: فإنا نختار سبينا، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسلمين، فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال: «أما بعد، فإن إخوانكم قد جاءونا تائبين، وإني قد رأيت أن أرد إليهم سبيهم، فمن أحب منكم أن يطيب ذلك فليفعل، ومن أحب منكم أن يكون على حظه حتى نعطيه إياه من أول ما يفيء الله علينا فليفعل» فقال الناس: قد طيبنا ذلك يا رسول الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إنا لا ندري من أذن منكم في ذلك ممن لم يأذن، فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاؤكم أمركم» فرجع الناس، فكلمهم عرفاؤهم، ثم رجعوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبروه أنهم قد طيبوا وأذنوا هذا الذي بلغني عن سبي هوازن»[2]

"رسول اللہ ﷺ کے پاس بنو ہوازن مسلمان ہو کر آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے استدعا کی کہ آپ ﷺ نے ان کے قیدی اور ان کا مال و اسباب ان کو واپس کر دیں تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا مجھے وہی بات پسند ہے جو بالکل سچی ہے تم ایک چیز اختیار کر لو مال یا قیدی اور میں نے صرف تمہاری وجہ سے تقسیم میں تاخیر کی ہے اور سرور عالم ﷺ نے اپنی طائف سے واپسی کے بعد کچھ اوپر دس راتوں تک ان کے آخری جواب کا انتظار کیا جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ صرف ایک ہی چیز انہیں واپس دیں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے قیدی مانگتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے مجمع میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جس کا وہ سزاوار ہے اور اس کے بعد فرمایا اے مسلمانو! تمہارے یہ بھائی شرک سے توبہ کر کے ہمارے پاس آئے ہیں اور میں مناسب خیال

(1) الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، ضیاء النبی پبلیشرز، لاہور، ص:547

(2) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: یوم حنین اذ اعجبتکم... غفور رحیم، رقم الحدیث:4318

کرتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دوں لہذا جو شخص پاکیزگی کو دوست رکھتا ہے اس کو یہ کام کر ڈالنا چاہیے اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہتا ہے تو وہ بھی اپنے حصہ کا قیدی ان کو دے دے اور ایسے شخص کو ہم اس کے حصہ کے بدلے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہم کو جو نیا مال عنایت کرے گا اس کا حصہ ادا کریں گے یہ سن کر سب لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم ان لوگوں کو ان کے قیدی اپنا اپنا حصہ لئے بغیر ہی دینا پسند کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے اس کی اجازت دی اور کس نے اجازت نہیں دی لہذا مناسب یہ ہے کہ تم سب واپس چلے جاؤ اور تمہارے سردار تمہارے امور کی نیابت کریں تو سب لوگوں نے لوٹ کر اپنے سرداروں سے بات کی اور پھر سرداروں کے مندوب نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا کہ سب لوگ بخوشی دے رہے ہیں اور ہوازن کے قیدیوں کی بابت یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا اس کی مثال غزوہ بدر میں یوں ملتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو جب قید کر کے آپ کے سامنے حاضر کیا گیا تو ان کے بدن پر قمیص نہیں تھی آپ نے ان کو قمیص پہنوا دی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«لما كان يوم بدر أتي بأسارى، وأتي بالعباس ولم يكن عليه ثوب، «فنظر النبي صلى الله عليه وسلم له قميصا، فوجدوا قميص عبد الله بن أبي يقدر عليه، فكساه النبي صلى الله عليه وسلم إياه، فلذلك نزع النبي صلى الله عليه وسلم قميصه الذي ألبسه» قال ابن عيينة كانت له عند النبي صلى الله عليه وسلم يد فأحب أن يكافئه»[1]

"جنگ بدر میں قیدی گرفتار کئے گئے جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی لائے گئے جن کے جسم پر کپڑا نہیں تھا رسول اللہ ﷺ ان کے لئے ایک قمیص تلاش کرنے لگے اور لوگوں نے عبد اللہ بن ابی کا کرتہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جسم پر ٹھیک بیٹھتا تھا ڈھونڈ نکالا جو آپ ﷺ نے حضرت عباس کو پہنایا اسی وجہ سے رسالت مآب ﷺ نے اپنا کرتہ اسے دیا تھا جو عبد اللہ بن ابی کو پہنایا گیا ابن عیینہ نے کہا کہ رسالت مآب ﷺ پر اس نے کچھ احسان کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے چاہا کہ اس کی مکافات کر دیں۔"

دہشت پھیلانے اور ہنگامہ برپا کرنے کی ممانعت:

عام طور پر جنگوں سے قبل یا ان کے بعد دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ دشمن ڈر جائے غزوہ خیبر میں صحابہ کرامؓ نے عرب کے اسی دستور پر عمل کرتے ہوئے بلند آواز میں نعرہ بازی کی تو رسول

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الکسرۃ بلا سازی، رقم الحدیث: 3008

اکرم ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں:

كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكنا إذا أشرفنا على واد، هللنا وكبرنا ارتفعت أصواتنا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «يا أيها الناس اربعوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا، إنه معكم إنه سميع قريب، تبارك اسمه وتعالى جده»[1]

"ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم کسی وادی میں اترتے تو لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے اور ہماری آواز بلند ہو جاتی اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ، کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ تو تمہارے ساتھ ہی ہے۔ بے شک وہ سننے والا اور تم سے بہت قریب ہے۔ برکتوں والا ہے۔ اس کا نام اور اس کی عظمت بہت ہی بڑی ہے۔"

دشمن کی لاشوں کو نذر آتش کرنے کی ممانعت:

بعض اوقات انتقام کی آگ انسان کو یہاں تک لے آتی ہے کہ انسان اپنے دشمن کو قتل کرنے کے بعد بھی اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا نہیں کر پاتا اور اس کے بعد مزید اس لاش کو جلاتا ہے تاکہ وہ انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر سکے۔ رسول اکرم ﷺ نے دشمن کی لاش کو نذر آتش کرنے سے منع فرمادیا تھا کہ کسی بھی لاش کو جلایا نہ جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

«بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعث فقال: «إن وجدتم فلانا وفلانا فأحرقوهما بالنار»، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أردنا الخروج: «إني أمرتكم أن تحرقوا فلانا وفلانا، وإن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما»[2]

"رسالت مآب ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ فلاں فلاں آدمی مل جائیں تو ان کو آگ میں جلا ڈالنا پھر جب ہم لوگ جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تم سے کہا تھا کہ فلاں فلاں کو نذر آتش کر دینا لیکن آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لہٰذا اگر تم کو وہ مل جائیں تو ان دونوں کو قتل کر دینا۔"

حضرت ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ کے بارے میں علم ہوا کہ انہوں نے کسی قوم کو نذر آتش کر دیا ہے تو حضرت عبد اللہ بن

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، رقم الحدیث:2992

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب لایعذب بعذب اللہ، رقم الحدیث:3016

عباسؓ نے فرمایا:

لو كنت أنا لم أحرقهم لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «لا تعذبوا بعذاب الله» [ص:62]، ولقتلتهم كما قال النبي صلى الله عليه وسلم: «من بدل دينه فاقتلوه»[1]

"میں اگر ان کی جگہ پر ہوتا تو ہر گز نہ جلاتا کیونکہ رحمۃ للعالمین نے فرمایا ہے کہ عذاب الٰہی سے کسی کو سزا نہ دینا اور میں تو ان کو قتل کر دیتا جیسا کہ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنا مذہب تبدیل کر دے تو اس کو جان سے مار ڈالو۔"

رسول اللہ ﷺ نے نذر آتش کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ آگ کا عذاب وہی ذات دے سکتی ہے جس نے آگ کو پیدا کیا ہے کسی اور فرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی انسان کو آگ کا عذاب دے۔

حضرت عبد الرحمان اپنے والد عبد اللہؓ سے بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمَرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا، فَجَاءَتِ الْحُمَرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا». وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ: «مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ؟» قُلْنَا: نَحْنُ. قَالَ: «إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»[2]

"ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے آپ ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو بچے تھے ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا زمین پر گر کر پر بچھانے لگی اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس کا بچہ پکڑ کر کس نے اس کو بے قرار کیا؟ اس کا بچہ اس کو دیدو اور آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک سوراخ دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے جلایا؟ ہم نے کہا ہم نے جلایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ آگ سے تکلیف پہنچائے سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے۔"

اسلحہ کے ضیاع کی ممانعت:

جنگوں میں اسلحہ زیادہ استعمال کر کے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اسلام میں جنگ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ لوگوں کی ظلم و زیادتی اور اشاعت اسلام میں رکاوٹ کا خاتمہ مقصود ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ نصیحت فرمائی کہ اسی وقت ہی تیر چلائے جائیں جب اس کی ضرورت ہو بلا

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یعذب اللہ بعذب اللہ، رقم الحدیث: 3017

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی کراھیۃ حرق العدو بالنار، رقم الحدیث: 2675

وجہ تیر نہ چلائے جائیں۔

حضرت ابو اسیدؓ فرماتے ہیں:

قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر: «إذا أكثبوكم فارموهم، واستبقوا نبلكم» [1]

”رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ہی لوگوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جب کافر تمہارے قریب آجائیں تو اس وقت تیر مارو اور اپنے تیروں کو ضائع نہ کرو۔“

رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت میں یہ حکمت ہے کہ عام طور پر جنگوں اور لڑائیوں میں اس قدر اسلحہ چلایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان لوگوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے جنہوں نے جنگ میں کسی طرح بھی حصہ نہیں لیا ہوتا۔ مثلاً بچے، بوڑھے اور عورتیں تمام اس کی زد میں آجاتے ہیں آپؐ نے اسی لیے ممانعت فرمائی کہ غیر محاربین کو اس سے نقصان نہ پہنچے۔

مسلمانوں کے لیے امور جہاد میں مزید آسانیاں:

رسول اکرم ﷺ نے جہاں قتال اور لڑائیوں کے اصول وضوابط میں تیسیر کے پہلو کو مد نظر رکھا وہاں آپ نے مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی احوال کا بھی لحاظ فرمایا۔ مسلمانوں کی ضروریات زندگی اور میدان جہاد میں جانے کی مشکلات اور مجبوریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت کے لیے میدان جہاد میں جانے میں انفرادی اور اجتماعی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں تو میں ہر سریہ (جس لشکر کو رسول اکرم ﷺ نے خود روانہ کیا ہو لیکن آپؐ نے اس میں شرکت نہ کی ہو) میں خود حصہ لیتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَا مِنْ كَلْمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهِ حِينَ كُلِمَ، لَوْنُهُ لَوْنُ دَمٍ، وَرِيحُهُ مِسْكٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ أَبَدًا، وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ، وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً، وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ، ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ» [2]

”جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد کی جان ہے اللہ کے راستہ میں کسی کو جو بھی زخم لگتا ہے قیامت کے دن جب آئے گا اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا اور اس کی خوشبو مشک کی ہو گی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں، میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں اللہ کے راستہ میں جنگ کرنے والے لشکر کا

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب بلا عنوان، رقم الحدیث:3984

(2) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ، رقم الحدیث:1876

ساتھ کبھی نہ چھوڑتا لیکن میں اتنی وسعت نہیں پاتا کہ ان سب لشکر والوں کو سواریاں دوں اور نہ وہ اتنی وسعت پاتے ہیں اور ان پر مشکل ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں جہاد کروں پھر مجھے قتل کیا جائے پھر جہاد کروں تو مجھے قتل کیا جائے پھر جہاد کروں تو مجھے قتل کیا جائے۔"

آپ ﷺ کا سریہ میں شرکت نہ کرنا بھی اس لیے تھا کہ میری امت کے لیے آسانی اور سہولت رہے کہ اگر وہ کسی جنگ میں شرکت نہ کر سکیں تو ان کے لیے گنجائش موجود رہے۔

شوہر کے لیے جہاد کی رخصت:

رسول اکرم ﷺ کے پاس جب لوگ جہاد کے وقت اپنی مجبوریاں اور مشکلات بیان کرتے تو آپؐ ان کے احوال و ضروریات کے دیکھتے ہوئے ان کے لیے گنجائش اور سہولت پیدا کر دیتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

فقام رجل فقال: يا رسول الله، اكتتبت في غزوة كذا وكذا، وخرجت امرأتي حاجة، قال: «اذهب فحج مع امرأتك»[1]

"ایک شخص نے رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا نام فلاں فلاں جہاد میں لکھ دیا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جانے والی ہے فرمایا جاؤ لوٹ جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ فریضہ حج ادا کرو۔"

حج عورتوں کے لیے جہاد کے قائم مقام:

عورتیں مردوں کے مقابلہ میں نازک ہوتی ہیں میدان جہاد و قتال میں چونکہ دشمن کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور وہاں طاقت اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے جنگ میں حصہ لینا عورتوں کے لیے مشکل امور میں سے تھا اس لیے آپ ﷺ نے ان کو یہ سہولت دی کہ وہ حج کرنے کو ہی اپنا جہاد سمجھیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

استأذنت النبي صلى الله عليه وسلم في الجهاد، فقال: «جهادكن الحج»[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی بابت اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا جہاد تو حج ہے۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب من اکتتب فی جیش فخرجت امراتہ حاجۃ، رقم الحدیث:3006

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب جہاد النساء، رقم الحدیث:2875

خدمت والدین کو جہاد پر ترجیح:

ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور جہاد کی اجازت کی درخواست کرنے لگا تو آپؐ نے فرمایا کہ والدین کی خدمت کرو تمہارا یہی جہاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فاستأذنه في الجهاد، فقال: «أحي والداك؟»، قال: نعم، قال: «ففيهما فجاهد»[1]

”رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آکر میدان جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی تو سرور عالم نے دریافت فرمایا کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں اس پر ارشاد ہوا کہ جاؤ اور انھیں کی خدمت میں لگے رہو۔“

دعوت و تبلیغ کو جہاد پر فضیلت:

رسول اکرم ﷺ کی رحمت، برداشت اور صفت تیسیر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے لڑائی کی بجائے دعوت و تبلیغ کو ترجیح دی ہے۔ اور اس کے ذریعے کسی فرد کا قبول اسلام کر لینے کو دنیا کی بہترین چیز قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا:

«انفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم، ثم ادعهم إلى الإسلام، وأخبرهم بما يجب عليهم، فوالله لأن يهدي الله بك رجلا خير لك من أن يكون لك حمر النعم»[2]

”تم سیدھے جاکر ان کے میدان میں اتر پڑو پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوں گے وہ بتاؤ قسم اللہ کی! تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو (اسلام کی طرف) ہدایت فرما دینا تمہارے لئے سرخ (عمدہ) اونٹوں سے بہتر ہے۔“

حضرت علیؓ کو رسول اکرم ﷺ نے یہ بات غزوہ خیبر کے موقع پر علم (پرچم) دیتے ہوئے فرمائی تھی کہ اگر کوئی تمہاری دعوت پر اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بہتر ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد لوگوں کو مارنا یا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ ان کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصد ہے، اس لیے آپ ﷺ نے عین لڑائی کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف توجہ دلائی کہ لڑائی کے دوران اس چیز کو مدنظر رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میدان جہاد میں جہاد کی اصل روح کو نظر انداز کر دیں۔

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الجہاد باذن الابوین، رقم الحدیث:3004

(2) الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل من اسلم علی یدیہ رجل، رقم الحدیث:3009

مفتوحین سے حسن سلوک:

دنیا میں جنگوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو فاتحین نے مفتوحین کے ساتھ ہمیشہ انتقامی رویہ روا رکھا ہے، مفتوحین کی تذلیل و تحقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن اس کے بالکل برعکس مفتوحین کے ساتھ جس قدر رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی نے تیسیر، درگزر، عفو اور آسانی کا پہلو رکھا ہے تاریخ عالم میں اس طرح کی امثلہ ناپید ہیں۔ اہل مصر کے بارے میں فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تم مصر کو فتح کرنے کے بعد ان لوگوں سے بھلائی اور خیر کا معاملہ کرنا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمَّى فِيهَا الْقِيرَاطُ، فَإِذَا فَتَحْتُمُوهَا فَأَحْسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا، فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا» أَوْ قَالَ «ذِمَّةً وَصِهْرًا»»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم لوگ مصر کو فتح کرو گے وہ ایسی زمین ہے کہ جس میں قیراط کا لفظ بولا جاتا ہے تو جب تم مصر میں داخل ہو تو وہاں کے رہنے والوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا تم پر حق بھی ہے اور رشتہ بھی۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا ان کا حق بھی ہے اور دامادی کا رشتہ بھی۔“

آپ ﷺ نے جہاں مصر کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی فرما دی کہ اہل مصر سے برا سلوک نہ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

یہودیوں سے نرمی:

فتح خیبر کے بعد اہل خیبر مسلمانوں کے ماتحت زندگی بسر کرنے لگے تھے ایک دن خیبر کا ایک آدمی قتل ہو گیا تو قاتل کا معلوم نہ ہو سکا تو رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی دیّت صدقہ کے اونٹوں سے ادا کی تاکہ ان کے نقصان کا ازالہ ہو جائے۔

حضرت بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أن رجلا من الأنصار يقال له - سهل بن أبي حثمة أخبره: أن نفرا من قومه انطلقوا إلى خيبر، فتفرقوا فيها، ووجدوا أحدهم قتيلا، وقالوا للذي وجد فيهم: قد قتلتم صاحبنا، قالوا: ما قتلنا ولا علمنا قاتلا، فانطلقوا إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالوا: يا رسول الله، انطلقنا إلى خيبر، فوجدنا أحدنا قتيلا، فقال: «الكبر الكبر» فقال لهم: «تأتون بالبينة على من قتله» قالوا: ما لنا بينة، قال: «فيحلفون» قالوا: لا نرضى بأيمان اليهود، فكره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبطل دمه، فوداه

---

(1) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب وصیۃ النبی ﷺ باہل مصر، رقم الحدیث:2543

مائة من إبل الصدقة»[1]

"انصار میں سے ایک شخص نے جس کا نام سہل بن ابی حثمہ تھا، بیان کیا کہ ان کی قوم کے کچھ لوگ خیبر گئے، وہاں پہنچ کر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ان میں سے ایک کو مقتول پایا تو وہاں کے لوگوں سے انہوں نے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہ تو قاتل ہیں اور نہ ہی قاتل کو جانتے ہیں چنانچہ ان لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ، ہم خیبر گئے تو ہم نے اپنے میں سے ایک کو مقتول پایا، آپ نے فرمایا کہ بڑا۔ بڑا۔ یعنی بڑا آدمی گفتگو کرے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم گواہی پیش کرو گے کہ کس نے اس کو قتل کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس گواہ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے، انہوں نے کہا کہ ہم تو یہود کی قسموں سے راضی نہیں ہیں، تو آپ نے اس کا خون باطل کرنا پسند نہ کیا اور بیت المال سے دیّت دیدی۔"

خیبر کے یہود مسلمانوں کے ماتحت تھے اور انصار کے آدمی کا قتل بھی خیبر میں ہوا تھا، حقیقی قاتل کے معلوم نہ ہونے پر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو ذمہ دار ٹھہرا سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کو ذمہ دار ٹھہرانے کی بجائے صدقہ کے اونٹوں سے اس آدمی کی دیت ادا کر دی۔

لبید بن الاعصم ایک یہودی نے رسول اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کئی ایک دن تکلیف میں مبتلا رہے اس کے باوجود آپؐ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

«قلت: يا رسول الله: أفلا استخرجته؟ قال: «قد عافاني الله، فكرهت أن أثور على الناس فيه شرا»[2]

"میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اس کی تحقیق نہ کروں؟ (دوسرے نسخہ کے مطابق آپ ﷺ نے تحقیق کیوں نہ کی) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ نے عافیت دے دی اس لئے میں نے لوگوں میں اس کی برائی کو مشہور کرنا مناسب نہ سمجھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس (کنگھی) کے دفن کرنے کا حکم دیا (جو دفن کر دی گئی)"

عبد اللہ بن ابی (منافق) ایک مجلس میں تھا رسول اللہ ﷺ بھی اس میں تشریف لے گئے تو اس نے کچھ باتیں جن کی وجہ سے وہاں جھگڑا ہو گیا تو آپ نے لوگوں کو خاموش اور ٹھنڈا کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے واپس آ گئے اور یہ سارا واقعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ اس کو معاف کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب القسامۃ، رقم الحدیث:6898

(2) الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب السحر، رقم الحدیث:5763

«وكان النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه يعفون عن المشركين، وأهل الكتاب، كما أمرهم الله، ويصبرون على الأذى، قال الله عز وجل: {وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا } [آل عمران: 186]»[1]

"رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا اور تکلیف پر صبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا (اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔)"

عبد اللہ بن ابی نے مسلمانوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا ایک موقع پر اس کے غلیظ جملے سن کر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ مجھے اجازت دے دیں میں اس کا کام تمام کر دوں۔ حدیث میں ہے:

«دعني أضرب عنق هذا المنافق، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «دعه، لا يتحدث الناس أن محمدا يقتل أصحابه»[2]

"مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں نبی ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ اپنے اور اغیار کے لیے بہت زیادہ مہربان تھے اور ان سے تیسیر اور آسانی کا معاملہ فرماتے تھے کہ یہی عبد اللہ بن ابی جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش تھا، جب اس کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کو اپنی قمیص بھی پہنائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت بھی فرمائی۔

«لما توفي عبد الله بن أبي، جاء ابنه عبد الله بن عبد الله إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأله أن يعطيه قميصه يكفن فيه أباه، فأعطاه، ثم سأله أن يصلي عليه، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فقام عمر فأخذ بثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله تصلي عليه، وقد نهاك ربك أن تصلي عليه؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما خيرني الله فقال: {استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرة} [التوبة: 80] وسأزيده على السبعين "قال: إنه منافق، قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنزل الله: {ولا تصل على أحد منهم مات

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب و تسمعن من الذین اوتوا الکتاب.....، رقم الحدیث: 4566

(2) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب قول سراء علیہم استغفون لہم، رقم الحدیث: 4905

أبدا، ولا تقم على قبره} [التوبة: 84]»[1]

”جب عبد اللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور حضور سے کہا کہ اپنا کرتہ اس کے کفن کے لئے دیدیجئے آپ ﷺ نے دے دیا پھر وہ کہنے لگے کہ آپ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیجئے آپ نے چلنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ منافق کی نماز پڑھا رہے ہیں اور دعائے مغفرت فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو اس سے منع فرمایا ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو اختیار دیا ہے کہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر ان کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کی جائے گی تو بھی میں ان کو نہیں بخشوں گا۔ لہذا میں اس کے لئے ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ تو منافق ہے آخر آپ ﷺ نے نماز پڑھا دی۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ (وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا الخ۔) یعنی اے رسول! ان منافقوں سے جو بھی مرے اس کی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر جاؤ۔“

خیبر میں ایک یہودیہ عورت نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا آپ ﷺ کو اس کا علم بھی ہو گیا تھا اس کے باوجود اس کو سزا نہ دی، صحابہ کرامؓ کی خواہش تھی کہ اس عورت کو سزا دی جائے تو آپ ﷺ نے ان کی خواہش کے برعکس فیصلہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے کرتے ہیں:

«أن يهودية أتت النبي صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة، فأكل منها، فجيء بها فقيل: ألا نقتلها، قال: «لا»، فما زلت أعرفها في لهوات رسول الله صلى الله عليه وسلم»[2]

”ایک یہودی عورت زہر آلود بکری لے کر آئی اس میں سے آپ ﷺ نے کھا لیا اس عورت کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیوں نہ ہم اسے قتل کر دیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں اس کا اثر نبی ﷺ کے تالو میں برابر دیکھتا رہا۔“

مشرکین کے لیے تیسیر نبوی:

مشرکین مکہ اسلام کے اولین دشمن تھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کو مسلسل تنگ کرتے رہے تشدد اور تعصب میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ ان کے ظالمانہ اقدام کی وجہ سے کرنا پڑی تھیں۔ ان کے ساتھ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو نرمی اور تیسر کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر مذاہب عالم میں کہی دکھائی نہیں دیتی، حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ نے اپنے نمائندہ کو صلح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ قریش کی شرطوں پر صحابہؓ نے خدشہ کا اظہار

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ استغفر لھم اولا...، رقم الحدیث: 4670

(2) الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب قبول الھدیۃ من المشرکین، رقم الحدیث: 2617

بھی کیا اور بعض اصحابؓ نے ان شرطوں اور قریش کے رویہ پر اعتراض بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے صلح کو پسند کیا اور صحابہ کرامؓ کی پسند کے بالکل مخالف فیصلہ کرتے ہوئے صلح نامہ لکھوایا تا کہ لڑائی کی بجائے صلح سے معاملات طے کیے جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: «اكْتُبْ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ»، قَالَ سُهَيْلٌ: أَمَّا بِاسْمِ اللهِ، فَمَا نَدْرِي مَا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَلَكِنِ اكْتُبْ مَا نَعْرِفُ بِاسْمِكَ اللهُمَّ، فَقَالَ: «اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ»، قَالُوا: لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ لَاتَّبَعْنَاكَ، وَلَكِنِ اكْتُبِ اسْمَكَ وَاسْمَ أَبِيكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ»[1]

> ”جن قریشیوں نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی ان میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا لکھو بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سہیل نے کہا کہ بسم اللہ تو ہم نہیں جانتے بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہے البتہ بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھو جسے ہم جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے۔
>
> (کفار) نے کہا اگر ہم آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ ﷺ کی پیروی کرتے بلکہ آپ ﷺ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں نبی ﷺ نے فرمایا محمد بن عبد اللہ کی طرف سے لکھو۔“

اس صلح میں نبی کریم ﷺ نے نہ صرف قریش اور مسلمانوں بلکہ دیگر قبائل کو بھی شامل کر لیا کہ اگر قبائل عرب میں کوئی بھی قبیلہ قریش یا مسلمانوں کے ساتھ الحاق کر لیتا ہے تو اس کو بھی اس صلح کی شرائط کا پابند ہونا پڑے گا اور وہ بھی ان شرائط پر عمل کرتے ہوئے اپنے حریف سے انتقام نہیں لے گا۔

دشمنان اسلام کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ، ہمدردی، شفقت، عفو و درگزر، آسانی، تیسیر اور گنجائش کا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ ان کے خلاف اگر تشدد، تعصب سے کام لیتے تو جنگوں کے اصول و قوانین میں کبھی ان کے لیے نرمی اور آسانی کا پہلو نہ رکھتے۔ آپ ﷺ کی نرمی اور عفو و درگزر ہی تھا کہ دشمنان دین کی سازشوں کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کا مظاہرہ کیا ورنہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں کسی کافر کو قبول نہ کیا جاتا اور مدینہ میں کنٹرول حاصل ہو جانے کے بعد کسی یہودی کو وہاں نہ ٹھہرنے دیا جاتا۔ منافقین کا طرز عمل سب کے سامنے واضح کر دیا جاتا اور نجران، ثقیف اور بنو نضیر کو کبھی برداشت نہ کیا جاتا۔ دشمنانِ دین کے ساتھ امن و صلح کے میثاق و معاہدے رسول اکرم ﷺ کی تیسیر، آسانی اور رحمت کو مزید اجاگر کرتے ہیں۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیہ، رقم الحدیث: 1784

2

فصلِ دوم

نفاذِ حدود و تعزیرات میں تیسیر

نفاذِ حدود و تعزیرات میں تیسیر

شریعت نے معاشرتی جرائم پر جو سزائیں مقرر کیں ہیں فقہ کی اصطلاحی میں انہیں "حدود" کہا جاتا ہے جب کہ ان کے علاوہ ایسی سزائیں جن کی تعین کو مسلمانوں کے اولوالامر کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے انہیں "تعزیر" کہا جاتا ہے۔

انسان اپنے اختیار کا بسا اوقات سوء استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے۔ زمین پر امن و امان کو بر قرار رکھنے کے لیے کسی تدبیر کی ضرورت تھی کہ کس جرم یا گناہ میں کتنی تنبیہ و تادیب ہونی چاہئے اور کس طریقہ سے ہونی چاہئے۔ انسان کی عزت و آبرو اور جانی ومالی حفاظت کے لیے شریعت اسلامیہ نے بڑے بڑے گناہوں اور جرائم کی خود سزائیں مقرر فرمائیں قرآن مجید اور حدیث میں سات جرائم کی کی سزا بیان ہوئی ہیں:

1۔ محاربہ
2۔ قتل
3۔ زنا
4۔ قذف
5۔ چوری
6۔ شربِ خمر
7۔ ارتداد

ان کے علاوہ چھوٹے اور ادنیٰ جرائم کی صورتوں میں جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اہل علم ودانش کوئی تعزیر، سزا مقرر کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن جرائم کی سزا مقرر کی ہے رسول اکرم ﷺ نے ان کا اطلاق کرتے ہوئے ضابطے اور قاعدے مقرر فرمائے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جرم کیے بغیر ہی کسی کو جرم کی سزا دے دی جائے، رسول اکرم ﷺ کے طریقہ تنفیذِ حدود سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تحقیق و تصدیق کے بغیر کسی بھی جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ حدود کے نفاذ کے لیے پختہ شواہد اور باوثوق دلائل ہونا ضروری ہیں۔ جب کسی جرم کا واقع ہونا پختہ دلائل سے ثابت ہو جائے تو ایسے معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جائے گی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1]

---

(1) النور24: 2

"زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان سے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

«وَايْمُ اللهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ، لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1]

"اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔"

لہٰذا جو شخص ثبوت جرم کے بعد سزا کا مستحق قرار پا جائے اس کے لیے ہرگز گنجائش پیدا نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[2]

"اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

یعنی ان کو نشانہ عبرت بنا دیا جائے تاکہ کسی دوسرے فرد میں امن و امان کو خراب کرنے کی جرات و ہمت پیدا نہ ہو سکے۔ جن جرائم میں اللہ تعالیٰ نے حدود نافذ کی ہیں ان جرائم کی وجہ سے فتنہ و فساد جنم لیتا ہے اس لیے ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والے افراد کو سزا بھی لوگوں کی موجودگی میں دی جائے تاکہ اس طرح کے گناہوں کی سزا کا سب کو اندازہ ہو۔

نفاذِ حدود کی اہمیت وافادیت:

رسول اکرم ﷺ نے حدود کی اہمیت وافادیت کی طرف اشارہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"الحد يُقَام فِي الأَرْض خير لأهل الأَرْض من أَن يمطروا ثَلَاثِينَ صباحا"[3]

"زمین میں حدود کا قیام زمین والوں کے لیے صبح کے وقت تیس دن پڑنے والی بارش سے بہتر ہے۔"

امام ابن تیمیہ نفاذِ حدود کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدود کا نفاذ ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔ نفاذِ حدود میں حاکم کو نرمی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور ان حدود کے ذریعے لوگوں کو منکرات سے روکنا چاہیے حدود کے عدم نفاذ سے معاشرے میں فساد واقع ہو جائے گا۔ یہ حدود اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق کے لیے موجب رحمت ہیں یہ جلب منفعت اور دفع ضرر کا سبب بنتی ہیں۔ ان کی عبارت ملاحظہ کریں:

---

(1) سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب الشفاعۃ فی الحدود، رقم الحدیث: 2547

(2) المائدہ 5: 38

(3) المنذری، عبد العظیم بن عبد القوی، ابو محمد، الترغیب و الترہیب، کتاب الحدود، باب الترغیب فی اقامۃ الحدود والترھیب ... ، رقم الحدیث: 3539، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

"فَإِنَّ إِقَامَةَ الْحَدِّ مِنْ الْعِبَادَاتِ، كَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَيَنْبَغِي أَنْ يَعْرِفَ أَنَّ إِقَامَةَ الْحُدُودِ رَحْمَةٌ مِنْ اللَّهِ بِعِبَادِهِ: فَيَكُونُ الْوَالِي شَدِيدًا فِي إِقَامَةِ الْحَدِّ، لَا تَأْخُذُهُ رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ فَيُعَطِّلُهُ. وَيَكُونُ قَصْدُهُ رَحْمَةَ الْخَلْقِ بكف الناس عن المنكرات؛ لا شفاء غيظه، وإرادة العلو على الخلق: بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ إذَا أَدَّبَ وَلَدَهُ؛ فَإِنَّهُ لَوْ كَفَّ عَنْ تَأْدِيبِ وَلَدِهِ -كَمَا تُشِيرُ بِهِ الْأُمُّ رِقَّةً وَرَأْفَةً- لَفَسَدَ الْوَلَدُ، وَإِنَّمَا يُؤَدِّبُهُ رحمة به، وإصلاحا لحاله؛ مع أن يَوَدُّ وَيُؤْثِرُ أَنْ لَا يُحْوِجَهُ إلَى تَأْدِيبٍ، وَبِمَنْزِلَةِ الطَّبِيبِ الَّذِي يَسْقِي الْمَرِيضَ الدَّوَاءَ الْكَرِيهَ، وَبِمَنْزِلَةِ قَطْعِ الْعُضْوِ الْمُتَآكِلِ، وَالْحَجْمِ، وَقَطْعِ الْعُرُوقِ بالفساد، وَنَحْوِ ذَلِكَ؛ بَلْ بِمَنْزِلَةِ شُرْبِ الْإِنْسَانِ الدَّوَاءَ الْكَرِيهَ، وَمَا يُدْخِلُهُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ الْمَشَقَّةِ لِيَنَالَ بِهِ الرَّاحَةَ. فَهَكَذَا شُرِعَتْ الْحُدُودُ، وَهَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ نِيَّةُ الْوَالِي فِي إِقَامَتِهَا، فإنه مَتَى كَانَ قَصْدُهُ صَلَاحَ الرَّعِيَّةِ وَالنَّهْيَ عَنْ الْمُنْكَرَاتِ، بِجَلْبِ الْمَنْفَعَةِ لَهُمْ، وَدَفْعِ الْمَضَرَّةِ عَنْهُمْ، وَابْتَغَى بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ تَعَالَى، وَطَاعَةَ أَمْرِهِ: أَلَانَ اللَّهُ لَهُ الْقُلُوبَ، وَتَيَسَّرَتْ لَهُ أَسْبَابُ الْخَيْرِ، وَكَفَاهُ الْعُقُوبَةَ الْبَشَرِيَّةَ، وَقَدْ يُرْضِي الْمَحْدُودَ، إذَا أَقَامَ عَلَيْهِ الْحَدَّ. وَأَمَّا إذَا كَانَ غَرَضُهُ الْعُلُوَّ عَلَيْهِمْ، وَإِقَامَةَ رِيَاسَتِهِ لِيُعَظِّمُوهُ، أَوْ لِيَبْذُلُوا لَهُ مَا يُرِيدُ مِنْ الْأَمْوَالِ، انْعَكَسَ عَلَيْهِ مَقْصُودُهُ"[1]

قیام حدود میں احتیاط لازم ہے:

حدود کا نفاذ کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ بڑے احتیاط سے کام لیتے تھے کیونکہ تمام جرائم ہر گز ایک نوعیت کے نہیں ہوتے تمام میں ایک ہی طرح سزا دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لیے جرائم پر سزاؤں کا اطلاق کرتے ہوئے آپ ﷺ قومی، شخصی احوال، مساکن اور استطاعت کا لحاظ رکھتے تھے۔ تاکہ حدود اللہ کا اطلاق بھی ہو جائے اور مجرم کے لیے آسانی اور اصلاح کا راستہ بھی بند نہ ہو۔ کیونکہ بعض جرائم مجبوری اور اضطراری حالات کی بنا پر ہوتے ہیں ان میں تھوڑی سزا بھی کارگر ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حدود کو بیان کرتے ہوئے بھی اپنے بندوں سے آسانی اور تیسیر کا معاملہ فرمایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں خون بہا دینے کی صورت میں بھی سہولت رکھی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾[2]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی

---

(1) ابن تیمیہ، احمد بن حلیم، تقی الدین، السیاسۃ الشرعیہ، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، سعودی عرب، 1418ھ، 1/79

(2) البقرہ 2: 178

نے قتل کیا ہو تو آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔"

محاربہ کی سزا بیان کرتے ہوئے بھی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں تاکہ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جائے۔

﴿إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ * اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلّت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ.... تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

اسی طرح زنا، قذف اور چوری کی سزاؤں اور ان کے جرم کی نوعیت کے متعلق شروحات حدیث، تفاسیر اور فقہ کی امہات الکتب میں طویل ابحاث موجود ہیں۔ جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں سزاؤں کا مقصد صرف سزا یا خوف پیدا کرنا نہیں بلکہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ کر کے امن و امان کی فضا قائم کرنا مقصد ہے۔

مجرم اور جرم کی سنگین کا لحاظ:

بعض اوقات بڑی سے بڑی سزا بھی معمولی ہو سکتی ہے اور کبھی کبھی معمولی نوعیت کی سزا بھی بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی احادیث سے اس بات کی توضیح ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حدود اللہ کا نفاذ کرتے وقت گناہ و جرم کی نوعیت کا لحاظ فرماتے تھے اور آپ ﷺ ایسا فیصلہ صادر کیا کرتے تھے جس میں گنجائش اور آسانی کا پہلو موجود رہے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"وَاعْلَم أَنه كَانَ من شَرِيعَة من قبلنَا الْقصاص فِي الْقَتْل، وَالرَّجم فِي الزِّنَا وَالْقطع فِي السّرقَة، فَهَذِهِ الثَّلَاث كَانَت متوارثة فِي الشَّرَائِع السماوية وأطبق عَلَيْهَا جَمَاهِير الْأَنْبِيَاء والأمم، وَمثل هَذَا يجب أَن يُؤْخَذ

---

(1) المائدہ 5: 33-34

عَلَيْهِ بالنواجذ، وَلَا يتْرك، وَلَكِن الشَّرِيعَة المصطفوية تصرفت فِيهَا بِنَحْوِ آخر، فَجعلت مزجرة كل وَاحِد على طبقتين: إِحْدَاهمَا الشَّدِيدَة الْبَالِغَة أقْصَى المبالغ، وَمن حَقّهَا أَن تجْعَل فِي الْمعْصِيَة الشَّدِيدَة، وَالثَّانِيَة دونهَا، وَمن حَقّهَا أَن تجْعَل فِيمَا كَانَت الْمعْصِيَة دونهَا."[1]

"جان لو قتل کی صورت میں قصاص، زنا کی صورت میں رجم اور چوری کی صورت میں ہاتھ کاٹنے کی سزائیں، ہم سے پہلی شریعتوں میں بھی موجود تھی۔ یہ تینوں سزائیں آسمانی شریعتوں میں متواتر چلی آرہی ہیں اور ان پر انبیاء اور اقوام عالم کی اکثریت کا اتفاق رہا ہے۔ چنانچہ اسی طرح کی سزاؤں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے اور انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے۔ البتہ شریعت میں ان سزاؤں میں ایک اور طرح کا تصرف کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر جرم کی سزا کے دو دو درجے بیان کیے گئے ہیں، ایک بے حد سخت اور آخری درجہ سزا، جس کا حق یہ ہے کہ اسے سنگین قسم کے جرم میں نافذ کیا جائے اور دوسری اس سے کم تر سزا جس کا حق یہ ہے کہ اسے پہلے کی نسبت کم سنگین جرم میں نافذ کیا جائے۔"

اسلام کی حدود میں بظاہر عسر نظر آتا ہے لیکن اگر ان سزاؤں پر نظر عمیق ڈالی جائے تو ان میں کوئی عسر دکھائی نہیں دے گا، بلکہ ان میں انسانوں کے لیے یسر ہی یسر ہو گا۔

حدود کے نفاذ کے سلسلہ میں جرم کی سنگینی اور مجرم کے احوال کا بھی خیال رکھا جائے جہاں نفاذ حدود ہو وہاں شریعت و قانون کی آسانیوں اور سہولتوں سے بھی پہلو تہی نہ کی جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں نفاذ حدود کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنی امت کے لیے کس قدر نرمی، لطافت اور رحم موجود تھا۔

حدود میں پردہ پوشی کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نفاذ حدود کے جو واقعات ملتے ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدود کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہے کہ سزا کے بہانے تلاش کیے جائیں اور تلاش بسیار کے بعد زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے بلکہ حدود کی روح یہ نظر آتی ہے کہ وہاں چشم پوشی اور درگزر سے کام لیا جائے تاکہ سزا کی بجائے اصلاح کے مواقع میسر آئیں۔ لوگ جرم سزا یا ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے مقام و عظمت اور معاشرے میں عزت و وقار کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ادْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ لَهُ مَدْفَعًا»[2]

"اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک تم حد کو ساقط کرنے کی صورت پاؤ تو حد کو ساقط کر دو۔"

---

(1) حجۃ اللہ البالغہ، 2/245

(2) سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب الستر علی المومن ودفع الحدود بالشبہات، رقم الحدیث: 2545

رسول اکرم ﷺ کے الفاظ سے واضح اشارہ مل رہا ہے کہ اسلام میں حدود کا مقصد سزاؤں کا عام کرنا نہیں ہے بلکہ جرائم کا خاتمہ کرنا مقصود ہے یعنی قاضی کی کوشش یہ نہیں ہونی چاہیے کہ وہ سزا کے بہانے تلاش کرے بلکہ خیر کا پہلو نکالے تاکہ لوگوں کے لیے اصلاح کی گنجائش، سہولت اور آسانی کا خاتمہ نہ ہو۔

شیخ زین الدین محمد الموعو بعبد الرؤف اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"بأن الدفع عنهم من تعظيم مالكهم (ما وجدتم له) أي للحد الذي هو واحد الحدود أو للدفع المفهوم من ادفعوا أي لا تقيموها مدة دوام وجودكم لها (مدفعا) كمصرع أي تأويلا يدفعها لأن الله تعالى كريم عفو يحب العفو والستر {إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب أليم} ومن ثم ندب للحاكم إذا أتاه نادم أقر بحد ولم يفسره أن لا يستفسره بل يأمره بالستر فإن كان مما يقبل الرجوع عرض له به كما فعل المصطفى صلى الله عليه وسلم إلا أن هذا مقيد بما إذا لم يكن الفاعل معروفا بالأذى والفساد فعدم الإغضاء عنه أولى كما مر بل قد يجب عدم الستر عليه لأن الستر يطغيه نص عليه مالك وغيره قال الحراني: والدفع رد الشيء بغلبة وقهر عن وجهته التي هو منبعث إليها"[1]

امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن ابن ماجہ "ابو اب الحدود" میں ایک باب باندھا ہے 'باب الستر على المؤمن و دفع الحدود بالشبهات' اس میں انہوں نے جہاں نفاذِ حدود کے متعلق حدیث ذکر کی ہے وہاں جرائم پر پردہ ڈالنے کی دو احادیث کو ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»[2]

"جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ دنیا آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔"

دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

«مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، كَشَفَ اللهُ عَوْرَتَهُ، حَتَّى يَفْضَحَهُ بِهَا فِي بَيْتِهِ»[3]

---

(1) فیض القدیر شرح الجامع الصحیح، 1/229

(2) سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب الستر علی المومن و دفع الحدود بالشبھات، رقم الحدیث:2544

(3) سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب الستر علی المومن و دفع الحدود بالشبھات، رقم الحدیث:2546

"جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیب پوشی کی اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی عیب پوشی فرمائیں گے اور جس نے مسلمان کی پردہ دری کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری فرمائیں گے۔ کہ گھر بیٹھے اسے رسوا فرمادیں گے۔"

درج بالا باب کے تحت ان احادیث کو بیان کرنے سے امام صاحب کا مقصود بھی یہی تھا کہ سزا کی بجائے پردہ پوشی کی جائے، تشہیر کی بجائے ستر سے کام لیا جائے کیونکہ پردہ پوشی نہ کرنے سے آسانی اور تیسیر کا راستہ ختم ہو جاتا ہے۔

حدود میں تیسیر اور سہولت کا پہلو غالب رکھنے کے بارے میں آپؐ کا ایک اور فرمان ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا:

«ادرؤا الحدود بالشبهات»[1]

"شبہات کی بناء پر حدود نافذ نہ کرو۔"

اسی مفہوم کی وضاحت میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« ادْرَءُوا الْحُدُودَ مَا اسْتَطَعْتُمْ عَنِ الْمُسْلِمِينَ ۚ فَإِنْ وَجَدْتُمْ لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا فَخَلُّوا سَبِيلَهُ ۚ فَإِنَّ الْإِمَامَ لَأَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ ۚ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ»[2]

"جتنی تم طاقت رکھتے ہو مسلمانوں کو سزاؤں سے بچاؤ۔ اگر تم کسی مسلم کے لیے سزا سے بچنے کا راستہ تلاش کر سکتے ہو تو کرو، کسی قاضی کا کسی فرد کے لیے معافی میں خطاء کر جانا اس کو سزا دینے کی خطاء کرنے سے بہتر ہے۔"

اسلام میں نفاذ حدود کا مقصود امن و امان کی صورت حال کو بہتر رکھنا ہے نہ کہ فی الفور سزائیں دینا ہے۔ اسی لیے آپؐ کے فرمان سے یہی استدلال ہو سکتا ہے کہ حتی المقدور جرائم کی سزاؤں سے پردہ پوشی کی جائے تاکہ اصلاح کی گنجائش اور سہولت و آسانی کا راستہ کھلا رہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حدود میں کوئی شک و شبہ کا عنصر پایا جائے تو حدود کا اطلاق نہ کیا جائے، تاہم یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ان احادیث کی اسناد کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے، جس کی وجہ سے شبہات کی صورت میں بندوں کے لیے کوئی بچاؤ کا راستہ 'نکالنا' کے موقف میں تقویت نہیں رہتی اور تیسیر، سہولت، آسانی اور گنجائش کی بجائے غلطی کی سزا کے موقف کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کی اسناد میں کلام کی وجہ سے بعض افراد حدود و تعزیرات میں کسی قسم کا یسر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ وہ جرائم، گناہوں اور غلطیوں کی صورت میں سزا اور حد کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ حدود و تعزیرات کے باب میں غور و فکر اور تدبر کرنے کے بعد یہی موقف مضبوط اور قوی تر نظر آتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نفاذِ حدود کے سلسلے میں تخفیف و تیسیر کے پہلو کو ہمیشہ مد نظر رکھا گیا ہے، غلطی کی صورت میں سزا کی بجائے معافی کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس موقف کے بہت سارے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر شیخ ملا علی القاری کے بحث پر

---

(1) الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، کتاب الحدود، باب ان الحد لا یجد بالتہم وانہ یسقط بالشبہات، دار الحدیث، مصر، 7/125

(2) سنن الدارقطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، رقم الحدیث: 3097

اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اس موضوع سے متعلقہ روایات کو جمع کرنے اور فقہاء کے استدلالات اور موقف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"فَالْحَاصِلُ مِنْ هَذَا كُلِّهِ كَوْنُ الْحَدِّ يُحْتَالُ فِي دَرْئِهِ بِلَا شَكٍّ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ هَذِهِ الِاسْتِفْسَارَاتِ الْمُفِيدَةَ لِقَصْدِ الِاحْتِيَالِ لِلدَّرْءِ كُلِّهِ كَانَتْ بَعْدَ الثُّبُوتِ لِأَنَّهُ كَانَ صَرِيحَ الْإِقْرَارِ، وَبِهِ الثُّبُوتُ، وَهَذَا هُوَ الْحَاصِلُ مِنْ هَذِهِ الْآثَارِ، وَمِنْ قَوْلِهِ: («ادْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ») فَكَانَ هَذَا الْمَعْنَى مَقْطُوعًا بِثُبُوتِهِ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ، فَكَانَ الشَّكُّ فِيهِ شَكًّا فَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ، وَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَقَعُ الِاخْتِلَافُ أَحْيَانًا فِي بَعْضٍ أَهِيَ شُبْهَةٌ صَالِحَةٌ لِلدَّرْءِ أَوْ لَا؟ وَبَيَّنَ الْفُقَهَاءُ فِي تَقْسِيمِهَا وَتَسْمِيَتِهَا اصْطِلَاحًا إِلَى آخِرِ مَا ذَكَرَهُ الْمُحَقِّقُ، وَاللهُ الْمُوَفِّقُ"[1]

حدِ زنا کے اجراء میں تیسیر:

شک و شبہ کی بنا پر کبھی حدود کا نفاذ نہیں ہو سکتا نفاذ حدود کے لیے قوی شواہد اور مضبوط ثبوتوں کا ہونا ضروری ہے جرم کے ثبوت کے دلائل میں ہلکا سا سقم بھی حد کو ختم کر دے گا، نفاذ حدود کے لیے شریعت اسلامیہ نے سخت شرائط مقرر کی ہیں اگر ان شرائط کو دیکھا جائے تو جرم ثابت کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی نفاذ حدود کے چند ایک واقعات ہی ملتے ہیں اور ان میں بھی سزا کی بجائے رحمت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من الناس وهو في المسجد، فناداه: يا رسول الله، إني زنيت، يريد نفسه، فأعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم فتنحى لشق وجهه الذي أعرض قبله، فقال: يا رسول الله، إني زنيت، فأعرض عنه، فجاء لشق وجه النبي صلى الله عليه وسلم الذي أعرض عنه، فلما شهد على نفسه أربع شهادات، دعاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال: «أبك جنون» قال: لا يا رسول الله، فقال: «أحصنت» قال: نعم يا رسول الله، قال: «اذهبوا به فارجموه»[2]

"ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تھے، اس نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے نبی ﷺ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا، پھر وہ آپ کے سامنے دوسری طرف منہ کر کے آیا اور کہا کہ میں نے زنا کیا ہے، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ نبی ﷺ کے سامنے تیسری مرتبہ آیا اور عرض کیا میں نے زنا کیا ہے آپ نے پھر اعراض فرمایا تو پھر چوتھی مرتبہ آیا اور عرض کیا میں نے زنا کیا ہے۔ جب وہ اپنے آپ پر چار مرتبہ شہادت دے چکا تو نبی ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں یا

---

(1) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الحدود، 6/ 2343-2344

(2) الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب سوال الامام المقر هل احصنت، رقم الحدیث، 6825

رسول اللہ ﷺ۔پ نے فرمایا کہ تو شادی شدہ ہے اس نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا اسے لے جا کر سنگسار کر دو "
آپ ﷺ نے بار بار اعراض کیا اس میں شاید حکمت یہ تھی کہ یہ آدمی کسی طرح خاموش ہو جائے لیکن جب اس نے اپنے بارے میں چار بار گواہی دے کر حد کے اجراء کا اصرار کیا تو آپؐ نے فرمایا تم مجنوں تو نہیں ہو؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"والاحتياط في درء الحد بالشبه كقوله "أبك جنون" فإنه من التثبت ليتحقق حاله أيضًا فإن الإنسان غالبًا لا يصر على إقرار ما يقتضي هلاكه من غير سؤال مع أن له طريقًا إلى سقوط الإثم بالتوبة"[1]

"آپ ﷺ کا فرمان " أبك جنون "(کیا تجھے دیوانگی ہے) کے اشباہ کی وجہ سے حد ہٹانے میں احتیاط ہے۔یہ بات اس کی حالت کے بر قرار رہنے تک ہے۔کیونکہ انسان اکثر بغیر سوال کرنے کے اس چیز کے اقرار پر اصرار نہیں کرتا جو اسے ہلاک کر دے۔باوجود اس بات کے کہ توبہ کے ذریعے گناہ ختم کروانے کا وہ طریقہ رکھتا ہو۔"

رسول اکرم ﷺ نے جو اس آدمی سے مجنوں ہونے کے بارے سوال کیا تھا اس کا مقصد یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو حالت جنوں میں یہ اقرار رہا ہوں کیونکہ مجنوں پر حد نافذ نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کا مجنوں کے بارے میں فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ فِي الْحَدِّ عَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبُرَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ، وَعَنِ الْمَعْتُوهِ الْهَالِكِ»[2]

"حد لگانے میں چھوٹا بچا بڑے ہونے تک، سونے والا بیدار ہونے تک، مجنوں درست ہونے تک اور مرنے والے سرکش مرفوع القلم ہیں۔"

صحیح بخاری میں بیان شدہ حدیث میں "اتی رسو ل اللہﷺرجل من الناس" کے الفاظ ہیں اس حدیث میں آدمی کا نام نہیں ذکر کیا گیا جبکہ دیگر متابعات اور شواہد سے توثیق ہوتی ہے کہ ان کا نام ماعزؓ تھا اور انہوں نے اپنے جرم کے بارے میں ایک صحابی سے مشورہ کیا تو انہوں نے حضرت ماعزؓ کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے جرم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کریں ان کے کہنے پر انہوں رسول اللہ ﷺ سے بات کی یزید بن نعیم اپنے والد ہزال الاسلمیؓ سے بیان کرتے ہیں:

جَاءَ مَاعِزٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، حَتَّى ذَكَرَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ: " اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ

---

(1) العسقلانی، احمد بن محمد، ابن حجر، شہاب الدین، ارشاد الساری بشرح الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب لا یرجم المجنون، رقم الحدیث:6815، المطبعہ الکبریٰ، مصر، 1323ھ، 10/10

(2) المعجم الکبیر، باب الشین، رقم الحدیث:7156

" فَلَمَّا مَسَّتْهُ الْحِجَارَةُ جَزِعَ فَاشْتَدَّ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُنَيْسٍ مِنْ بَادِيَتِهِ فَرَمَاهُ بِوَظِيفِ حِمَارٍ فَصَرَعَهُ، وَرَمَاهُ النَّاسُ حَتَّى قَتَلُوهُ، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَارُهُ فَقَالَ: " هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ، فَلَعَلَّهُ يَتُوبُ فَيَتُوبَ اللهُ عَلَيْهِ، يَا هَزَّالُ لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَكَ مِمَّا صَنَعْتَ» [1]

"ماعز رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کر لیا ہے۔ آپ اللہ کا فیصلہ مجھ پر قائم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر کہا میں نے زنا کیا آپ مجھ پر اللہ کا فیصلہ نافذ کر دیں۔ آپؐ نے پھر منہ پھیر لیا۔ حتی کہ انہوں نے چار مرتبہ ذکر کیا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو لے جاؤ اور رجم کر دو جب ان کو پتھر لگے تو انہوں نے شدت و سختی کو جانا اور واویلا کیا۔ ان کے گاؤں کے عبد اللہ بن انیس ان کی طرف نکلے اور گدھے کی پنڈلی سے مارا اور وہ چلا اٹھے لوگ ان کے قتل ہونے تک ان کو مارتے رہے ان کے فرار ہونے کا تذکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتے۔ اے غیر سنجیدہ بات کرنے والے کاش تو پردہ پوشی کرتا یہ تیرے سزا دلوانے سے بہتر تھا۔"

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ وہ بھاگ پڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا، «هلا تركتموه فلعله فيتوب الله عليه» ان الفاظ میں بھی کس قدر تیسیر اور آسانی ہے کہ اگر توبہ کا موقع مل جاتا تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا کی بجائے توبہ سے معاف کر دیتا۔ مزید جس صحابی نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی فرمایا: «لوسترته بثوبك كان خيرا لك مماصنعت» یعنی سزا دلوانے سے بہتر تھا کہ تم پردہ پوشی کرتے اور وہ سزا سے بچ جاتا۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے الشیخ الطیب احمد خطیبہ فرماتے ہیں:

"المقصود أن النبي صلى الله عليه وسلم أراد أن يستر على الرجل، وأمر هزال بالستر عليه، فلما أصر الرجل بالاعتراف على نفسه، وليس هو مجنوناً ولا شارب خمر، ولا يريد أن يعرض في الكلام، أمر النبي صلى الله عليه وسلم بإقامة الحد، فلما أقاموا عليه الحد ورجعوا إلى النبي صلى الله عليه وسلم وأخبروه بما فعل قال: (هلا تركتموه لعله يتوب إلى الله عز وجل)."[2]

"مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس آدمی کے گناہ پر پردہ ڈالنا چاہا تھا اور ہزال کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ لیکن جب اس نے اپنی ذات کے بارے میں اعتراف گناہ کرتے ہوئے اصرار کیا، وہ مجنوں بھی نہ تھا، نہ شراب پی ہوئی تھی اور نہ اپنی باتوں میں گناہ سے اعراض کا ارادہ رکھتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد قائم کرنے کا حکم دیا جب

(1) السنن الکبری للبیہقی، کتاب الحدود، باب من اجاز ان لایحفر الامام المجرمین، رقم الحدیث: 16958

(2) الطیب احمد، الشیخ، شرح ریاض الصالحین، مصدر الکتاب: دروس صوتیہ قام بتفریغہا موقع الشبکۃ الاسلامیہ، 12/6

اس پر حد نافذ ہو گئی تو صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی جو اس نے کیا تھا تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اللہ سے توبہ کرتا۔"

شیخ عظیم آبادی نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

"(هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ) جَمَعَ الْخِطَابَ لِيَشْمَلَهُ وَغَيْرَهُ (لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوبَ) أَيْ يَرْجِعَ عَنْ إِقْرَارِهِ (فَيَتُوبَ اللهُ عَلَيْهِ) أَيْ فَيَقْبَلَ اللهُ تَوْبَتَهُ وَيُكَفِّرَ عنه سيئته من غير رجمه"[1]

" هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ یہ جمیع خطاب ہے۔ وہ اور اس کے علاوہ سب کو شامل ہے (شاید کہ توبہ کر لیتا) یعنی وہ اپنے اقرار سے لوٹ جاتا (پس اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا) یعنی اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا اور رجم کے بغیر اس کے گناہ کو معاف فرما دیتا۔"

اسی طرح کا دوسرا واقعہ عہد رسالت مآب ﷺ میں ایک عورت کا ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حد زنا کے اجراء کا مطالبہ کیا اور خود آکر بتایا کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ حاملہ بھی ہے آپ نے بار بار اعراض کیا اور پھر فرمایا کہ جب بچہ جنم لے لے تب آنا احادیث میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ تُطَهِّرَنِي فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ارْجِعِي» فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْهُ فَاعْتَرَفَتْ عِنْدَهُ بِالزِّنَا فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ، طَهِّرْنِي لَعَلَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ، فَوَاللهِ إِنِّي لَحُبْلَى فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ارْجِعِي حَتَّى تَلِدِي» فَلَمَّا وَلَدَتْ جَاءَتْهُ بِالصَّبِيِّ تَحْمِلُهُ فِي خِرْقَةٍ فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ، هَذَا قَدْ وَلَدْتُ قَالَ: «فَاذْهَبِي فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ» فَلَمَّا فَطَمَتْهُ جَاءَتْ بِالصَّبِيِّ فِي يَدِهِ كِسْرَةَ خُبْزٍ فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ هَذَا قَدْ فَطَمْتُهُ، فَأَمَرَ بِالصَّبِيِّ فَدَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا فَحَفَرَ لَهَا حُفْرَةً فَجُعِلَتْ فِيهَا إِلَى صَدْرِهَا ثُمَّ أَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَرْجُمُوهَا فَأَقْبَلَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَجَرٍ، فَرَمَاهَا فَانْتَضَحَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ، أَوْ جَبْهَتِهِ فَسَبَّهَا فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّهُ إِيَّاهَا فَقَالَ: «مَهْلًا يَا خَالِدُ لَا تَسُبَّهَا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَقُبِلَ مِنْهُ، فَأَمَرَ بِهَا فَكُفِّنَتْ وَصَلَّى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ»[2]

یہ دونوں واقعات بہت حد تک مطابقت رکھتے ہیں، زانی اور زانیہ نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چار چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد کے اجراء کا مطالبہ کیا ان کے اقرار کے باوجود آپ ﷺ نے بار بار اعراض کیا اور اس جرم کی مکمل تصدیق بالا قرار

---

(1) عظیم آبادی، محمد اشرف بن امیر، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، 67/12

(2) السنن الکبری للنسائی، کتاب الرجم، باب الحفرة للمراة، رقم الحدیث، 7159

ہونے کے بعد حدود کا اجراء فرمایا۔ آپؐ کے اعراض سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سزا کو نافذ کرنا مقصود نہ تھا بلکہ گناہ یا جرم کی روک تھام کے لیے سزا تھی۔ آپ ﷺ کے انداز سے یہ بھی بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ شاید پردہ پوشی کرنا چاہتے تھے۔اور کوشش تھی کہ سزا کی نوبت نہ آئے۔

ان دونوں واقعات سے نفاذ حدود میں سہولت، آسانی اور تیسیر کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان دونوں واقعات میں آپ ﷺ نے حضرت ماعزؓ سے اس عورت کا نام نہیں پوچھا جس سے انہوں نے زنا کیا تھا اور اسی طرح نہ غامدیہ قبیلہ کی عورت سے پوچھا گیا کہ تم نے کس سے زنا کیا تھا۔ اگر سزا دینا ہی مقصود ہوتا تو آپ ﷺ ان سے نام ضرور پوچھتے اور ان پر حد جاری کرتے۔حدود کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سزاؤں کے بہانے پیدا کیے جائیں بلکہ حدود کی روح بالکل اس کے برعکس ہے۔حدود میں چشم پوشی اور درگزر کے بہانے ڈھونڈے جانے چاہئے۔

گناہوں کے کشف اور تشہیر کی ممانعت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْإِجْهَارِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ فِي اللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ، وَقَدْ سَتَرَهُ رَبُّهُ، فَيَقُولُ: يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا، وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيَبِيتُ فِي سِتْرِ رَبِّهِ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ »[1]

> ”میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا۔ مجاہرین کے علاوہ میری امت میں ہر شخص کے لیے معافی ہے۔ مجاہر وہ ہے کہ رات کی تاریکیوں میں کوئی گناہ کیا اور صبح ہوئی تو اس کے رب نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا، وہ کہتا ہے کہ لوگوں میں نے رات کو اس طرح اس طرح گناہ کیا اور رات اس کے رب نے پردہ ڈالا تھا اور وہ اپنے رب کے پردہ میں تھا اور صبح ہوئی تو اس نے اپنے رب کے پردہ کو کھول دیا۔“

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ پر پردہ ڈال دے تو اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے، اگر کوئی شخص گناہ کے بعد اس کی تشہیر کرتا ہے اور اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کرتا تو ایسے فرد کی اللہ کے ہاں کوئی معافی نہیں ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت ایک اور حدیث میں یوں ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے کاتب کہتے ہیں میں نے عقبہ بن عامرؓ سے کہا:

إِنَّ لَنَا جِيرَانًا يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ، وَأَنَا دَاعٍ لَهُمُ الشُّرَطَ، فَيَأْخُذُونَهُمْ قَالَ: لَا تَفْعَلْ، وَلَكِنْ عِظْهُمْ، وَتَهَدَّدْهُمْ قَالَ: فَفَعَلَ فَلَمْ يَنْتَهُوا، فَجَاءَ دُخَيْنٌ إِلَى عُقْبَةَ، فَقَالَ: إِنِّي نَهَيْتُهُمْ، فَلَمْ يَنْتَهُوا، وَأَنَا دَاعٍ لَهُمُ الشُّرَطَ، فَقَالَ عُقْبَةُ:

---

(1) السنن الصغیر للبیہقی، کتاب الاشربۃ، باب لا ستتار بشر اللہ، رقم الحدیث، 2728

وَيْحَكَ لَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ مُؤْمِنٍ، فَكَأَنَّمَا اسْتَحْيَا مَوْءُودَةً مِنْ قَبْرِهَا»[1]

"بے شک ہمارے بہت سے دوست تھے، جو شراب پیتے تھے میں ان کے لیے پولیس کو بلانے والا تھا کہ وہ ان کو گرفتار کرلے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو ایسا نہ کر۔ تو ان کو نصیحت کر، تو ان کو ڈرا۔ تو اس نے کہا میں نے ایسا ہی کیا کہ وہ باز نہ آئے اور ایک فتنہ باز عقبہؓ کے پاس آیا، اس نے کہا میں نے ان کو منع کیا لیکن وہ باز نہیں آئے۔ میں ان کے لیے پولیس بلانے والا ہوں تو عقبہ نے کہا افسوس تجھ پر تو ایسا نہ کر کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس نے کسی مومن کے عیب کو چھپایا گویا اس نے قبر میں زندہ گاڑے جانے سے حیاء کی۔"

اس حدیث میں مومن کے عیوب چھپانے پر کس قدر ترغیب دلائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود کس قدر لوگوں کے گناہوں اور جرائم کی پردہ پوشی فرماتے تھے اس کی صراحت حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم فجاءه رجل فقال: يا رسول الله، إني أصبت حدا فأقمه علي، قال: ولم يسأله عنه، قال: وحضرت الصلاة، فصلى مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم الصلاة، قام إليه الرجل فقال: يا رسول الله، إني أصبت حدا، فأقم في كتاب الله، قال: «أليس قد صليت معنا» قال: نعم، قال: " فإن الله قد غفر لك ذنبك، أو قال: حدك»[2]

"میں نے نبی ﷺ کے پاس تھا تو ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حد والے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں اس لئے آپ مجھ پر حد قائم کریں، آپ نے اس سے اس (گناہ) کے متعلق نہیں پوچھا، پھر نماز کا وقت آگیا تو اس آدمی نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی پھر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ؐ میں حد والے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں، اس لئے آپ کتاب اللہ کی حد مجھ پر قائم کریں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تیرے گناہ کو اور تیری حد کو بخش دیا۔"

یعنی آپ ﷺ نے اس قدر اس کے گناہ پر چشم پوشی فرمائی کہ اس سے گناہ کے بارے میں پوچھا تک نہیں کہ تم نے کونسا گناہ کیا ہے۔ اس سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ اس آدمی نے کوئی صغیرہ گناہ کیا ہوگا لیکن حدیث کے الفاظ میں صراحت ہے کہ آدمی نے حد کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا اگر کوئی صغیرہ گناہ ہوتا تو وہ حد کا مطالبہ نہ کرتا، یقیناً کوئی ایسا جرم ہوگا جس کی سزا کتاب وسنت میں بیان ہوئی ہوگی تو وہ حد کے نفاذ پر بار بار اصرار کر رہا تھا۔

---

(1) السنن الصغیر للبیہقی، کتاب الاشربۃ، باب الستر علی اہل الحدود مالم یبلغ السلطان، رقم الحدیث:2732

(2) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب اذا امر بالحد ولم یبین ھل للامام ان یستر علیہ، رقم الحدیث:6823

شیخ ابن بطالؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال المهلب وغيره: لما أقر الرجل عند النبى (صلى الله عليه وسلم) بأنه أصاب حدا، ولم يبين الحدَّ، ولم يكشفه النبى (صلى الله عليه وسلم) عنه ولا استفسره (صلى الله عليه وسلم) ؛ فدل على أن الكشف عن الحدود لا يحل فإن الستر أولى. وكأنه (صلى الله عليه وسلم) رأى أن الكشف عن ذلك ضرب من التجسس المنهى عنه فلذلك أضرب عنه وجعلها شبهة درأ بها الحد؛ لأنه كان بالمؤمنين رءوفًا رحيمًا. وجائز أن يكون الرجل ظن أن الذى أصاب حدا وليس بحد فيكون ذلك مما يكفر بالوضوء والصلاة، ولما لم تجز إقامة الحدود بالكناية دون الإفصاح وجب ألا يكشف السلطان عليه؛ لأن الحدود لا تقام بالشبهات بل تدرأ بها، وهذا يوجب على المرء أن يستر على نفسه إذا واقع ذنبًا ولا يخبر به أحدًا لعلَّ الله تعالى أن يستره عليه وقد جاء فى هذا الحديث عن النبى (صلى الله عليه وسلم) : (من ستر مسلمًا ستره الله) فستر المرء على نفسه أولى به من ستره على غيره"[1]

"امام مہلب اور دیگر نے فرمایا ہے۔ جب آدمی نے آپ ﷺ کے سامنے اقرار کیا کہ وہ حد کو پہنچا ہے اور اس نے حد بیان نہیں کی۔ آپ ﷺ نے بھی اس کی وضاحت اور تفصیل نہیں پوچھی۔ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدود کا کشف حلال نہیں ہے بلکہ اس پر پردہ ڈالنا اولیٰ ہے۔ گویا آپ ﷺ کا خیال تھا کہ اس بارے میں "کشف" چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنا ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس سے اجتناب کیا۔ اس کا جو بیان تھا آپ ﷺ نے ایسے شبہ پر محمول کیا جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ آپ ﷺ مومنوں کے ساتھ رحم اور شفقت سے کام لیتے تھے۔ اور ممکن ہے یہ آدمی جس گناہ پر حد جاری ہونے کا گمان کر رہا ہو اس پر حد نافذ نہ ہوتی ہو۔ وضو اور نماز ہی اس کا کفارہ بن گیا ہو۔ کنایہ پر وضاحت کے بغیر حد نافذ کرنا جائز نہیں ہے اس لیے حاکم پر لازم ہے کہ اس کی وضاحت کے بغیر نافذ نہ کرے۔ کیونکہ شبہات کی بناء پر حد قائم نہیں ہوتی بلکہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس سے یہ چیز بھی واجب ہوتی ہے اگر کسی آدمی سے گناہ سرزد ہو جائے وہ اس پر پردہ ڈالے، کسی اور سے وہ بیان نہ کرے شاید کہ اللہ تعالیٰ بھی اس پر پردہ ڈال دے نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان ہوئی ہے "جو مسلمانوں پر پردہ ڈالتا ہے اللہ اس پر پردہ ڈالے گا۔" پس کسی آدمی کا اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنا دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالنے سے اولیٰ ہے۔"

اکابر صحابہ کرامؓ بھی حدود کے نفاذ میں تیسیر، سہولت اور توبہ کے پہلو اجاگر کرتے تھے تاکہ لوگ اسلام کی تیسیر اور سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت ماعزؓ الاسلمی نے جب اپنا جرم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا

---

(1) ابن بطال، علی بن خلف، ابو الحسن، شرح الجامع الصحیح لابن بطال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1426ھ، 8/444

تو انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو اس کو ظاہر نہ کرو اسی ذات سے ہی اپنے گناہ کی معافی مانگو۔

حضرت سعید بن مسیبؒ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الْآخِرَ زَنَى فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: هَلْ ذَكَرْتَ هَذَا لِأَحَدٍ غَيْرِي؟ فَقَالَ: لَا. فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: «فَتُبْ إِلَى اللَّهِ وَاسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ». فَلَمْ تُقْرِرْهُ نَفْسُهُ، حَتَّى أَتَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مِثْلَ مَا قَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ. فَلَمْ تُقْرِرْهُ نَفْسُهُ حَتَّى جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الْأَخِرَ زَنَى. فَقَالَ سَعِيدٌ: فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، كُلُّ ذَلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا أَكْثَرَ عَلَيْهِ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ: «أَيَشْتَكِي أَمْ بِهِ جِنَّةٌ؟» فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ إِنَّهُ لَصَحِيحٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ؟» فَقَالُوا: بَلْ ثَيِّبٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَرُجِمَ»[1]

”ایک شخص اسلم کے قبیلے کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس نالائق نے (اپنی طرف اشارہ کرکے) زنا کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے یہ بات اور کسی سے تو بیان نہیں کی بولا نہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو توبہ کر اللہ سے اور اللہ کے پردے میں چھپا رہ کیونکہ اللہ جل جلالہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اس کو تسکین نہ ہوئی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر سے بھی ایسا ہی کہا جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا حضرت عمر نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر بھی اس کو تسکین نہ ہوئی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اس نالائق نے زنا کیا تین بار اس نے کہا اور تینوں بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا جب اس نے بار بار کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کیا یہ بیمار ہو گیا ہے یا اس کو جنون ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تندرست ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نکاح ہوا ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا وہ سنگسار کر دیا گیا۔“

حدود کے اجراء میں قوت وطاقت کا لحاظ:

حدود و قیود کی احادیث پر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے جہاں سزا دی ہے وہاں تیسیر اور آسانی کی کوئی صورت باقی ہی نہ رہی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کو نافذ فرمایا ورنہ آپ طبعاً سزا کی بجائے معافی کو پسند فرماتے تھے اسی لیے جہاں سزائیں بھی دی ہیں وہاں کوشش کی ہے کہ لوگوں کے لیے ناقابل تحمل اور باعث بوجھ نہ بنیں۔ نفاذ حدود میں

---

(1) مؤطا امام مالک، کتاب الحدود، باب ماجاء فی رجم، رقم الحدیث:2

تیسیر اور آسانی کی ایک اور اہم مثال حدیث نبوی میں ملتی ہے جو تیسیر اور آسانی کے مؤقف کو اور مضبوط کر دیتی ہے کہ حدود میں انسانوں کے لیے تیسیر ہی ہے۔

سہل بن حنیف فرماتے ہیں:

أَنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّهُ اشْتَكَى رَجُلٌ مِنْهُمْ حَتَّى أُضْنِيَ، فَعَادَ جِلْدَةً عَلَى عَظْمٍ، فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ جَارِيَةٌ لِبَعْضِهِمْ، فَهَشَّ لَهَا، فَوَقَعَ عَلَيْهَا، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ رِجَالُ قَوْمِهِ يَعُودُونَهُ أَخْبَرَهُمْ بِذَلِكَ، وَقَالَ: اسْتَفْتُوا لِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي قَدْ وَقَعْتُ عَلَى جَارِيَةٍ دَخَلَتْ عَلَيَّ، فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوا: مَا رَأَيْنَا بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مِنَ الضُّرِّ مِثْلَ الَّذِي هُوَ بِهِ، لَوْ حَمَلْنَاهُ إِلَيْكَ لَتَفَسَّخَتْ عِظَامُهُ، مَا هُوَ إِلَّا جِلْدٌ عَلَى عَظْمٍ، «فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ يَأْخُذُوا لَهُ مِائَةَ شِمْرَاخٍ، فَيَضْرِبُوهُ بِهَا ضَرْبَةً وَاحِدَةً»[1]

"انہیں رسول اللہ ﷺ کے بعض انصاری صحابہ نے بتلایا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہو گیا یہاں تک کہ کمزوری سے اس کے اوپر سے گوشت ختم ہو گیا اور اس کی ہڈی پر صرف کھال رہ گئی اس حالت میں ایک لونڈی اس کے پاس گئی تو اس کو دیکھ کر اس کو خواہش ہوئی اور اس نے اس لونڈی سے جماع کر لیا۔ جب اس کی قوم کے افراد اس کی عیادت کے لئے گئے تو اس نے انہیں اس کے بارے میں بتلایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے میرے لئے اس کے متعلق فتویٰ پوچھو۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم نے لوگوں میں سے کسی کو اتنا کمزور نہیں دیکھا اس شخص کی طرح جو اس کے اوپر کمزوری ہے اگر ہم اس کو آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈی الگ الگ ہو جائیں اور اس کی ہڈیوں پر کھال کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے لئے سو ٹہنیاں لے کر ایک مرتبہ ان سب سے اسے مارا جائے۔"

امام الشوکانی نے اس حدیث سے یہی اخذ کیا ہے کہ سزا کا اطلاق کرتے ہوئے قوت وطاقت کا خیال رکھا جائے گا اور بڑے اور چھوٹے کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ ایسی سزائیں نہیں دی جائیں گی جن سے کسی نقصان کا خطرہ ہو، بلکہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے گا کہ حدود اللہ پر عمل بھی ہو جائے اور نقصان سے بھی بچا جا سکے وہ فرماتے ہیں:

"وَالْمُرَادُ هَهُنَا بِالْعُثْكَالِ: الْعُنْقُودُ مِنَ النَّخْلِ الَّذِي يَكُونُ فِيهِ أَغْصَانٌ كَثِيرَةٌ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَغْصَانِ يُسَمَّى شِمْرَاخًا. وَحَدِيثُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ السَّوْطُ الَّذِي يُجْلَدُ بِهِ الزَّانِي مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَدِيدِ وَالْعَتِيقِ وَهَكَذَا إذَا كَانَ الْجَلْدُ بِعُودٍ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْكَبِيرِ وَالصَّغِيرِ فَلَا يَكُونُ مِنْ الْخَشَبِ الَّتِي تَكْسِرُ الْعَظْمَ وَتَجْرَحُ اللَّحْمَ، وَلَا مِنْ الْأَعْوَادِ الرَّقِيقَةِ الَّتِي لَا تُؤَثِّرُ فِي الْأَلَمِ وَيَنْبَغِي

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی اقامتہ الحسد علی المریض، رقم الحدیث: 4472

أَنْ يَكُونَ مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَدِيدِ وَالْعَتِيقِ.وَقَالَ فِي الْبَحْرِ: وَقَدْرُ عَرْضِهِ بِأُصْبُعٍ وَطُولُهُ بِذِرَاعٍ. وَحَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَرِيضَ إذَا لَمْ يَحْتَمِلْ الْجَلْدَ ضُرِبَ بِعُثْكُولٍ أَوْ مَا يُشَابِهُهُ مِمَّا يَحْتَمِلُهُ، وَيُشْتَرَطُ أَنْ تُبَاشِرَهُ جَمِيعُ الشَّمَارِيخِ. وَقَدْ قِيلَ يَكْفِي الِاعْتِمَادُ، وَهَذَا الْعَمَلُ مِنْ الْحِيَلِ الْجَائِزَةِ شَرْعًا.وَقَدْ جَوَّزَ اللَّهُ مِثْلَهُ فِي قَوْلِهِ {وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا} الْآيَةُ"[1]

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معلم یسیر بنا کر مبعوث فرمایا تھا آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ آسان اور سہولت والا راستہ اختیار فرمایا کرتے تھے امام بخاریؒ نے 'کتاب الحدود' میں 'باب اقامة الحدود والانتقام الحرمات الله' باندھا ہے۔ اس کے تحت حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

«ما خير النبي صلى الله عليه وسلم بين أمرين إلا اختار أيسرهما ما لم يأثم، فإذا كان الإثم كان أبعدهما منه، والله ما انتقم لنفسه في شيء يؤتى إليه قط، حتى تنتهك حرمات الله، فينتقم لله»[2]

"نبی ﷺ کو جب بھی دو امروں کے درمیان اختیار دیا گیا تو ان میں سے آسان صورت کو اختیار کیا جب تک کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو، اگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے بہت زیادہ دور رہتے، اللہ کی قسم آپ نے کبھی اپنے لئے انتقام نہیں لیا، جب تک محرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور جب اس کی خلاف ورزی کی ہو تو اللہ کے لئے انتقام لیتے۔"

کتاب الحدود میں اس حدیث کو ذکر کرنے سے امام صاحب کا مقصد یہ تھا کہ یہ صراحت ہو جائے کہ آپ نفاذ حدود میں بھی تیسیر اور آسانی کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ حدود میں قطعاً آپ کا مطمع نظر سزا اور صرف سزا نہ تھا بلکہ گنجائش، تیسیر اور آسانی کو اپنانے والا رویہ تھا سزا کی بجائے معافی، تکلیف کی بجائے آسانی اور عسر کی بجائے یسر کو اختیار کرتے تھے۔

جن احادیث میں سزاؤں کے نفاذ میں سختی نظر آتی ہے ان کا تعلق نوعیت جرم سے ہے۔ بعض اوقات کم سزا ممکن نہیں ہوتی معاشرے میں نقض امن اور فتنہ وفساد کے خاتمے کے لیے تھوڑی سزا کارگر ثابت نہیں ہوتی اس لیے ایسی عبرتناک سزا دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے جس سے جرأت جرائم کا خاتمہ ہو جائے۔

ان تمام دلائل کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ طبعاً کسی بھی مرد کو تکلیف اور بوجھ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے باوجود اس کے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کو انسانوں سے محفوظ رکھنے اور ان کے جان ومال کے تحفظ کے لیے سخت قوانین وضابطے دیئے ہیں اس کے ساتھ ان کے اطلاق کے اصول اور طریقے بھی بیان فرمائے تاکہ کسی بھی انسان کی تحقیر وتذلیل نہ ہو۔ شریعت کے قوانین وضابطے کسی کے لیے رحمت کی بجائے زحمت نہ بن جائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(1) نیل الاوطار، 137/7

(2) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود والانتقام لحرمات اللہ، رقم الحدیث:6786

«إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ»[1]

"تم کسی کو مارو تو اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرو۔"

یہ حدیث امام بیہقیؒ نے 'باب صفة السوط و القرب' کے تحت بیان کی ہے اس باب کے تحت اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی فرد کو سزا دی جاتی ہے تو اس وقت سزا دینے کے قواعد و ضوابط کو نذر انداز نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجرم کے ساتھ آسانی اور تیسیر کرتے ہوئے یہ حکم دیا تھا کہ سزا کا مقصد کسی فرد کی تحقیر یا تذلیل نہ بن جائے بلکہ قیام امن کا ماحول میسر رہے۔

حد سرقہ کے نفاذ میں تیسیر:

یہاں تک زنا کے علاوہ دیگر حدود کا معاملہ ہے ان کے نفاذ میں بھی آپ ﷺ احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھتے تھے ۔نوعیت جرم کو دیکھ کر سزا کا اجراء فرماتے تھے۔ چوری کی سزا کو ہی دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید میں چوری کرنے والے مرد و عورت کی سزا ہاتھ کاٹنا بیان ہوئی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[2]

"اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں حد سرقہ کے نفاذ میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے رسول اللہ ﷺ کی صفت معلم یسیر کا بخوبی انداز ہو جاتا ہے کہ کس قدر آپ نے حد سرقہ میں احتیاط کے پہلو کو غالب رکھا تا کہ ایسا نہ ہو کہ معمولی سے معمولی چوری میں حد کا نفاذ ہو جائے ۔ آپ ﷺ کے سامنے سرقہ کے کئی ایک واقعات پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے ان میں فیصلہ صادر کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیا اور بعض صورتوں میں حد کے عدم نفاذ کا حکم دیا جیسے کھانے پینے والی اشیاء اور دیگر صورتیں ہیں ان میں سے چند ایک واقعات کو بطور استشہاد ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ، فَقَالَ: «مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ، وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ

---

(1) البیہقی، احمد بن الحسین، ابو بکر، السنن الصغیر للبیہقی، کتاب الاشربۃ، باب صفة السوط والضرب، رقم الحدیث: 2724، جامعہ الدراسات اسلامیہ، کراچی، پاکستان، 1410ھ

(2) المائدہ 5: 38

أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ، فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ، فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ، وَمَنْ سَرَقَ دُونَ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ، وَالْعُقُوبَةُ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: " الْجَرِينُ: الْجُوخَانُ»[1]

”نبی کریم ﷺ سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا (کہ اسے بغیر اجازت کے توڑا جا سکتا ہے کہ نہیں) تو فرمایا کہ جس حاجت مند نے اسے (توڑ کر) کھالیا اور دامن میں انہیں جمع نہیں کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اور جو (باغ میں سے) کچھ پھل وغیرہ (جمع کرکے) لے نکلے تو اس کے اوپر اتنے پھلوں کا دگنا ہے اور سزا الگ ہوگی اور جس نے پھلوں کو اس جگہ سے جہاں انہیں جمع کیا جاتا ہے (سکھانے وغیرہ کے لئے) چوری کرلیا اور اس کی مقدار ڈھال کی قیمت کے برابر ہوگئی تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔“

اسی مفہوم کی مزید وضاحت میں ایک اور حدیث ملتی ہے جس کو یحییٰ بن حابن بیان کرتے ہیں:

أَنَّ عَبْدًا سَرَقَ وَدِيًّا مِنْ حَائِطِ رَجُلٍ، فَغَرَسَهُ فِي حَائِطِ سَيِّدِهِ، فَخَرَجَ صَاحِبُ الْوَدِيِّ يَلْتَمِسُ وَدِيَّهُ، فَوَجَدَهُ، فَاسْتَعْدَى عَلَى الْعَبْدِ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ، فَسَجَنَ مَرْوَانُ الْعَبْدَ وَأَرَادَ قَطْعَ يَدِهِ، فَانْطَلَقَ سَيِّدُ الْعَبْدِ إِلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ، وَلَا كَثَرٍ»، فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنَّ مَرْوَانَ أَخَذَ غُلَامِي، وَهُوَ يُرِيدُ قَطْعَ يَدِهِ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ تَمْشِيَ مَعِي إِلَيْهِ فَتُخْبِرَهُ بِالَّذِي سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَشَى مَعَهُ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ حَتَّى أَتَى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، فَقَالَ لَهُ رَافِعٌ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ، وَلَا كَثَرٍ»، فَأَمَرَ مَرْوَانُ بِالْعَبْدِ فَأُرْسِلَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: " الْكَثَرُ: الْجُمَّارُ»[2]

”ایک غلام نے ایک آدمی کے باغ میں سے کھجور کا پودا چرالیا اور اسے اپنے آقا کے باغ میں بو دیا اور وہ باغ والا اپنے پودے کو تلاش کرتا ہوا نکلا تو اسے اس کے باغ میں پایا۔ اس نے مروان بن حکم جو مدینہ کے امیر تھے سے اس معاملہ میں مدد چاہی تو مروان نے غلام کو قید کرلیا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو غلام کا مالک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھول کے خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو اس آدمی نے کہا کہ مروان نے میرے غلام کو گرفتار کرلیا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مروان کے پاس چلیں اور اسے بتلائیں جو آپ نے رسول ﷺ سے سنا ہے تو حضرت رافع بن خدیج اس کے ساتھ چلے گئے یہاں تک کہ مروان کے پاس آگئے اور اس سے رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھلوں کے گچھے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تو مروان نے غلام کے بارے میں حکم دیا تو اسے

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود، باب مالا قطع فیہ، رقم الحدیث:4390

(2) سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود، باب مالا قطع فیہ، رقم الحدیث:4388

چھوڑ دیا گیا امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ کثر کے معنی ہیں خوشہ کے۔"

ایک اور حدیث میں ہے۔

حضرت رافع بن عمروؓ بیان فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَرْمِي نَخْلَ الأَنْصَارِ، فَأَخَذُونِي، فَذَهَبُوا بِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «يَا رَافِعُ، لِمَ تَرْمِي نَخْلَهُمْ»، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الجُوعُ، قَالَ: «لَا تَرْمِ، وَكُلْ مَا وَقَعَ أَشْبَعَكَ اللهُ وَأَرْوَاكَ»[1]

"میں انصار کے کھجوروں کے درختوں پر پتھر مار رہا تھا کہ وہ مجھے پکڑ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس لے گئے آپ ﷺ نے فرمایا رافع کیوں ان کے کھجور کے درختوں کو پتھر مار رہے تھے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بھوک کی وجہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پتھر نہ مارو جو گری ہوئی ہوں وہ کھا لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کرے اور آسودہ کرے"

اسی مفہوم کی مزید وضاحت کے لیے ایک دوسری حدیث کے الفاظ قابل غور ہیں۔

حضرت عباد بن شرحبیلؓ بیان کرتے ہیں:

أَصَابَتْنِي سَنَةٌ فَدَخَلْتُ حَائِطًا مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ فَفَرَكْتُ سُنْبُلًا فَأَكَلْتُ، وَحَمَلْتُ فِي ثَوْبِي، فَجَاءَ صَاحِبُهُ فَضَرَبَنِي وَأَخَذَ ثَوْبِي، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ: «مَا عَلَّمْتَ إِذْ كَانَ جَاهِلًا، وَلَا أَطْعَمْتَ إِذْ كَانَ جَائِعًا» - أَوْ قَالَ: «سَاغِبًا» - وَأَمَرَهُ فَرَدَّ عَلَيَّ ثَوْبِي وَأَعْطَانِي وَسْقًا أَوْ نِصْفَ وَسْقٍ مِنْ طَعَامٍ»[2]

"مجھے قحط نے ستایا تو میں مدینہ کے ایک باغ میں گیا اور ایک شاخ کو مسل کر میں نے کھا لیا اور کچھ اپنے کپڑے میں باندھ لیا اتنے میں باغ کا مالک آگیا اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا بھی چھین لیا میں (اس کی شکایت لیکر) جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا آپ ﷺ نے باغ والے سے فرمایا یہ نادان تھا تو نے اس کو مسئلہ نہ بتایا اور یہ بھوکا تھا تو نے اس کو نہ کھلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس نے میرا کپڑا بھی واپس کر دیا اور مزید ایک وسق یا نصف وسق اناج دیا۔"

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر چوری پر حد سرقہ کا نفاذ نہیں ہو گا بلکہ احوال اور مساکن کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے یا نہ کاٹا جائے، ان احادیث سے یہ بھی صراحت ہو جاتی ہے کہ ہر جرم پر سزا (تعزیر) دینا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ان احادیث میں کسی قسم کی تعزیر کا ذکر بھی نہیں ہے بلکہ عبادہ بن شرحبیلؓ کی حدیث میں تو ہے کہ سزا کی بجائے ضرورت کی مناسبت سے کچھ مال بھی دیا تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔

---

(1) سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرحصة فی الکل الثمرة، رقم الحدیث:1288

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی ابن السبیل یاکل من التمر...، رقم الحدیث:2620

دراصل یہ تمام مذکورہ بالا احادیث نبویہ حدزنا اور حد سرقہ کی تفاسیر ہیں کہ ان حدود کے نفاذ میں رسول اکرم ﷺ کس قدر تیسیر اور آسانی کے پہلو کو مدنظر رکھتے تھے۔ اب حد خمر کے متعلق چند احادیث کو بطور استشہاد پیش کیا جاتا ہے جس سے نفاذ حدود میں تیسیر نبویؐ کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

حدّ خمر کے نفاذ میں تیسیر:

حدود کے نفاذ کا مقصد لوگوں کی جان لینا نہیں ہے بلکہ نقض امن اور احکام کی خلاف ورزی کی جرات کا خاتمہ ہے آپ ﷺ کے عہد مبارک میں چونکہ عرب شراب وغیرہ پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بتدریج اس کی حرمت کا نزول فرمایا تھا تاکہ لوگوں کے لیے اس سے اجتناب میں قدرت واستطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ہو۔ حرمت خمر کے بعد شراب نوشی کے جو چند ایک واقعات عہد نبوی میں سامنے آئے تو آپ نے شراب نوشی کرنے والوں پر حد نافذ فرمائی تاکہ لوگوں کو اس حرام کام سے روکا جائے۔ شرب خمر پر جو مجرموں کو سزائیں دی گئی تھیوہ کوئی جان لیوا نہیں تھی بلکہ وہ معمولی نوعیت کی سزائیں تھی اور ان کا مقصود یہ تھا کہ شرمندگی اور عار دلا کر شرب خمر سے روکا جائے۔

شرب خمر کی سزا کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أتي النبي صلى الله عليه وسلم برجل قد شرب، قال: «اضربوه» قال أبو هريرة: فمنا الضارب بيده، والضارب بنعله، والضارب بثوبه، فلما انصرف، قال بعض القوم: أخزاك الله، قال: «لا تقولوا هكذا، لا تعينوا عليه الشيطان»[1]

> ”نبی ﷺ کے پاس ایک شخص لایا گیا جو شراب پئے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مارو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے بعض اس کو ہاتھ سے اور بعض اس کو جوتیوں سے اور کوئی اپنے کپڑوں سے مار رہا تھا، جب مار چکے تو کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے رسوا کرے، آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور شیطان کی اس پر مدد نہ کرو۔“

شراب کی حرمت قرآن مجید میں واضح بیان ہوئی ہے لیکن اس فعل کے ارتکاب پر بھی آپ نے سختی اور غضب سے کام نہیں لیا بلکہ اصلاح کرنے کی خاطر مختصر سی سزا دی جو عام طور پر قابل برداشت ہو۔

شیخ محمد بن صالح بن العثیمین اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"وفي هذا الحديث دليل على أن عقوبة الخمر ليس لها حد معين، ولهذا لم يحد لهم النبي صلى الله عليه وسلم حداً، ولم يعدها عداً، كل يضرب بما تيسر، من يضرب بيده، ومن يضرب بطرف ثوبه، ومن يضرب بعصاه، ومن يضرب بنعله، لم يحد فيها حداً، وبقي الأمر كذلك.وفي عهد أبي بكر صارت تقدر بنحو

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال، رقم الحدیث، 6777

أربعين، وفي عهد عمر كثر الناس الذين دخلوا في الإسلام، ومنهم من دخل عن غير رغبة، فكثر شرب الخمر في عهد عمر رضي الله عنه، فلما رأى الناس قد أكثروا منها استشار الصحابة فقال عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه: أخف الحدود ثمانون وهو حد القذف، فرفع عمر رضي الله عنه عقوبة شارب الخمر إلى ثمانين جلدة.ففي هذا دليل على أن الإنسان إذا فعل ذنباً وعوقب عليه في الدنيا؛ فإنه لا ينبغي لنا أن ندعو عليه بالخزي والعار؛ بل نسأل الله له الهداية، ونسأل الله له المغفرة، والله الموفق."[1]

"اس حدیث میں دلیل ہے کہ شراب کی سزا متعین نہیں ہے۔اس لیے کہ نبی ﷺ نے کوئی حد نہیں لگائی اور نہ ہی اس کی تعداد ہے۔جو چیز میسر ہو گی اس سے سزا دی جائے گی، کوئی اپنے ہاتھ سے، کوئی اپنے کپڑے سے، کوئی اپنی لاٹھی سے اور کوئی اپنے جوتے سے مارتا تھا اس میں کوئی حد مقرر نہیں تھی، اور یہ معاملہ اسی طرح رہا۔عہد صدیقی میں چالیس کوڑوں تک ہو گیا۔عہد فاروقی میں کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بغیر دلچسپی کے اسلام کو قبول کر چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شراب پینے والوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حد قذف" کی حد ،حدود میں سب سے تھوڑی ہے اور وہ اسّی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کی سزا اسّی کوڑے مقرر دیئے۔اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کو گناہ کی سزا دنیا میں مل جائے تو ہمارے لیے اس کے بارے میں رسوائی کی بد دعا کرنا اور شرمندگی دلانا مناسب نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت اور ہدایت کی دعا کریں۔"

شیخ فیصل بن عبد العزیز نے بھی اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

" أنَّ الضرب باليد، والنعل، والثوب يجزئ في حد الخمر.وفيه: كراهة الدعاء عليه بالخزي ونحوه."[2]

"حد خمر میں ہاتھ، جوتے اور کپڑے سے مارنا کافی ہے اور اس پر رسوائی کی بد دعا کرنا ناپسندیدہ ہے۔"

حد شرب خمر کا مقصد عادت چھڑانا ہے نہ کہ سزا کو ترجیح دینا ہے مے خوری کے بارے میں ایک اور واقعہ ملتا ہے جسے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أن رجلا على عهد النبي صلى الله عليه وسلم كان اسمه عبد الله، وكان يلقب حمارا، وكان يضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد جلده في الشراب، فأتي به يوما فأمر به فجلد، فقال رجل من القوم: اللهم العنه، ما أكثر ما يؤتى به؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «لا تلعنوه،

---

(1) شرح ریاض الصالحین، 3/20-21

(2) النجدی، فیصل بن عبد العزیز، تطریز ریاض الصالحین، دار العاصمہ للنشر والتوزیع، الریاض، 1423ھ، 1/181

فواللہ ما علمت إنه يحب الله ورسوله»[1]

”ایک شخص نبی ﷺ کے زمانے میں جس کا نام عبد اللہ اور لقب حمار تھا اور رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو شراب پینے کے سبب کوڑے لگوائے تھے ایک دن پھر نشہ کی حالت میں لایا گیا آپ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تو اس کو کوڑے لگائے گئے، قوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، کس قدر یہ (نشہ کی حالت میں) لایا جاتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی ’صحیح البخاری‘ میں ’باب ما يكره من لعن شارب الخمر وانه ليس بخارج من الملة‘ کے تحت ذکر کیا ہے یہ باب باندھنے سے ان کا مقصد یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص شرب خمر کی عادت نہیں چھوڑتا تو اسے گالی گلوچ، لعن طعن نہ کی جائے اور نہ ہی مے خوری کے جرم پر اسے خارج من الملة شمار کیا جائے امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال اس لیے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اس حدیث میں صحابی رسول عبد اللہؓ جنہوں نے شراب نوشی کی تھی ان کے بارے میں لعن طعن کرنے کی ممانعت فرمائی بلکہ یہ بھی گواہی دی "انه يحب الله ورسوله" کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"وَفِيهِ الرَّدُّ عَلَى مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ كَافِرٌ لِثُبُوتِ النَّهْيِ عَنْ لَعْنِهِ وَالْأَمْرِ بِالدُّعَاءِ لَهُ وَفِيهِ أَنْ لَا تَنَافِيَ بَيْنَ ارْتِكَابِ النَّهْيِ وَثُبُوتِ مَحَبَّةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فِي قَلْبِ الْمُرْتَكِبِ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَ بِأَنَّ الْمَذْكُورَ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مَعَ وُجُودِ مَا صَدَرَ مِنْهُ وَأَنَّ مَنْ تَكَرَّرَتْ مِنْهُ الْمَعْصِيَةُ لَا تُنْزَعُ مِنْهُ مَحَبَّةُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ تَأْكِيدُ مَا تَقَدَّمَ أَنَّ نَفْيَ الْإِيمَانِ عَنْ شَارِبِ الْخَمْرِ لَا يُرَادُ بِهِ زَوَالُهُ بِالْكُلِّيَّةِ بَلْ نَفْيُ كَمَالِهِ كَمَا تَقَدَّمَ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ اسْتِمْرَارُ ثُبُوتِ مَحَبَّةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فِي قَلْبِ الْعَاصِي مُقَيَّدًا بِمَا إِذَا نَدِمَ عَلَى وُقُوعِ الْمَعْصِيَةِ وَأُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ فَكَفَّرَ عَنْهُ الذَّنْبَ الْمَذْكُورَ بِخِلَافِ مَنْ لَمْ يَقَعْ مِنْهُ ذَلِكَ فَإِنَّهُ يُخْشَى عَلَيْهِ بِتَكْرَارِ الذَّنْبِ أَنْ يُطْبَعَ عَلَى قَلْبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يُسْلَبَ مِنْهُ ذَلِكَ نَسْأَلُ اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ"[2]

”اس حدیث میں ان حضرات کا رد ہے جن کا خیال ہے کبیرہ گناہوں کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر لعنت کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس کے لیے دعا خیر کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ، رقم الحدیث، 6780

(2) فتح الباری، 12/78

آدمی کے تکرار گناہ کی وجہ سے اس کے دل سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نہیں نکلی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال ہوتا ہے کہ بحث گزر گئی ہے کہ شرب خمر میں ایمان نہیں ہوتا اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ بالکل ایمان سے خالی ہو جاتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ درجہ کمال والا ایمان نہیں ہوتا (وہاں نفی کمال ہے نہ کہ بالکلیہ نفی ہے) یہ بھی احتمال ہے کہ مرتکب کبیرہ کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا پایا جانا اس بات کے ساتھ مقید ہو جب وہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہو اور اس پر حد نافذ کر دی جائے اور اس کا گناہ معاف ہو جائے۔ جیسے مذکورہ واقعہ ہے، برعکس اس شخص کے جس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا اس کے بارے میں ڈر ہے کہ گناہوں کے تکرار کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگا دی جائے جس سے یہ محبت ختم ہو جائے۔ ہم اللہ سے درگزر اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔"

مے خوری کی حد میں کتب احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ روایات موجود ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف سزا کو بیان کرتی ہیں ان کا سب کا ماحاصل یہ ہے کہ سزا کا مقصد گناہ کی عادت کو چھڑانا ہے نہ کہ جان سے مارنا ہے اگر کسی معاشرے میں کم سے کم سزا کے ذریعے افراد معاشرہ کو مے خوری سے باز رکھا جا سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر ان کی اس قدر مے خوری کی عادات بگڑ چکی ہیں کہ باز نہیں رہتے اور لوگوں کے لیے اس عمل کی وجہ سے وہ اذیت اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں تو ان کو سخت سزا دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ کیفیت جرم اور نوعیت حالات کے پیش نظر شرب خمر کی سزا میں کمی پیشی کی جا سکتی ہے۔ یہی رسول اکرم ﷺ کا اسلوب حد خمر کے بارے میں نظر آتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَدَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ، وَالنِّعَالِ»، وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَرْبَعِينَ، فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ دَعَا النَّاسَ، فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ دَنَوْا مِنَ الرِّيفِ وَقَالَ مُسَدَّدٌ: مِنَ الْقُرَى وَالرِّيفِ فَمَا تَرَوْنَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ: نَرَى أَنْ تَجْعَلَهُ كَأَخَفِّ الْحُدُودِ، فَجَلَدَ فِيهِ ثَمَانِينَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُ جَلَدَ بِالْجَرِيدِ، وَالنِّعَالِ أَرْبَعِينَ» وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «ضَرَبَ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ الْأَرْبَعِينَ»[1]

"نبی ﷺ نے شراب کی حد میں درخت کی شاخ سے اور جوتے سے کوڑے لگائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگائے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بیشک لوگ دیہاتوں سے اور مسدد نے اپنی روایت میں کہا کہ گاؤں اور دیہاتوں سے بہت نزدیک ہو گئے ہیں پس شراب پینے کی حد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان سے فرمایا کہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ شراب کی ہلکی سے ہلکی سزا مقرر کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے میں 80 کوڑے

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر، رقم الحدیث: 4479

مقرر فرمائے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی عروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے حضور اکرم ﷺ نے دو لکڑیوں سے چالیس کوڑے مارے اور شعبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو لکڑیوں سے چالیس کے لگ بھگ مارے۔"

حد خمر کے نفاذ میں آپؐ کی تیسیر اور آسانی کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقِتْ فِي الْخَمْرِ حَدًّا»، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكِرَ، فَلُقِيَ يَمِيلُ فِي الْفَجِّ، فَانْطُلِقَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا حَاذَى بِدَارِ الْعَبَّاسِ، انْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهُ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ، وَقَالَ: «أَفَعَلَهَا؟» وَلَمْ يَأْمُرْ فِيهِ بِشَيْءٍ »[1]

"رسول اللہ ﷺ نے شراب کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آدمی نے شراب پی تو اسے نشہ ہو گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک پہاڑی درے میں مل گیا تو اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے راستہ میں جب حضرت عباسؓ کے مکان کے مقابل سے گذرے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت عباسؓ کے مکان میں گھس کر ان سے لپٹ گیا پھر اس واقعہ کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اور اس کے بارے میں کوئی حکم ارشاد نہیں فرمایا۔"

شیخ ابو سلیمان حمد بن محمد اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"قلت في هذا دليل على أن حد الخمر أخف الحدود وإن كان الخطب فيه أيسر منه في سائر الفواحش. وقد يحتمل أن يكون إنما لم يتعرض له بعد دخوله دار العباس رضي الله عنه من أجل أنه لم يكن ثبت عليه الحد بإقرار منه أو شهادة عدول، وإنما لقي في الفجع يميل فظن به السكر فلم يكشف عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم وتركه على ذلك والله أعلم."[2]

حدّ قتل کے نفاذ میں تیسیر:

قتل کی وجہ سے معاشرے میں جس قدر بے چینی، بد امنی اور فتنہ و فساد جنم لیتا ہے کسی اور گناہ یا جرم کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس لیے شریعت اسلامیہ میں قتلِ انسان کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے۔

اگر کوئی فرد کسی کو قتل کر دیتا ہے تو ورثاء کو قصاص اور دیت میں اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے قاتل کو قتل کے جرم میں سزا دلوائیں یا پھر وہ مقتول کی دیت وصول کر لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر، رقم الحدیث: 4476

(2) معالم السنن، 3/338

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ * وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[1]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کروگے۔"

خون بہا دینے کے بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾[2]

"کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، اِلّا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفّارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے، اِلّا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفّارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔"

قتل عمد اور قتل خطاء میں قصاص کا معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص قتل کرتا ہے تو اس کا بدلہ قتل ہے دوسری صورت ورثاء سے ہمدردی اور ان کو مالی طور پر مضبوط کرنے اور مقتول کی وجہ سے جو ان کو مالی نقصان پہنچتا ہے اس کے ازالہ کے لیے خون بہا کی ادائیگی کی صورت ہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے ساتھ شفقت، نرمی، آسانی اور تیسیر کے پہلو کو

---

(1) البقرہ 2: 178۔179

(2) النساء4: 92

ترجیح دیتے تھے اس لیے آپؐ نے اکثر موقعوں پر ورثاء کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو خون بہا دلوایا تاکہ وہ معاشی طور پر مستحکم ہوسکیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر دیں تاکہ اس کی زندگی بچ سکے۔

آپ ؐ کا جو اسلوب تھا اس کی وضاحت حضرت وائل بن حجرؓ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جِيءَ بِرَجُلٍ قَاتِلٍ فِي عُنُقِهِ النِّسْعَةُ، قَالَ: فَدَعَا وَلِيَّ الْمَقْتُولِ، فَقَالَ: «أَتَعْفُو؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «أَفَتَأْخُذُ الدِّيَةَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «أَفَتَقْتُلُ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اذْهَبْ بِهِ»، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ: «أَتَعْفُو؟» قَالَ: لَا، قَالَ : «أَفَتَأْخُذُ الدِّيَةَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «أَفَتَقْتُلُ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اذْهَبْ بِهِ»، فَلَمَّا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ، قَالَ: «أَمَا إِنَّكَ إِنْ عَفَوْتَ عَنْهُ يَبُوءُ بِإِثْمِهِ، وَإِثْمِ صَاحِبِهِ»، قَالَ: فَعَفَا عَنْهُ، قَالَ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ يَجُرُّ النِّسْعَةَ»[1]

”میں رسول ﷺ کے پاس تھا کہ ایک قاتل آدمی جس کی گردن میں تسمہ پڑا ہوا تھا لایا گیا وائل فرماتے ہیں کہ مقتول کے وارث کو بلایا گیا اور فرمایا کہ تو اسے معاف کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو دیت لینے کے لئے تیار ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں فرمایا کیا تو اسے قتل کرے گا؟ کہا کہ ہاں فرمایا کہ پھر اسے لے جا جب وہ واپس جانے کے لئے مڑا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو معاف کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں پھر فرمایا کہ کیا تو دیت لیتا ہے؟ کہا کہ نہیں، فرمایا کیا تو قتل کرے گا کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ اچھا پھر اسے لے جا جب چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ دیکھ اگر تو اسے معاف کر دے تو یہ اپنے اور مقتول دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھالے گا۔ وائل کہتے ہیں کہ پھر اس نے معاف کر دیا میں نے اسے (قاتل دیکھا) کہ تسمہ گھسیٹتا جا رہا تھا۔ “

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ’باب الامام یامر بالعفو فی الدم‘ کے تحت بیان کیا ہے باب کے عنوان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قاضی یا جج کو قتل کے معاملے میں ورثاء کو ’معاف‘ کرنے کا حکم دینا چاہیے کہ وہ قاتل کو معاف کر دیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

«مَا رُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فِيهِ الْقِصَاصُ، إِلَّا أَمَرَ فِيهِ بِالْعَفْوِ»[2]

”اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں قصاص کا جو مقدمہ بھی لایا گیا آپ نے (بطور سفارش) اس میں معاف کرنے کا کہا۔“

اس حدیث مبارکہ سے بھی اسی بات کی صراحت ہو رہی کہ حدود میں آپ ﷺ کا سزا دینا مقصود نہیں تھا بلکہ جرأت

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو فی الدم، رقم الحدیث: 4499

(2) سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب العفو فی القصاص، رقم الحدیث: 2692

جرم کا خاتمہ مقصود تھا اس لیے آپؐ ورثاء کو عفو و درگزر کی ترغیب دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی صفت تیسیر کا حد قتل میں ایک اور مظاہرہ دیکھیے جسے علقمہ بن وائل اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَبَشِيٍّ، فَقَالَ: إِنَّ هَذَا قَتَلَ ابْنَ أَخِي، قَالَ: «كَيْفَ قَتَلْتَهُ؟» قَالَ: ضَرَبْتُ رَأْسَهُ بِالْفَأْسِ، وَلَمْ أُرِدْ قَتْلَهُ، قَالَ: «هَلْ لَكَ مَالٌ تُؤَدِّي دِيَتَهُ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «أَفَرَأَيْتَ إِنْ أَرْسَلْتُكَ تَسْأَلُ النَّاسَ تَجْمَعُ دِيَتَهُ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَمَوَالِيكَ يُعْطُونَكَ دِيَتَهُ؟» قَالَ: لَا، قَالَ لِلرَّجُلِ: «خُذْهُ» فَخَرَجَ بِهِ لِيَقْتُلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَمَا إِنَّهُ إِنْ قَتَلَهُ كَانَ مِثْلَهُ» فَبَلَغَ بِهِ الرَّجُلُ حَيْثُ يَسْمَعُ قَوْلَهُ، فَقَالَ: «هُوَ ذَا فَمُرْ فِيهِ مَا شِئْتَ» فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَرْسِلْهُ»، وَقَالَ مَرَّةً: «دَعْهُ يَبُوءُ بِإِثْمِ صَاحِبِهِ وَإِثْمِهِ، فَيَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»، قَالَ: فَأَرْسَلَهُ»[1]

”رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی ایک حبشی کو لایا اور کہا کہ اس نے میرے بھتیجے کو قتل کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اسے کس طرح قتل کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے اس کے سر پر کلہاڑی ماری اور میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے کہا کیا تیرے پاس مال ہے کہ تو دیت ادا کر دے اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تیرا کیا خیال ہے اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو تو لوگوں سے مانگ کر دیت کی رقم جمع کر لے گا؟ کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر تیرے مولیٰ تیری دیت ادا کریں گے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے وارث مقتول سے فرمایا کہ اسے پکڑ لو وہ اسے لے کر قتل کے لئے نکلا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اگر یہ اسے قتل کر دے گا تو یہ اسی کی مثل ہو جائے گا یعنی یہ بھی قاتل ہو جائے گا کیونکہ اس نے جو قتل کیا ہے وہ قتل خطاء ہے۔ حضور ﷺ کی بات مقتول کے وارث تک پہنچ گئی جہاں اس نے آپ کے اس فرمان کو سنا تو اس نے کہا کہ یہ حاضر ہے آپ جو چاہیں حکم فرمائیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو تو یہ اپنا اور اپنے ساتھی (جسے قتل کیا ہے) کا گناہ اٹھالے گا۔ اور اہل دوزخ میں سے ہو جائے گا اور مقتول کے وارث نے اسے چھوڑ دیا۔“

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخ محمد بن علی الشوکانی لکھتے ہیں:

"اَلْمُرَادُ أَنَّهُ مِثْلُهُ فِي الْمَأْثَمِ، وَكَيْفَ يُرِيدُهُ وَالْقِصَاصُ مُبَاحٌ وَلَكِنْ أَحَبَّ لَهُ الْعَفْوَ فَعَرَّضَ تَعْرِيضًا أَوْهَمَهُ بِهِ أَنَّهُ إِنْ قَتَلَهُ كَانَ مِثْلَهُ فِي الْإِثْمِ لِيَعْفُوَ عَنْهُ، وَكَانَ مُرَادُهُ أَنَّهُ يَقْتُلُ نَفْسًا كَمَا أَنَّ الْأَوَّلَ قَتَلَ نَفْسًا، وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ ظَالِمًا وَالْآخَرُ مُقْتَصًّا.وَقِيلَ: مَعْنَاهُ كَانَ مِثْلَهُ فِي حُكْمِ الْبَوَاءِ فَصَارَا مُتَسَاوِيَيْنِ لَا فَضْلَ لِلْمُقْتَصِّ إِذَا اسْتَوْفَى عَلَى الْمُقْتَصِّ مِنْهُ. وَقِيلَ: أَرَادَ رَدْعَهُ عَنْ قَتْلِهِ، لِأَنَّ الْقَاتِلَ ادَّعَى أَنَّهُ لَمْ يَقْصِدْ قَتْلَهُ "[2]

---

(1) سنن ابی داوٗد، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو فی الدم، رقم الحدیث: 4501

(2) نیل الاوطار، 7/40-41

"اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گناہ میں اس کی مثل ہو جائے گا یہ اس سے کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟ اور قصاص لینا جائز ہے لیکن اس کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اس کو معاف کر دیتا۔ پس اس نے اعراض کیا یا انکار کر دیا۔ پس چاہئے تھا کہ وہ معاف کر دیتا، اگر وہ اس کو قتل کر دیتا تو گناہ میں اس کی مثل ہوتا اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھا کہ جس طرح پہلے نے قتل کر دیا تھا دوسرے نے بھی قتل کر دیا، اگرچہ پہلا ظالم اور دوسرے نے قصاص لیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد ہے، حکم کی نافرمانی میں یہ بھی اس کے مثل ہے، پس دونوں برابر ہیں۔ جب قصاص لینے والا اپنا قصاص لے لے تو اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا ارادہ اس کو قتل کرنے سے منع کرنے کا تھا کیونکہ قاتل دعویٰ کر چکا تھا کہ اس نے عمداً قتل نہیں کیا۔"

بعض اوقات انسان سے نادانی میں کچھ ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ جن پر سوائے پشیمانی کے اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا مثلاً انسان ایسا جرم کر لیتا ہے کہ اس میں کفارے کی گنجائش موجود نہیں ہوتی یا اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اس پر حد نافذ نہیں ہو سکی ایسے ہی ایک واقعہ کی طرف حضرت واثلہ بن الاسقعؓ نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِّ ﷺ فِي صَاحِبٍ لَنَا أَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ، فَقَالَ: «أَعْتِقُوا عَنْهُ يُعْتِقِ اللهُّ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ ہمارے ایک ایسے آدمی کے معاملہ میں جس کے اوپر قتل (ناحق) کی وجہ سے جہنم واجب ہو چکی تھی تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کی طرف سے (غلام) آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔"

امام محمد بن علی الشوکانی نے 'نیل الاوطار' میں اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے اور اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"فَهُوَ مِنْ أَدِلَّةِ قَبُولِ تَوْبَةِ الْقَاتِلِ عَمْدًا، وَلَا بُدَّ مِنْ حَمْلِهِ عَلَى التَّوْبَةِ، فَإِذَا تَابَ الْقَاتِلُ عَمْدًا فَإِنَّهُ يُشْرَعُ لَهُ التَّكْفِيرُ لِهَذَا الْحَدِيثِ، وَهُوَ دَلِيلٌ عَلَى ثُبُوتِ الْكَفَّارَةِ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ كَمَا ذَهَبَ إلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَأَصْحَابُهُ. وَمِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الْقَاسِمُ وَالْهَادِي وَالْمُؤَيَّدُ بِاَللهَّ وَالْإِمَامُ يَحْيَى. وَقَدْ حُكِيَ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْهَادِي عَدَمُ الْوُجُوبِ فِي الْعَمْدِ وَلَكِنَّهُ نَصَّ فِي الْأَحْكَامِ وَالْمُنْتَخَبِ عَلَى الْوُجُوبِ فِيهِ، وَهَذَا إذَا عُفِيَ عَنْ الْقَاتِلِ أَوْ رَضِيَ الْوَارِثُ بِالدِّيَةِ."[2]

"پس (حدیث) قتل عمد پر توبہ کی قبولیت کی دلیل ہے۔ اور ضروری ہے کہ اس کو توبہ پر محمول کیا جائے۔ پس عمداً قتل کرنے والا اگر توبہ کرے تو اس حدیث کی رو سے اس کی توبہ اس جرم کے کفارہ کے لیے مشروع ہو گی۔

(1) سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی ثواب العتق، رقم الحدیث: 3964

(2) نیل الاوطار، 7/70

قتل عمد کے کفارہ کے ثبوت پر یہ دلیل ہے، امام شافعی اور ان کے اصحاب۔ قاسم کا حلقہ احباب۔ ھادی، مؤید باللہ اور امام یحیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قتل عمد کے کفارہ کے ثبوت پر دلیل ہے۔ ھادی سے "في البحر" روایت کی گئی ہے کہ عمد میں یہ واجب نہیں ہو گا اور لیکن احکام میں وہ نص ہے اور اس کو اس کے وجوب پر منتخب کیا جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب قاتل کو معاف کر دیا جائے گا یا ورثاء کو دیت سے راضی کر دیا جائے۔"

مجرمین کے لیے توبہ کی سہولت:

اگر کوئی فرد جرم یا غلطی کرنے کے بعد اپنے گناہ پر توبہ کرتا ہے تو توبہ کا دروازہ اس پر کبھی بھی بند نہیں ہوتا حتی کہ جرم قتل میں بھی رسول اکرم ﷺ نے قاتل کے لیے توبہ کی قبولیت کی امید کو برقرار رکھا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے جن حدود کا اطلاق فرمایا ہے ان کا فلسفہ ہی یہ تھا کہ جرائم کا خاتمہ ہو سکے کہ سزاؤں کا عام ہونا۔ معافی اور توبہ کی وسعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان في بني إسرائيل رجل قتل تسعة وتسعين إنسانا، ثم خرج يسأل، فأتى راهبا فسأله فقال له: هل من توبة؟ قال: لا، فقتله، فجعل يسأل، فقال له رجل: ائت قرية كذا وكذا، فأدركه الموت، فناء بصدره نحوها، فاختصمت فيه ملائكة الرحمة وملائكة العذاب، فأوحى الله إلى هذه أن تقربي، وأوحى الله إلى هذه أن تباعدي، وقال: قيسوا ما بينهما، فوجد إلى هذه أقرب بشبر، فغفر له»[1]

"بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا پھر اس کی بابت مسئلہ دریافت کرنے کو نکلا پہلے ایک درویش کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا (میری) توبہ قبول ہے؟ درویش نے کہا نہیں اس نے اس درویش کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد پھر وہ یہ مسئلہ پوچھنے کی جستجو میں لگا رہا۔ کسی نے کہا فلاں بستی میں ایک عالم ہے ان کے پاس جا کر پوچھ لو (چنانچہ وہ چل پڑا لیکن راستہ ہی میں) اس کو موت آگئی (مرتے وقت اس نے اپنا سینہ) اس بستی کی طرف بڑھا دیا (جہاں جا کر وہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا) رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارہ میں باہم تکرار ہوئی رحمت کے فرشتے کہتے کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ توبہ کا پختہ ارادہ رکھتا تھا عذاب کے فرشتے کہتے کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ سخت گنہگار تھا اسی اثناء میں اللہ نے اس بستی کو (جہاں جا کر وہ توبہ کرنا چاہتا تھا) یہ حکم دیا کہ اے بستی (اس سے) نزدیک ہو جا اور اس بستی کو (جہاں اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا) یہ حکم دیا کہ تو دور ہو جا اور (فرشتوں کو حکم دیا کہ) دونوں بستیوں کی مسافت ناپو (دیکھو یہ مردہ کس بستی کے قریب ہے چنانچہ) وہ مردہ اس بستی سے (جہاں وہ توبہ کرنے جا رہا تھا) بالشت بھر نزدیک تھی اللہ نے اسے بخش دیا۔"

---

(1) الجامع الصحیح، کتاب الاحادیث الانبیاء، باب حدیث النار، رقم الحدیث: 3470

آپؐ نے کسی بھی جرم میں انسان کے لیے معافی اور توبہ کے راستے بند نہیں کیے۔ اس سے زیادہ تیسیر اور آسانی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسے قاتل کی مثال بیان فرمائی جس نے سو افراد کو قتل کیا تو خدا تعالیٰ نے اس کی توبہ اور استغفار کو بھی قبول فرمایا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وَفِي الْحَدِيثِ مَشْرُوعِيَّةُ التَّوْبَةِ مِنْ جَمِيعِ الْكَبَائِرِ حَتَّى مِنْ قَتْلِ الْأَنْفُسِ وَيُحْمَلُ عَلَى أَنَّ اللّٰہَ تَعَالَى إِذَا قَبِلَ تَوبَةَ الْقَاتِلِ تَكَفَّلَ بِرِضَا خَصْمِهِ "[1]

"اس حدیث میں کبیرہ گناہوں حتیٰ کہ قتل کرنے کے بعد بھی توبہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اس حدیث کو اس امر پر محمول کیا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ کسی قاتل کو معاف کر دے گا تو وہ خود ہی مقتول کے ورثاء کو راضی کر دے گا۔"

دراصل یہ تمام احادیث تفاسیر ہیں کہ حدود و تعزیرات میں رسول اللہ ﷺ کا اسلوب سختی نہیں نرمی تھا۔ آپ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ سزاؤں کی بجائے اصلاح کو ترجیح دیتے تھے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سزا دینا مطلوب نہ تھا بلکہ پردہ پوشی اور جرائم کے مواقع کا خاتمہ مقصود تھا۔ سزاؤں سے ڈرانا مقصود نہیں تھا بلکہ انسان کی اصلاح مقصود تھا۔

تعزیرات میں تیسیر:

رسول اکرم ﷺ تعزیرات کے اجراء میں بھی انتہائی نرمی اور تیسیر سے کام لیتے تھے آپؐ نے تعزیر کے بارے میں فرمایا:

« لا يجلد فوق عشر جلدات إلا في حد من حدود الله»[2]

"حدود اللہ کے سوا (کسی گناہ کی سزا) دس دروں سے زیادہ نہ مارا جائے۔"

اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ سے مختلف الفاظ نقل کیے گئے ہیں 'ضربات'، 'اسواط' اور 'جلدات' یہ تمام الفاظ صراحت کر رہے کہ حدود اللہ کے علاوہ کسی بھی جرم میں سزا دیتے وقت 'دس' کے عدد سے زیادہ نہیں دی جا سکتی۔

شیخ زین الدین عبد الرحمن بن احمد لکھتے ہیں:

"فَهَذَا قَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي مَعْنَاهُ، فَمِنْهُمْ مَنْ فَسَّرَ الْحُدُودَ هَاهُنَا بِهَذِهِ الْحُدُودِ الْمُقَدَّرَةِ، وَقَالَ: إِنَّ التَّعْزِيرَ لَا يُزَادُ عَلَى عَشْرِ جَلَدَاتٍ، وَلَا يُزَادُ عَلَيْهَا إِلَّا فِي هَذِهِ الْحُدُودِ الْمُقَدَّرَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ فَسَّرَ الْحُدُودَ هَاهُنَا بِجِنْسِ مَحَارِمِ اللّٰہِ، وَقَالَ: الْمُرَادُ أَنَّ مُجَاوَزَةَ الْعَشْرِ الْجَلَدَاتِ لَا يَجُوزُ إِلَّا فِي ارْتِكَابِ مُحَرَّمٍ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ، فَأَمَّا ضَرْبُ

---

(1) فتح الباری 6/517

(2) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب کم التعزیر الادب، رقم الحدیث: 6848

التَّأْدِيبِ عَلَى غَيْرِ مُحَرَّمٍ، فَلَا يَتَجَاوَزُ بِهِ عَشْرَ جَلَدَاتٍ."[1]

تعزیرات کا مقصد لوگوں میں سزاؤں کو عام کرنا قطعاً نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں موجود شیطانی اور حیوانی صفات کو کنٹرول اور قابوں میں لایا جائے تاکہ بد امنی اور فتنہ وفساد نہ پھیلے۔ بعض چھوٹے اور معمولی نوعیت کے گناہوں کی رسول اکرم ﷺ سزا نہیں دیتے تھے آپ ﷺ کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ معمولی نوعیت کے گناہوں پر پردہ ڈالا جائے اور جس فرد سے گناہ سرزد ہوا ہو اس کو خدائے عزوجل کے سامنے توبہ اور استغفار کی ترغیب دلائی جائے۔

حضرت عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں:

« جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ، فَأَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُونَ أَنْ أَمَسَّهَا، فَأَنَا هَذَا، فَأَقِمْ عَلَيَّ مَا شِئْتَ، فَقَالَ عُمَرُ: قَدْ سَتَرَ اللهُ عَلَيْكَ لَوْ سَتَرْتَ عَلَى نَفْسِكَ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ، فَأَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا، فَدَعَاهُ، فَتَلَا عَلَيْهِ، {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ} [هود: 114] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَهُ خَاصَّةً أَمْ لِلنَّاسِ كَافَّةً؟ فَقَالَ: «لِلنَّاسِ كَافَّةً»[2]

> ”ایک آدمی نبی اکرم (ﷺ) کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ بیشک میں مدینہ طیبہ کے ایک کنارہ پر ایک عورت سے ملا اور اس سے سوائے جماع کے سب کام کیا پس میں کھڑا ہوں آپ مجھے جو چاہیں سزا دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے تیری ستر پوشی کی کاش کہ تو خود اپنے آپ کی ستر پوشی کر لیتا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اسے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ وہ واپس چلا گیا تو نبی (ﷺ) نے اس کے پیچھے آدمی بھیجا اور اسے بلا کر اس پر قرآن کی آیت تلاوت فرمائی۔ (وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ)۔ ہود 11 : 114)۔ پس ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہ بات اسی آدمی کے ساتھ خاص ہے یا تمام لوگوں کو عام ہے فرمایا کہ تمام کی تمام انسانیت کے لئے ہے۔“

یہ صحابی اپنے گناہوں کا اقرار رہے تھے اور ان کو بہت کھول کر بیان بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپؐ نے ان پر کوئی تعزیز نہیں لگائی بلکہ اس میں نرمی اور آسانی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صرف تیرے لیے ہی خاص نہیں بلکہ یہ تمام لوگوں کے لیے ہے کہ اگر باقی لوگوں سے اس نوعیت کا گناہ سرزد ہو تو ادائیگی نماز سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا۔

مرتکب جرائم کے لیے تیسیر:

رسول اکرم ﷺ نے جہاں نفاذ حدود میں تیسیر اور آسانی سے کام لیا وہاں آپ نے مجرمین پر ایک اور احسان کیا کہ ان کے

---

(1) الحنبلی، عبد الرحمان بن احمد، زین الدین، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1422ھ، 2/163

(2) سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود، باب فی الرجل یصیب من المراۃ دون الجماع....، رقم الحدیث: 4468

لیے ایسے اقدامات کیے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے نفرت پیدا نہ ہو۔ لوگ مجرمین سے نفرت کرتے ہوئے ان سے قطع تعلقی کا راستہ اختیار نہ کریں۔ مجرمین کے لیے آپؐ نے اس معاشرے میں زندگی گزارنے اور گناہ کی سزا کے بعد معاشرے میں زندہ رہنے کے لیے جو اقدامات کیے ہیں وہ اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی وجہ سے ہی سزا ملنے کے بعد مجرم معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جس شخص پر کوئی حد لاگو ہو جائے تو قطعاً اس سزا کی وجہ سے اس سے نفرت نہیں کی جاسکتی۔

آپ ﷺ نے مے خوری پر سزا دی تو ایک آدمی نے اس شرابی کے بارے میں کہا کہ اللہ اس کو رسوا کر دے آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا: « لا تكونوا عون الشيطان على أخيكم »[1]

"اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی پر مے خوری کی حد نافذ ہوئی تو کسی آدمی نے کہا کہ اس پر لعنت ہو اس کو کئی بار سزا ملی ہے پھر بھی باز نہیں آتا آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

« لا تلعنوه، فوالله ما علمت إنه يحب الله ورسوله »[2]

"اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔"

ان دونوں احادیث میں آپ ﷺ نے بہت واضح الفاظ میں فرمادیا ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی شخص سے نفاذ حد کی وجہ سے نفرت کا رویہ قائم رکھے، آپ ﷺ نے ایسے افراد جن پر حدود کا نفاذ ہو جاتا ہے ان کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دلائی کہ ان کی اصلاح کے لیے خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں ان کے اعمال کی اصلاح کی دعا کی جائے۔

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں شرب خمر کی بنا پر ایک آدمی کو سزا دی گئی بعد میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ان کو شرم دلائیں تو صحابہ کرامؓ کہنا شروع ہوئے "اتقيت الله ما خشيت الله وما استحيت" پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ کہو اللهم اغفر له اللهم ارحمه[3]

حضرت ماعز الاسلمیؓ کو جب رجم کر دیا گیا تو آپؐ نے دو صحابہؓ کو باتیں کرتے ہوئے سنا تو فرمایا مجھے اللہ کی ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت کی نہروں میں ہے حدیث میں ہے:

فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرْجَمَ فَرُجِمَ، فَسَمِعَ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِهِ يَقُولُ أَحَدُهُمَا

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ، رقم الحدیث: 6781

(2) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ، رقم الحدیث: 6780

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر، رقم الحدیث: 4478

لِصَاحِبِهِ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الَّذِي سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدَعْهُ نَفْسُهُ حَتَّى رُجِمَ رَجْمَ الْكَلْبِ، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُمَا، فَمَرَّ بِجِيفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهِ، فَقَالَ: «أَيْنَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ؟ »، فَقَالَا: نَحْنُ ذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ لَهُمَا: «كُلَا مِنْ جِيفَةِ هَذَا الْحِمَارِ»، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هَذَا؟، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ هَذَا الرَّجُلِ آنِفًا أَشَدُّ مِنْ أَكْلِ هَذِهِ الْجِيفَةِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُ الْآنَ فِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ »[1]

غامدیہ قبیلہ کی عورت کو جب صحابہ کرامؓ رجم کرنے کے لیے لے گئے تو ان کے خون کے چھینٹے حضرت خالد بن ولیدؓ پر پڑ گئے تو انہوں نے کچھ سخت الفاظ بول دیئے حدیث میں ہے:

فَسَمِعَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّهُ إِيَّاهَا، فَقَالَ: «مَهْلًا يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ »[2]

"اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی اس بری بات کو سنا تو روکتے ہوئے فرمایا اے خالد اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس کا جنازہ ادا کیا گیا اور دفن کیا گیا۔"

اسی طرح جہینہ قبیلہ کی عورت کو رجم کیا گیا تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اس نے زنا کیا تھا اور آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلَّهِ تَعَالَى؟»[3]

"اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ والوں میں ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے پیش کر دیا ہے۔"

مذکورہ بالا دلائل اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ نفاذ حدود میں ٹھوس ثبوتوں کا ہونا ضروری ہے اگر جرم ثابت کرنے والے دلائل میں کہیں سقم ہو گا تو حد نافذ نہیں ہو گی۔ شکوک و شبہات کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی ایسے جرائم جن پر حدود نافذ ہوتی ہیں ان پر معاملہ عدالت میں لے کر جانے سے بہتر یہ ہے کہ کہ پردہ پوشی اور عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔ اگر کسی مجرم کو سزا مل جاتی ہے تو سزا کے بعد کسی قسم کی لعن طعن نہ کی جائے اور اسے گناہ سے پاک و صاف تصور کیا جائے۔

---

(1) محمد بن حبان، ابو حاتم، صحیح ابن حبان، کتاب الحدود، باب ذکر اباحۃ التوقف فی اعضاء الحدود ....، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1414ھ، رقم الحدیث:4399

(2) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعتراف علی نفسہ بالزنیٰ، رقم الحدیث:1695

(3) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعتراف علی نفسہ بالزنیٰ، رقم الحدیث:1696

ماحاصل

دین اسلام دراصل آسان تعلیمات پر مبنی دین ہے۔ اس کی تعلیمات میں لوگوں کی ضروریات، مشکلات، تنگیوں، مجبوریوں کالحاظ رکھا گیا ہے۔ لوگوں کو مارنے کی بجائے زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے سزاؤں کی بجائے عفوو درگزر کی تعلیمات دی گئی ہیں۔ تنگیوں اور مشکلات پیدا کرنے کی بجائے آسانیاں بانٹنے اور پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر دین اسلام میں آسانی اور سہولت کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے تو پھر امور جہاد اور حدود و تعزیرات میں تو سختی، تلخی اور تنگی کے پہلو غالب کیوں نظر آتے ہیں۔ اس سوال کی وضاحت کرنے کے لیے آیا دین اسلام میں امور جہاد اور حدود و تعزیرات میں سختی کا پہلو غالب ہے یا نرمی اور درگزر کو فوقیت دی گئی ہے۔ باب پنجم کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں امور جہاد میں آپ نے نرمی، تیسیر اور آسانی کا جو معاملہ فرمایا ہے اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس فصل میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ امور جہاد میں بھی آپ انتہائی نرمی، آسانی اور تیسیر سے کام لیتے تھے۔ آپ نے دین اسلام کے دشمنوں کے ساتھ بعض مواقع پر جو عفوو درگزر کا معاملہ فرمایا ہے تاریخ عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جنگ کے قوانین میں بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم دیا ہے دنیا کے کسی مذہب میں یہ سلوک نظر نہیں آتا۔ قیدیوں اور مغلوبین کے ساتھ جو حسن سلوک کی ترغیب اور تلقین کی گئی ہے اسے دیکھ کر یہ کہنا قطعاً درست نہ ہو گا کہ اسلام میں جہاد کی تعلیمات ظلم و بربریت اور دہشت پر مبنی ہیں بلکہ اسلام میں امن، سلامتی، عفوو درگزر، نرمی اور تیسیر کو ترجیح دی گئی ہے۔

دوسری فصل میں حدود و تعزیرات میں رسول اکرم ﷺ کی تیسیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سزا کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سزائیں دی جائیں بلکہ ایسے تمام مواقع کا خاتمہ کرنا مقصود ہے جن کی وجہ سے لوگوں پر حدود کا نفاذ ہوتا ہو۔ نفاذ حدود کا مقصد سزا نہیں بلکہ لوگوں کی اصلاح ہے۔ آپؐ کی تعلیمات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایسے حیلے تلاش کیے جائیں جن کی وجہ سے لوگوں کو سزا دی جائے بلکہ ان تعلیمات پر غور اور تدبر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگوں کے لیے عفوو درگزر کو ترجیح دی جائے۔ معاملات کو عدالتوں میں پیش کر کے سزا دلوانے کی بجائے عیوب پر پردہ ڈالنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جرائم کی وجہ لوگوں سے نفرت کرنے کی بجائے ان کی اصلاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سزا یا حدود کا فیصلہ کرتے ہوئے رحمت کا پہلو غالب رہنا چاہیے، کسی بھی معاملہ میں اگر شبہات پیدا ہو جائیں تو وہاں سزا کی بجائے عفوو درگزر سے کام لیا جائے، حدود کے نفاذ میں ٹھوس اور قوی شواہد کی بنا پر ہی سزا دی جائے۔

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث

قرآن مجید مسلم امہ کی رشد و ہدایت کا بنیادی ذریعہ اور شریعت اسلامیہ کا اولین ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسانوں کی نفسیات، ضروریات، حاجیات، احوال، مساکن، انفرادی اور اجتماعی معاملات کا خیال رکھتے ہوئے انہیں احکام کا پابند کیا ہے تاکہ اس کے بندے احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے میں کوئی دقت اور مشکل میں نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی ایک آیات میں اپنے بندوں کو اپنی رحمت کی وسعت کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ احکام الٰہی کے اتنے ہی مکلف ہیں جس قدر وہ وسعت رکھتے ہیں۔ طاقت، ہمت اور قوت سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے احکام کی پیروی کا مطالبہ نہیں کیا۔

احادیث رسول مسلم امہ کی راہنمائی کا دوسرا بنیادی ذریعہ اور شریعت اسلامیہ کا ماخذ ثانی ہے۔ حیات انسانی میں احادیث کی اہمیت و ضرورت مسلمہ ہے۔ احادیث کے بغیر دین اسلام کے احکامات کو سمجھنا ناممکن ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعدد مقامات پر رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی آپ کی پیروی کے ساتھ خاص کر دی گئی ہے۔ بعض دینی و دنیاوی مسائل میں احادیث تنہا اور بعض میں قرآن مجید کی تشریح و توضیح کے ساتھ مسلم امہ کی راہنمائی کرتی ہیں۔ آپؐ کے مقام و مرتبہ کا تقاضا ہے کہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کی جائے۔

حدیث رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا ہے۔ دین و دنیا کی بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و چاہت تک پہنچنے کے لئے قرآن کے بعد یہ دوسرا بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مقصد اور ان میں پائی جانے والی وسعت اور آسانی کا سب سے زیادہ عرفان رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مجملات قرآن کی تبیین، مبہمات قرآن کی توضیح، مشکلات قرآن کی تفسیر اور اشارات قرآن کی تشریح رسول اکرم ﷺ کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا تھا۔ قرآن مجید اور احادیث میں متعدد دلائل اس پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ نرمی آسانی، تیسیر، گنجائش، وسعت، عفو و درگزر اور سہولت کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کے لئے آسانی کو ہی ترجیح دیتے تھے، ایسے تمام اقدام جن کی وجہ سے لوگوں کی زندگی میں عسر، تنگی، حرج اور مشکل پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا تھا، آپ ﷺ اس کو ترک کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے احکام الٰہی کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے اس بات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے کہ کہیں احکام کی پیروی کرنا مسلمانوں کے لیے دشواریوں اور تنگیوں کا باعث نہ بنے۔

بدقسمتی سے عصر حاضر میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو تقویٰ اور پرہیز گاری کے حصول کے لئے رسول اکرم ﷺ کی دی ہوئی آسانیوں، سہولتوں، رخصتوں اور تیسیرات کا انکار کر دیتے ہیں اور خود کو نفلی اور مستحب کاموں میں اس قدر تنگی اور حرج میں مبتلا کر لیتے ہیں کہ بعد میں کئی ایک مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نفلی کاموں میں رخصتوں کی بجائے عزیمتوں کو ترجیح دینے والے بسا اوقات اس سطح تک پہنچ جاتے ہیں کہ بعد میں فرائض کی ادائیگی بھی اچھے طریقے سے نہیں کر سکتے۔

یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لوگوں کے لیے سہولت، تیسیر اور آسانی رکھی ہے وہاں کسی بھی فرد کے لیے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ ان آسانیوں اور تیسیرات کا انکار کر دے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی آسانیوں اور سہولتوں کا انکار معصیت الٰہی کے مرتکب ہونے کے مترادف ہے۔ اس لیے عبادات ومعاملات میں اعتدال کی راہ کو اختیار کرنا چاہیے جن اشیاء میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے گنجائش اور وسعت رکھی ہے ۔وہاں تنگی اور حرج پیدا کر کے خود اپنے اور دیگر لوگوں کے لیے مسائل نہ پیدا کئے جائیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قدرت اور طاقت میں جو چیزیں رکھی ہیں ان سے جان چھڑانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو عزیمت پر عمل کرنا پسندیدہ ہوتا ہے، بسا اوقات سہولت اور آسانی کو اختیار کرنا اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے حصول کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اگر کوئی فرد ایسی سہولت، آسانی، تیسیر اور وسعت کو اختیار کرتا ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہو تو کسی بھی فرد کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ رخصت اور سہولت کو اختیار کرنے والے فرد کے ایمان اور عمل کے بارے میں تشکیک کا اظہار کرے کیونکہ احکام میں عزیمتیں اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہیں تو رخصتیں اور آسانیاں بھی اللہ اور اس کے رسولؐ ہی نے انسانوں کی طبائع اور ضروریات کے پیشِ نظر عطا کی ہیں۔ دوسری طرف وہ افراد جو کاہلی اور سستی کا شکار ہوتے ہیں ان میں دینی امور میں آسانی اور سہولت پسندی کا اس قدر حد اعتدال سے بڑھتا ہوا رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فرائض سے راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور تھوڑی سے تھوڑی مشقت جو ان کی استطاعت اور قدرت میں ہوتی ہے اس سے بھی جان چھڑانے کے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ آسانیوں اور رخصتوں کے تتبع میں شریعت اسلامیہ کی عزیمتوں کا کلیۃً انکار کر دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عزیمتوں اور رخصتوں کو اختیار کرنے میں حد اعتدال سے بڑھتے ہوئے رجحان کا خاتمہ کر کے اعتدال کی راہ کو اپنایا جائے۔ عزیمتوں اور رخصتوں کا تتبع کرنے میں توازن قائم کیا جائے۔

موجودہ دور میں افکار و نظریات اور رویوں میں انتہا پسندی، تلخی اور تشدد پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان کا خاتمہ کرنے کے لیے اور شریعت اسلامیہ میں موجود وسعت، آسانی، سہولت، گنجائش، نرمی اور تیسیر کو اجاگر کرنے کے لیے مقالہ ہذا کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تلخیص ذکر کی جاتی ہے۔

پہلے باب میں تیسر اور اسرار و حکم کا معنی و مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ لفظ تیسیر کی جامعیت اور وسعت کی وضاحت کے لیے اس کے مترادفات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ تیسیر، آسانی، نرمی، گنجائش اور وسعت شریعت اسلامیہ کی خصوصیات ہیں جبکہ اس کے برعکس تنگی، حرج اور مشقت کا شریعت اسلامیہ سے خاتمہ کر دیا گیا ہے اس پر قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے کئی ایک دلائل دیئے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں ان اسباب و وجوہات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی بناء پر رسول اکرم ﷺ لوگوں کے لیے آسانی اور تیسیر فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ رسول کریم ﷺ نے تیسیر کو اختیار کرتے ہوئے جن اسالیب کو اپنایا ان کو بھی بیان کیا گیا

ہے ۔ احکام نبوی ﷺ کا بائبل مقدس سے موازنہ کر کے آپ ﷺ کی "صفت تیسیر" کو مزید اجاگر کر دیا گیا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ نے انسانوں سے بے جا پابندیوں اور ناروا بندشوں کا خاتمہ فرمایا ہے، جن میں انسانیت آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جکڑی ہوئی تھی۔

تیسرے باب میں طہارت و پاکیزگی کے حصول اور فرض عبادات میں رسول کریم ﷺ کی بیان کردہ یا اختیار کردہ آسانیوں، سہولتوں اور تیسیرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ عصر حاضر میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور ان عبادات کی ادائیگی میں نرمی اور تیسیر کو مد نظر رکھا جائے۔ اسلام میں فرض عبادات چند ایک ہیں ان کے علاوہ کئی ایک نفلی عبادات ہیں عام طور پر لوگ نفلی عبادات میں سختی، مشقت اور تنگی سے کام لیتے ہیں، اس باب میں احادیث رسول ﷺ کے دلائل سے واضح کیا گیا ہے کہ نفل عبادات کے شوق میں حد اعتدال کو عبور نہ کیا جائے بلکہ میانہ روی اور اعتدال سے کام لیا جائے۔

چوتھے باب میں اصلاح معاشرہ اور دعوت دین میں رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں موجود نرمی، آسانی اور تیسیر کی وضاحت کی گئی ہے ان فرامین کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف عبادات میں تیسیر اور آسانی کرنے والے تھے بلکہ ہر معاملہ میں آسانی کو ہی ترجیح دیتے تھے۔

پانچویں باب میں احکام جہاد اور حدود و تعزیرات میں تیسیر نبوی ﷺ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے دین اسلام کے امتیازی وصف "الدین یسر" کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ احکام جہاد کے مطالعہ سے یہ بات بہت نکھر کر سامنے آئی ہے کہ جہاد و قتال کا مقصد لوگوں کی زندگی میں خوف و حراس اور دہشت پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ جہاد کے ذریعے مظلوموں کی مدد اور لوگوں کو تحفظ زندگی دینا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جنگی قوانین میں دشمنانِ اسلام کے لیے کئی ایک رعائتیں اور نرمیاں رکھی ہیں۔

حدود و تعزیرات سے مراد سنگین قسم کے جرائم کی سزا ہے۔ حدود کے ذریعے انسانی معاشرہ میں جرأت جرائم کا خاتمہ اور افراد معاشرہ کی ناموس، زندگی اور اموال کی حفاظت مقصود ہے، اس لیے آپ ﷺ نے حدود و تعزیرات کا نفاذ کرتے ہوئے مجرمین کے احوال، مساکن اور استطاعت کا خیال رکھا ہے۔

مقالہ میں موجود ابحاث کی روشنی میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے مشقت، حرج، تنگی اور بندش کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ آسانی، سہولت، گنجائش، وسعت اور تیسیر کو پسند فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے سفر اور بیماری کی حالت میں رخصت پر عمل کرنے کو پسند کیا۔ جب آپ ﷺ کو انتقام اور معافی میں اختیار ملا تو آپ ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لیا۔ جب آپ ﷺ نے منافقین کے بارے میں فیصلہ فرمایا تو اس میں بھی مصلحت اور حکمت کو مد نظر رکھا۔ دشمنان دین کے بارے میں اختیار ملا تو آپ ﷺ نے نرمی اور وسعت سے کام لیا۔ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے کسی راستے، غزوہ اور پڑاؤ کا مشورہ کیا تو ان کے دیئے ہوئے مشوروں میں سے آسان کو منتخب فرمایا۔ پوری زندگی میں کسی فرد سے ذاتی انتقام نہ لیا بلکہ ہر ایک سے نرم خوئی، محبت و شفقت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے یہی آپ ﷺ کی "صفت تیسیر" کا خلاصہ ہے اور یہی دین کی اصل روح ہے۔ اس لیے مسالک، فرقوں، گروہوں، تنظیموں، ذاتوں، قبیلوں، علاقوں اور جماعتوں کے درمیان

تعصب، نفرت، انتہاپسندی اور تشدد پسندی پر مبنی رجحانات کے خاتمہ کے لیے موجودہ دور میں شریعت اسلامیہ میں موجود تصور تیسیر کو مزید اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ عصر حاضر میں کشیدگی، تلخی، قساوت قلبی اور بے جا سختی کا خاتمہ ہو سکے اور افراد معاشرہ کو پر امن، پر سکون، پر اطمینان اور محفوظ زندگی گزارنے کا حق دیا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب

تجاویز و سفارشات

تجاویز و سفارشات

احادیث نبویہ میں تیسیر اسرار و حکم کے موضوع پر تحقیق کرنے کے بعد چند ایک تجاویز و سفارشات مرتب کی جاتی ہیں۔

1. قرآنی احکام میں بعض جگہوں پر مسلمانوں کی مشقت اور حرج کے پیش نظر آسانی اور سہولت سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا گیا ہے ان پر تحقیق کرنے سے موجودہ دور میں مسلمانوں کو پیش آمدہ مشکلات اور تنگیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔
2. شریعت اسلامیہ کا تصوّر "تیسیر" خاصہ طویل موضوع ہے اس لیے ہر ایک عنوان مثلاً نفلی عبادات، معاشرتی امور، سیاسی و اقتصادی معاملات، دعوت و تبلیغ، جہاد اور حدود و تعزیرات میں تصور تیسیر کا سیرت طیبہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور عملی طور پر نفاذ کیا جائے۔
3. افرادِ معاشرہ میں اعتدال و توازن کی فضا اور عدم برداشت و تعصّبات پر مبنی تصوّرات کا خاتمہ رسول اکرم ﷺ کے تیسیر پر مبنی فرامین کے ذریعے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔
4. تیسیر پر مبنی احادیث دینی و عصری نصاب میں شامل کرنے سے معاشرے میں امن اور رواداری کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔
5. اساتذہ اور علماء کے لیے حکومتی سطح پر تیسیر سے متعلقہ موضوعات پر ورکشاپس اور سیمینارز منعقد کئے جائیں تاکہ ان کے ذریعے طلبہ اور عوام الناس کی راہنمائی کی جا سکے۔
6. شریعت اسلامیہ کی صفت "تیسیر" کو اجاگر کرنے سے بین المسالک ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے۔

فہرستِ مصادر و مراجع

مصادر و مراجع

- القرآن الکریم
- بائبل مقدس

- ابن ابی اسامہ، الحارث بن محمد، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، مرکز السنۃ والسیرۃ النبویہ، مدینہ منورہ، 1413ھ
- ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، مسند ابن ابی شیبہ، دار الوطن، الریاض، 1997ء
- ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، الادب لابن ابی شیبہ، دار البشائر الإسلامیۃ، لبنان، 1999ء
- ابن الاثیر، المبارک بن محمد، ابو السعادات، مجد الدین، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، المکتبۃ العلمیۃ۔ بیروت، 1979ء
- ابن العربی، محمد بن عبد اللہ، قاضی، احکام القرآن لابن العربی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1424ھ
- ابن القیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیہ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مکتبہ المنار الاسلامیہ، 1981ء
- ابن القیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیہ، مفتاح دار السعادۃ و منشور ولایۃ العلم والارادۃ، دار الکتاب العلمیہ، بیروت
- ابن القیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1991ء
- ابن بطال، علی بن خلف، ابو الحسن، شرح صحیح البخاری لابن بطال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1426ھ۔
- ابن تیمیہ، احمد بن حلیم، تقی الدین، السیاسۃ الشرعیہ، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، سعودی عرب
- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ النبویۃ، 1416ھ
- ابن حزم، علی بن احمد، الاندلسی، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، مکتبہ الخانجی القاہرہ
- ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق، صحیح ابن خزیمہ، المکتب الإسلامی، بیروت
- ابن خلدون، عبد الرحمان بن محمد، المقدمہ، دار الفکر، بیروت، 1988ء
- ابن علی رضا، محمد رشید، تفسیر القرآن الحکیم۔ تفسیر المنار۔ الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1999ء
- ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ، المقدسی، المغنی لابن قدامہ، مکتبہ القاہرہ، 1388ھ
- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، 1999ء
- ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ
- ابن مبارک، عبد اللہ، ابو عبد الرحمٰن، الزھد والرقائق لابن المبارک، دار الکتب العلمیہ، بیروت

- ابو البقاء الکفوی، الکلیات، دار المعرفۃ، بیروت، 2007ء
- احمد بن فارس، ابو الحسین، مقاییس اللغۃ، دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر 1322ھ
- احمد بن محمد بن علی الفیومی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، المکتبہ العلمیہ، بیروت۔
- احمد بن محمد، ابو جعفر، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، 1414ھ
- احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء
- احمد بن فارس، ابو الحسین، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، 1979ء
- الازہری، کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، ضیاء النبی پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان
- الازہری، محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، 1995ء
- الاشقر، عمر سلیمان، ڈاکٹر، خصائص الشریعۃ الاسلامیۃ، مکتبہ الفلاح، الکویت، 1986ء
- الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، راغب، تفسیر الراغب الأصفہانی، کلیۃ الآداب - جامعۃ طنطا، 1999ء
- الاصفہانی، حسین بن محمد، ابو القاسم، مفردات القرآن فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، بیروت، 1412ھ
- الاصفہانی، نعیم احمد بن عبد اللہ، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر، 1974ء
- اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران فاؤنڈیشن، لاہور
- الاندلسی، محمد بن یوسف، ابو حیان، البحر المحیط فی التفسیر، دار الفکر، بیروت، 1420ھ
- البانی، ناصر الدین، الشیخ، سلسلۃ احادیث صحیحہ (اردو) مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2009ء
- البانی، محمد ناصر الدین، ابو عبد الرحمٰن، مناسک الحج والعمرۃ، مکتبہ المعارف، طبع اول س۔ن
- بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1427ھ
- بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، 1422ھ
- بغدادی، القاسم بن سلام، ابو عبید، کتاب الاموال، دار الفکر، بیروت
- بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 1420ھ
- بھٹی، محمد اجمل، صحیح ابن خزیمہ، ۔ترجمہ۔ انصار السنہ پبلیکیشرز، لاہور
- البیہقی، احمد بن الحسین، ابو بکر، السنن الصغیر للبیہقی، جامعہ الدراسات اسلامیہ، کراچی، پاکستان، 1410ھ
- بیہقی، احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2003ء
- پالن پوری، حسین احمد، مفتی، تحفۃ القاری، زمزم پبلیشرز، کراچی، 2012ء۔
- پھلواروی، محمد جعفر شاہ، مولانا، اسلام۔ دین آسان ہے، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1955ء

- الترمذی، محمد بن عیسی، أبو عیسی، سنن الترمذی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی – مصر، 1975ء
- تفتازانی، سعد الدین مسعود، علامہ، شرح التلویح علی التوضیح، مکتبۃ صبیح بمصر
- التونسی، محمد الطاہر بن محمد، التحریر والتنویر تحریر المعنی السدید وتنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید، الدار التونسیۃ للنشر، تونس، 1984ء
- الثعلبی، احمد بن محمد بن إبراہیم، ابو إسحاق، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان، 2002ء
- جالندھری، عبد الحکیم خان نشر، قائد اللغات، حمد اینڈ کو تاجران وناشران کتب، لاہور
- الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، جمال الدین، ابو الفرج، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتاب العربی۔ بیروت 1422ھ
- حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ، نیساپوری،، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت، 1990ء
- حمد بن محمد، ابو سلیمان، معالم السنن، المطبعہ العلمیہ، حلب، 1351ھ، 1351ھ
- حمزۃ محمد قاسم، منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، مکتبۃ دار البیان، دمشق۔ الجمہوریۃ العربیۃ السوریۃ، مکتبۃ المؤید، الطائف – المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1990ء
- الحنبلی، عبد الرحمن بن احمد بن رجب، زین الدین، فتح الباری شرح صحیح البخاری، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ۔ المدینۃ النبویۃ، 1996ء
- الحنبلی، عبد الرحمان بن احمد، زین الدین، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1422ھ
- خان، سید احمد، فرہنگ آصفہ، مطبع پرنٹرز، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، لاہور
- الخطیب، عبد الکریم یونس، التفسیر القرآنی للقرآن، دار الفکر العربی، القاہرۃ
- دار قطنی، علی بن عمر بن احمد بن مہدی، ابو الحسن، سنن الدار قطنی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔ لبنان، 2004ء
- دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، ابو محمد، سنن الدارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع۔ السعودیہ، 2000ء
- دارمی، محمد بن حبان، أبو حاتم، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1988ء
- دمشقی، عبد القادر بن بدران، المدخل لابن بدران، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1401ھ
- دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، دار الجلیل بیروت، لبنان، 2005ء
- ڈاکٹر فضل الٰہی، پروفیسر، حج وعمرہ کی آسانیاں، دار النور، اسلام آباد، 2009ء
- رازی، احمد بن علی، ابو بکر الجصاص، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1415ھ

- رازی، محمد بن احمد، ابو البشر، الکنی والاسماء، دار ابن حزم، بیروت، 1421ھ
- رازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن، امام، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت 1420ھ
- زیدان، عبد الکریم، اصول دعوت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
- زین الدین عبد الرحیم بن الحسین، ابو الفضل، طرح التثریب فی شرح التقریب (المقصود بالتقریب: تقریب الأسانید وترتیب المسانید، دار إحیاء التراث العربی، ومؤسسۃ التاریخ العربی، ودار الفکر العربی
- زین العابدین، قاضی، بیان اللسان، مکتبہ علمیہ، لاہور 1963ء
- السعدی، عبد الرحمان بن ناصر، تفسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان المعروف تفسیر السعدی، موسسۃ الرسالۃ، 2000ء
- السعدی، عبید اللہ، مولانا، ضرورت وحاجت سے مراد اور احکام شرعیہ میں ان کا لحاظ، ایف پبلیکشرز، نئی دہلی، انڈیا
- سلیمان بن اشعث، ابو داود، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریۃ صیدا۔ بیروت
- سمرقندی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، المقدمہ، دار المغنی للنشر والتوریغ، المملکۃ العربیہ السعودیہ، 1412ھ
- سیوطی، جلال الدین بن عبد الرحمن، الاشباہ والنظائر للسیوطی، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، 1219ء
- شاذلی، محمد عبد العزیز، الادب النبوی، دار المعرفۃ۔ بیروت، 1423ھ۔
- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابو اسحاق، الموافقات، دار ابن عفان للنشر والتوزیع، المملکہ العربیہ السعودیہ، 1417ھ
- شافعی، شمس الدین محمد بن عمر، المجالس الوعظیۃ فی شرح أحادیث خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وسلم من صحیح الإمام البخاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 2004ء
- شافعی، محمد علی بن محمد بن علان بن إبراہیم، دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، 2004ء
- شامی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، مسند الشامیین، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
- شعراوی، محمد متولی، تفسیر الشعراوی، الخواطر، مطابع اخبار الیوم، 1997ء
- شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، دار الحدیث، مصر
- شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب۔ دمشق، بیروت، 1414ھ
- صالح بن عبد اللہ بن حمید، الدکتور، رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیۃ، احیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القریٰ، مکہ، 1403ھ
- صدیقی، یاسین مظہر، پروفیسر، عہد نبوی کا نظام حکومت، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، 1995ء

- طبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ، 1994ء
- طبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، المعجم الاوسط، دار الحرمین، القاہرہ
- طبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، دار ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان الطبعۃ: الاولی، 1422ھ
- طنطاوی، محمد سید، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، دار نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الفجالۃ۔ القاہرۃ، 1997ء
- الطیالسی، سلیمان بن داوٗد، مسند ابی داوٗد الطیالسی، دار ہجر، مصر، 1999ء
- الطیب احمد، الشیخ، شرح ریاض الصالحین، مصدر الکتاب: دروس صوتیہ قام بتغیریغھا موقع الشبکۃ الاسلامیہ، المکتبۃ الشاملۃ
- عبد المجید، خواجہ، جامع اللغات، ملک محمد دین اینڈ سنز، تاجران کتب، لاہور۔
- عبد، ابن دقیق، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ
- عبد العزیز بن عبد السلام، الاشارۃ إلی الایجاز فی بعض انواع اعجاز فی القرآن الکریم، دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ 1408ھ
- عبد الکبیر محسن، ڈاکٹر، پروفیسر، توفیق الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ اسلامیہ، 2008ء
- عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، ابو عبد الرحمٰن، تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام، مکتبہ الصحابۃ الامارات، 1426ھ
- عبد المعاطی، حمودہ، ڈاکٹر، اسلام ایک زندہ حقیقت، (مترجم: رضا بد خشانی)، تعمیر پرنٹنگ پریس، لاہور
- عثمانی، شبیر احمد، مفتی، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، 2007ء
- عثیمین، محمد بن صالح بن محمد، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن للنشر، الریاض، 1426ھ
- عز الدین بن عبد السلام، ابو محمد، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، مکتبہ الکلیات الازہریہ، القاہرۃ
- عسقلانی، احمد بن محمد، ابن حجر، ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری، المطبعہ الکبریٰ، مصر، 1323ھ
- عسقلانی، احمد بن علی، ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ
- عظیم آبادی، محمد اشرف بن امیر، عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔
- عمادی، محمد بن محمد، ابو السعود، تفسیر ابی السعود إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت
- عمر کامل، ڈاکٹر، الرخصۃ الشرعیۃ فی الاصول والقواعد الفقھیۃ، المکتبۃ المکیۃ، مکۃ المکرمۃ 1420ھ
- العیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، ابو الحسن، موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان، دار الکتب العملیہ
- عینی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

- فاتح بن محمد الصغیر، الیسر والسماحۃ فی الاسلام، الکتاب منشور علی موقع وزارۃ الاوقاف السعودیۃ بدون بیانات۔
- فتاوی اللجنۃ اللائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء، دار المؤید للنشر والتوزیع، الریاض
- قاری، علی بن محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، لبنان، 2002ء
- قاسمی، جمال الدین، محاسن التاویل (تفسیر القاسمی)، دار احیاء الکتب، مصر
- قائم رضا، سید، جدید نسیم اللغات، شبنم غلام علی اینڈ سنز، 1989ء
- قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن أحمد، امام، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ۔ القاہرۃ 1964ء،
- القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- قطب ابراہیم، سید، تفسیر فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، القاہرہ، 1412ھ
- کاسانی، ابو بکر بن مسعود بن احمد، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ، 1966ء
- کامل، عمر عبد اللہ، الرخصۃ الشرعیۃ فی الاصول والقوٰی الفقھیۃ، دار الکتب، طبع دوم، 2000ء
- کشمیری، محمد انور شاہ، فیض الباری علی صحیح البخاری، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان، 2005ء
- کیلانی، عبد الرحمان، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور
- کیلانی، عبد الرحمان، مولانا، نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، مکتبہ السلام، لاہور
- الماتریدی، محمد بن محمد بن محمود، ابو منصور، تفسیر الماتریدی (تأویلات أہل السنۃ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 2005ء
- مالک بن انس، امام، المؤطا، مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نھیان للاعمال الخیریۃ والانسانیۃ، ابو ظھبی الامارات
- الماوردی، علی بن محمد، ابو الحسن، الاحکام السلطانیہ، مکتبہ التوفیقیۃ، مصر
- الماوردی، علی بن محمد بن محمد، ابو الحسن، تفسیر الماوردی النکت والعیون، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت
- مبارک پوری، عبد اللہ بن محمد، عبد السلام، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ادارۃ البحوث العلمیہ والدعوۃ والافتاء، جامعہ سلفیہ، بنارس الھند، 1404ھ
- مجموعۃ علماء، الموسۃ الفقھیہ، دار السلاسل، ط2، الکویت
- محمد الخضری، اصول الفقہ، القاہرہ، دار الحدیث، 2003ء
- محمد المدعو بعبد الرؤوف، زین الدین، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، 1356ء
- محمد بن اسماعیل بن صلاح، سبل السلام، دار الحدیث۔
- محمد بن عبد الھادی التتوی، حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، دار الجیل۔ بیروت
- محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسینی، أبو الفیض، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایۃ

- محمد رواس، قلعجی، حامد صادق قنیبی، معجم لغۃ الفقہاء، دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1988ء
- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، 1981ء
- محمد قاسم، حمزہ، منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری، مکتبہ دار الباین، دمشق، 1410ھ۔
- مختار الصحاح، دار الھلال، لبنان، 1988ء
- المراغی، احمد بن مصطفی، تفسیر المراغی، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ بمصر، 1946ء
- المروزی، منصور بن محمد بن عبد الجبار، ابو المظفر، تفسیر القرآن، دار الوطن، الریاض، السعودیۃ
- مزمی، اسماعیل بن یحیٰی، السنن الماثور للشافعی،، دار المعرفۃ، بیروت، 1406ھ
- المعجم الوسیط، المکتبۃ العلمیہ، طہران، 1972ء
- معمر بن أبی عمرو، الجامع (منشور کملحق بمصنف عبد الرزاق)، المجلس العلمی باکستان وتوزیع المکتب اسلامی، بیروت، 1403ھ
- منذری، عبد العظیم بن عبد القوی، ابو محمد، الترغیب والترہیب،، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ
- مودودی، ابو اعلیٰ، سید، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن، 1995ء
- مودودی، ابو الاعلی، سید، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1992ء
- نجدی، فیصل بن عبد العزیز، تطریز، ریاض الصالحین، دار العاصمۃ للنشر والتوزیع، الریاض، 1423ھ
- ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور
- نسائی، احمد بن شعیب بن علی، ابو عبد الرحمٰن، السنن النسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ۔ حلب، 1986ء
- نعمانی، عبد الرشید، لغات القرآن، دار الاشاعت، کراچی، 1972ء
- نعیم، نعیم الحق، دعوت واصلاح کے چند اہم اصول قرآن وسنت کی روشنی میں، رضیہ شریف ٹرسٹ، لاہور
- نووی، یحیی بن شرف، ابوزکریا، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربی۔ بیروت، 1392ھ
- یمنی، محمد بن علی بن محمد، نیل الأوطار، دار الحدیث، مصر، 1993ء
- یوسف، صلاح الدین، حافظ، "زکوۃ، عشر اور صدقۃ الفطر فضائل، احکام ومسائل"، دار السلام، لاہور

لغات:

- الافریقی، ابن منظور، جمال الدین، لسان العرب، دار صادر۔ بیروت 1414ھ
- فیروز الدین، الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور
- القاموس، دار الرشاد الحدیث، استنبول۔

- معجم لغۃ الفقہاء، دار النفائس لطباعۃ والنشر والتوزیع، 1408ھ
- المنجد الابجدی، دار المشرق، بیروت، 1972ء
- المنجد (عربی، اردو) ادارہ اسلامیات، لاہور